گلدستۂ تجلیات

۱۳۶۲ھ

شعر

باوضو گر پڑھو تو اچھا ہے
تذکرہ اس میں اہل بیتؑ کا ہے

مرتبہٗ
سید محی الدین قادری

فہرست مضامین

گلدستہ تجلیات

حمد و نعت

تمام تعریف اس خدائے قدوس کو سزاوار ہے جس نے انسان ضعیف البنیان کو عقل وعلم سے سرفراز فرما کر دولت عرفان سے مالا مال کیا۔ لاکھوں صلوٰۃ اور کروڑوں سلام اس ذات قدسی صفات پر جس نے عبد سے معبود کا رشتہ قائم فرما دیا

ہزاروں رحمتیں ان ہادیان دین مبین و سالکان شرع متین پر جنہوں نے گم گشتگان راہ کو منزل مقصود دکھائی۔

اللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ محمدٍ وَّعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ

واتباعہ السّالکین الیٰ یوم الدّین



دیباچہ

۶۲/۱۳

خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ ۔ جس کو چاہتا ہے من مانے دیتا ہے۔ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۔ میں بتاؤں گا کہ ہمارے زمانہ میں بھی كَانَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ کا ایک جانشین تھا۔ ہماری خوش بختی کہ اس کا فیض صحبت ہم کو بھی نصیب ہوا۔ وہ کون ہے؟ سیدی۔ سندی حبیبی

سید محمد صدیق حسینی قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنہ

سیادت:۔ حیدر آباد تو کیا ہے۔ عربستان کے لوگ بھی ان کی سیادت کو تسلیم کرتے تھے۔

عالم ہونا:۔ سب کو معلوم ہے کہ وہ بہت بڑے عالم تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم مولوی زماں خاں صاحب شہید کے پاس مسیح الزماں صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ مولوی نیاز محمد صاحب بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل ہوئی۔ آپ نہایت کثیر المطالعہ تھے۔ والد مرحوم فرماتے تھے میں نے اپنے کتب خانہ کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا ہمارے کتب خانہ کی تمام کتابوں کا خواجہ میاں یعنی حضرت نے مطالعہ کیا ہے۔ خود حضرت کے کتب خانہ میں ہر قسم اور مختلف فنوں کی کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا۔ حضرت

سید عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی عالم تھے۔ اور یہ فقیر بھی کچھ پڑھا لکھا ہے۔ مگر جب ہم حضرت کے سامنے جاتے تو معلوم ہوتا کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔

حفظ:۔ آپ حافظ قرآن بھی تھے۔ اور نہایت اچھے قاری بھی۔ محراب بھی پڑھاتے تھے۔ حافظہ کا یہ عالم کہ جو لوگ مرثیہ خوانی میں گئے ہیں۔ وہ بتائیں گے کہ گھر آنے کے بعد کسی کو مصرعے دو مصرعوں سے زیادہ یاد نہیں رہتا۔ مگر حضرت نے ایک دفعہ میر انیس کا مرثیہ سنا تو کئی بند آ کر سنا دیئے۔

آدب۔ حضرت کی عربی۔ فارسی۔ اردو تینوں زبانیں اچھی تھیں۔ ان کا عطا کیا ہوا خلافت نامہ۔ ان کی نظم و نثر اس امر پر شاہد عدل ہیں۔

شاعری:۔ مولوی شمس الدین صاحب فیضؔ کے شاگرد تھے۔ شاعری کی یہ حالت کہ ایک دفعہ مشاعرہ ہوا۔ (۰۷) مطلع اور (۳۰۰) شعر کہدے۔

طب:۔ ہمارے حضرت علم طب میں حکیم رضا علی صاحب کے شاگرد تھے پتوں کو جوش دے کر اس کے پانی سے علاج کی ایجاد بھی آپ نے فرمائی تھی۔ آخر میں معالجات کو چھوڑ کر تعویذ دینے لگے۔ چلیبہ کے تعویذ گویا آپ کی ایجاد ہے۔ اور اس وقت ہزاروں کو اس سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔

خوشنویسی:۔ آپ کے ہاتھ کے قطعے اب بھی موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے۔ فارسی خط میں باقر صاحب کا تتبع فرماتے تھے

سپہ گری:۔ اس خاندان پاک میں بہ امتیاز خاص تھی۔ جوانی میں ستّے ڈنڈ کرتے تھے۔ تیر تے بہت اچھا تھے۔ بندوق کا نشانہ نہایت اچھا لگاتے تھے۔

حج:۔ آپ نے ایک سفر مبارک میں تین حج کئے۔ اور دوسری دفعہ دوسرے

سفر میں والد اور والدہ کے ساتھ ان کا یہ خادم بھی تھا۔ اس وقت اس کی عمر ۹ یا ۱۰ سال کی ہوگی۔

حُسن:۔ حسنِ صورت و سیرت کا کیا کہنا۔ جس نے ان کو ایک بار دیکھ لیا۔ پھر وہ صورت سامنے سے ہٹ نہ سکی۔ زہد و تقویٰ کا کیا پوچھنا۔ حضرت سے اشراف علی الخواطر، و خوارق عادات اس کثرت سے ہوتے تھے کہ کسی واقعہ کو دیکھ کر کسی قسم کا تعجب تک بھی نہیں ہوتا تھا۔ یعنی خرق عادت ہمارے پاس عادت معلوم ہوتا تھا۔

تفصیلی حالات کے لئے حضرت کی سوانح عمری دیکھئے جو حافظ سید محی الدین حسینی قادری صاحب کی لکھی ہوئی اور میری دیکھی ہوئی ہے۔ میرے خیال میں ان کا مابہ الامتیاز ہمیشہ تحت امر رہنا، اور قرب فرائض میں جاگزیں ہونا ہے۔ دوام حضور تو ان کا خاصہ تھا۔ ایک دفعہ آسمان سے اولے برسے مسجد میں حضرت سید محمود مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فقیر اور دیگر حضرات بھی تھے اولے کیا تھے، ایک سنگباری تھی کہ ہو رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا "تجھے معلوم ہے کہ میں نے پانی بھی بغیر تیرے حکم کے نہیں پیا۔ اب کیا کرتا ہے کر" اور صحنِ مسجد میں نکل آئے۔ ژالہ باری فوراً موقوف ہوگئی۔

استخارہ سے کام کرنے والے حضرات، تحت امر رہنے والے، قرب فرائض کے مدعی، اپنے اپنے سینوں پر ہاتھ رکھیں، اور اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا وہ بھی ایسے ہیں؟ یہ رحمت خاص کی جلوہ گری ہے۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء یہی فضل مولیٰ ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اور یہی اس کا کرم و عنایت ہے۔ جو بدرجہ غایت ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

اَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَّنَا اِنَّ ذِكْرَهٗ
هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهٗ يَتَضَوَّعُ

پرسی گرا خواہی از خیل بتاں جامی   چشمیست مرا آخر غیر از تو کرا خواہم

نہیں ملتی تری صورت سے کسی کی صورت   ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں

۶۔ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ
رکاب گنج

فقیر
محمد عبدالقدیر صدیقی

تقریظ

از حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عبدالمقتدر صاحب صدیقی فضل مدظلہ العالی

الحمد للہ علیٰ کرمہ واحسانہٗ کہ حضرت پیرو مرشد سیدنا سید محمد صدیق حسینی محبوب اللہ کے سوانح حیات جو مطبوعِ قلوب تھے، مطبوع قرطاس بھی ہوگئے۔ کتاب کیا ہے (مطلع آفتاب خلق) ۱۳۶۴ھ سے حضرت کا وجود باجود مجسم خلق تھا۔ کیوں نہ ہو حضرت کے جد امجد کی شان میں انک لعلی خلق عظیم نازل ہوا اور خلقہ القرآن کہا گیا۔ اچھوں کی ہر بات اچھی۔ محبوب کا ہر فعل محبوب۔ حضرت کا خلق، خلق محمدی سے اشبہ تھا۔ میں نے کبھی حضرت کو غضبناک نہیں دیکھا۔ آخر ان کے پوتے تھے جن کی شان میں ولو کنت فظا غلیظ القلب لا انفضوا من حولک فرمایا گیا اس لئے حضرت سے دور رہنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ بلا اجازت کوئی کام نہ فرماتے۔ بہت لوگ بیعت کرنے آتے اور اجازت نہ ملنے سے واپس کردئے جاتے۔ اہل دنیا سے تنفر اور دوری یہ حضرت کا خاصہ تھا۔ اشراف علی القلب حضرت کی عادت مستمرہ تھی۔ ما ینطق عن الھویٰ کے پرتو خاص تھے۔

تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں

مجھے حیدرآباد میں بہت سارے مشائخین سے ملاقات تھی۔ ہندوستان میں کئی مقامات کی سیر کی، عراق گیا، حجاز گیا، مگر جب حضرت کا خیال آتا تو بے ساختہ

زبان سے نکلتا۔ ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام   بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت کا ہر کام لاجواب، ہر بات نرالی۔ ایک دفعہ میرے والد ماجد نے مجھے ایک کتاب دے کر فرمایا کہ یہ کتاب تمہارے ماموں (حضرت پیر و مرشد) کو دے کر کہو کہ یہ کتاب مصر سے آئی ہوئی ہے آپ دیکھئے۔ حضرت نے دوسرے یا تیسرے روز میرے ہاتھ سے واپس فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ میں نے پوری کتاب دیکھ لی۔ غالباً وہ عربی کتاب مطبوعہ مصر ہوا اور تین سو صفحات کے درمیان ہوگی۔ وقت ملاقات حضرت میرے والد نے فرمایا کہ "کیا آپ نے فلاں فلاں بیاں دیکھا؟ تو حضرت نے اکثر مقامات کی عربی عبارت سنا دی حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ تمہارے بڑے ماموں کا حافظہ خداداد ہے

حضرت اور حضرت کے برادروں کی جب عرب عزت کرتے تھے تو ایک حبیب صاحب کہا کرتے تھے "ہند کے سادات کا اعتبار نہیں، یونہی سید بن جاتے ہیں۔ ایک دفعہ انہی حبیب صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی مجلس ہے اور ایک طرف ایک حجرہ ہے۔ اس میں حضرت سیدۃ النساء علیہا وعلیٰ ابیہا الصلوٰۃ والسلام۔ تشریف فرما ہیں اور وہ حبیب صاحب سلام عرض کر کے مصافحہ کر رہے ہیں۔ حضرت سیدۃ النساء فرماتی ہیں "میرا بچہ وعظ کر رہا ہے سنو" حبیب صاحب پلٹ کر دیکھتے ہیں تو حضرت وعظ فرما رہے ہیں۔ صبح حبیب صاحب نے حضرت سے مصافحہ کر کے زانو چوما اور خواب عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا "تم بھی یقینی سید ہو جو حضرت سیدہ سے مصافحہ کیا"

حضرت کا سنہ تولد چراغ ہند (۱۲۶۳ھ) میں ہے اور سنہ وصال چراغ مدینہ (۱۳۱۲) میں اور حضرت کی عمر شریف (مجب ۵۰) سے ظاہر ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ایک صاحب نے جن کو مشاہیر علماء و مشائخین کے سوانح لکھنے کا شوق تھا حضرت کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ آپ کا سنِ ولادت کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا "چراغ ہند" انہوں نے تھوڑے غور کے بعد عرض کیا کہ آپ کی پاک ہستی "چراغ جہان" ہے سبحان اللہ! کیا اچھی اور سچی بات کہی۔

حضرت کے حالات اگر سچ سچ میں لکھدوں تو سب لوگ کہیں گے اپنے پیر کی محبت میں مبالغے سے کام لیا ہے۔ حالانکہ بالکل واقعہ ہے ع

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

مگر سنے کون اور باور کرے کون ۔ ایسی بات جو ان کی عقل سے پرے ہے اسی واسطے جناب مولف صاحب نے لومۃ لائم سے بچنے کے لئے نہایت مختصر لکھا بلکہ ہزار میں سے ایک بھی نہیں لکھا اور بہت اچھا کیا۔ تکلموا الناس علیٰ قدر عقولھم۔ اس شخص کی باتیں کیا لکھی جائیں جو عقل سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہو۔ ؎

آدم کو ملک کہتے تھے کیا خاک بنے گا ۔۔۔ سمجھے نہ کہ سر تا قدم ادراک بنے گا

مگر آہ، افسوس صد افسوس کہ

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد ۔۔۔ روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

جدائی سے خدا محفوظ رکھے موت آساں ہے ۔۔۔ برا صدمہ ہے عاشق کا جدا ہو جانا دلبر سے

(مفضل)

تقریظ

از حضرت مولنا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری معتمد مجلس علماء دکن

الحمد للہ الذی جعلنا امۃ التوحید وجعل دیننا دین التوحید واعزمن استقامہ منا علی التوحید وھو الغفور الودود ذو العرش المجید فعال لما یرید۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلق اللہ سیدنا محمد خاتم انبیائہ ورسلہ الذی بعثہ بتوحید الالوھیۃ والربوبیۃ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین واتباعہ الیٰ یوم الدین۔

اما بعد اگر یہ صحیح ہے اور لاریب صحیح ہے کہ قیامت تک حق تعالی اس دین مبین کی حفاظت کا کفیل ہے تو یقیناً اس عالم شہادت اور عالم اسباب میں مسبب الاسباب ذرائع مہیا فرماتا ہے اور کسی حال اپنے دین متین کی حفاظت کا سامان درست فرماتا ہے۔ جہاں جہاں اہل غلو و فساد نے سر اٹھایا اور دین متین کو دھکا پہنچانا چاہا وہیں قدرت کاملہ نے ایسے لوگوں کے شکست دینے اور ان ظلمتوں کو محو کرنے کے لئے ایسے ایسے اہل ہمت و ورع پیدا کیا جو دین محمدی کے سرسبز باغوں کو ہر قسم کے آفات سے محفوظ کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون۔ کا وعدہ الٰہی انھیں نفوس قدسیہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے ذریعہ پورا ہوا۔ آج سے کامل ایک صدی قبل یعنے بارہ سو ترسٹھ (۱۲۶۳ھ)

اسی اسلامی ریاست حیدرآباد میں سادات حسینیہ کے خاندان سے ایک حامی شریعت و طریقت کے گھر اللہ کا ایک محبوب جلوہ فرما ہوتا ہے جسکا نام نامی اسم گرامی "محمد صدیق" رکھا جاتا ہے، جس کو سارا زمانہ "محبوب اللہ" کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع سریر آرائے سلطنت ہیں۔ اس وقت کا حال یہ ہے کہ امرا اپنی امارت میں مست ہیں تو علمار کی زبانیں اظہار حق سے ساکت وصامت یکہ مسجد مصلیوں سے خالی ہے، میکدہ آباد ہیں، بدعات کا زور ہے، ہر طرف شور و شر برپا ہے۔ دار السلطنت کے مساجد نوحہ کناں ہیں مساجد اضلاع و تعلقات کا حال ناقابل بیاں ہے۔

مجالس شادی و بیاہ کا ذکر ہی کیا۔ بزرگان کرام کے اعراس کا یہ حال ہے کہ جابجا طوائف گا رہی ہیں، ناچ ورنگ ہیں، العیاذ باللہ۔

بعض نام نہاد مشائخ عظام مبتلائے آلام ہیں۔ نہ شریعت کی انھیں پروا نہ طریقت سے انھیں کام۔ بزرگوں کی گدیوں کے گدی نشین ہیں۔ نہ علم ہے نہ عمل۔

اور امرار کا یہ حال کہ نشہ میں چور، قمار بازی، بلبل بازی، پتنگ بازی سے انھیں فرصت کہاں کہ کسی موذن کی اذان پر کان دھریں۔

بہر حال غیرت الٰہی کو جوش آیا، حسب ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اس چودھویں صدی ہجری نبوی پر ایک مجدد کی جلوہ فرمائی ہوئی۔ جس نے اس اسلامی سلطنت کو حقیقی معنی میں اسلامی سلطنت بنا دیا، سوتے ہوؤں کو جگا دیا۔ انھیں دینِ حق کا پیغام سنایا، علمار کو ان کے فرائض کی طرف متوجہ فرمایا۔ امرائے سلطنت کو خواب گراں سے بیدار فرمایا۔ کلال خانہ دمیکدے ویران ہوئے، مساجد آباد ہوئیں مختصر یہ

خدا سے بھاگے ہوئے بندے پھر خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوئے۔ علماء کو اسی ذات مبارک سے اگر استفادہ ہوا تو ابرار بھی حضرت خواجہؒ کے فیض و برکت سے تائب و طاہر ہوئے۔ گوشہ نشین عرفا نے اپنے میں ایک نئی معرفت و نئی زندگی محسوس کی ؎

برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را
بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد

پچاس سال کے بعد حضرت ہی کے نبیرہ عزیزم مولوی حافظ قاری سید شاہ محی الدین حسینی صاحب قادری حنبلی سلمہ اللہ کو حق جل مجدہٗ ان کے جد امجد کے فیوض سے مالا مال فرمائے کہ آپ نے نہایت تحقیق و محنت کے ساتھ حضرت خواجہؒ کی سوانح پاک جمع فرما کر وابستگان خواجہؒ کی تسلی کا سامان فراہم کر دیا۔ جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء حق یہ ہے کہ حضرت ہی کے فیض اتم سے آج اس اسلامی سلطنت میں اسلامی زندگی کے آثار نمایاں ہیں ؎

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

عطار کی زبان سے مشک کی مدح و توصیف اس کی قدر و قیمت بڑھاتی نہیں۔ اور گھٹا دیتی ہے۔ عطار ہٹا جاتا ہے۔ مشک حاضر ہے بے تکلف مشام جان کو معطر فرمائیں۔ ۱۹؍ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۶۳ھ

پیش لفظ

تاریخ ہی اقوام و افراد کے حالات معلوم کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ سیرت ہی کے ذریعہ کسی کے صحیح طرز زندگی، رابطہ خاص و عام کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔

بزرگان دین کی صحبت اور ان کی معیت رجس کے حصول کے متعلق قرآن مجید میں صاحبان تقویٰ کو کونوا مع الصادقین سے حکم فرمایا) جس طرح مفید ہے اسی طرح ان کا تذکرہ ان کے حالات کا مطالعہ انسانی خیالات کی اصلاح میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اکثر بزرگان دین و ہادیان شرع متین نے انبیاء عظام، اولیاء کرام کی سیرت کو ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھا اور اپنے متبعین کو اس کے مطالعہ میں رکھنے کی بطور خاص تاکید فرمائی تاکہ وہ اس کو دیکھیں اور ان کی طرز زندگی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

حضرت قبلہ عالم عبدالقادر ثانی سیدی و مرشدی خواجہ سید محمد صدیق علی حسینی قدسنا اللہ بسرہ الخفی والجلی کے حالات و واقعات اس کے مقتضی تھے کہ ان کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ دیکھنے والی آنکھ دیکھے اور سمجھنے والے دماغ سمجھیں کہ اسوۂ حسنہ نبوی صلعم کی پابند، کن کالمیت فی ید الغسال کے حکم کی حامل، بدعات کا قلع قمع کرنے والی، اور ولا یخافون لومۃ لائم کی مثال ایسی ہستیاں ہوتی ہیں۔

حضرت کے حالات رحلت سے آج برابر نصف صدی کے بعد اس وقت شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے جب کہ حضرت کے فیض صحبت سے مستفید شدہ بہت سے اصحاب اس دار فانی سے عالم جاودانی میں انتقال فرما یا بہت سے واقعات ان کے سینوں ہی میں رہ گئے تاہم اس وقت اس آفتاب معرفت سے اکتساب نور کئے ہوئے جن بزرگوں کی صحبت خوش نصیبی سے ہم کو میسر ہوئی ان سے جس قدر بھی واقعات مل سکے ان کو یکجا کرکے پیش کیا جا رہا ہے

اس اہم فریضہ کی تکمیل کا اس سے پیشتر بعض بزرگوں کو بھی خیال آیا چنانچہ حضرت عم محترم مولٰنا عبد المقتدر صاحب صدیقی مدظلہٗ نے اس کام کی ابتدا فرمائی تھی مگر دیگر مصروفیات کیوجہ سے تکمیل نہ ہو سکی۔ من بعد حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے داماد استادی حضرت قاری محمد عبد العزیز صاحب صدیقیؒ نے سنداً واقعات کو جمع کرنا شروع کیا۔ اور بہت سے واقعات جمع بھی فرمائے تھے ابھی اس کی تکمیل نہ ہو سکی تھی کہ رحلت فرمائی جب اس ناچیز نے اس اہم فریضہ کی تکمیل کا محض خدا کے فضل اور حضرت خواجہؓ ہی کے کرم کے بھروسہ پر بیڑا اٹھایا تو استادی مرحوم کے اس مجموعہ کی بجد تلاش کی گئی مگر افسوس کہ وہ دستیاب نہ ہو سکا۔

آغاز کار یوں تو اس کام کی تکمیل کا شوق اسوقت سے پیدا ہوا جبکہ اوائل عمر میں حضرت قبلہ مدظلہٗ اردو میں املا لکھواتے اور املا میں اکثر حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے حالات لکھوایا کرتے تھے۔ جب کچھ شعور پیدا ہوا تو جس کسی سے کوئی نیا واقعہ سنا اس کو نوٹ کرنا شروع کیا۔

آج سے تخمیناً پندرہ سال قبل چند افراد خاندان کی جماعت جو پانچ چھ اصحاب پر مشتمل تھی نے (جن میں عم محترم مولانا سید شاہ محمد صدیق صاحب محمودی رمزؔ بھی تھے)۔

اس اہم کام کی تکمیل اور اس کے طریق کار پر غور کیا۔ اور طے پایا کہ ہر صاحب ایک ایک عنوان کے تحت واقعات جمع کریں۔ عم موصوف نے "حضرت کی شاعری" کا عنوان اپنے لئے منتخب کیا اور حسب وعدہ ایک فاضلانہ مقالہ تحریر بھی فرمایا ہے۔ جو اسی کتاب کے ساتھ حصہ دوم کے نام سے شائع کیا گیا ہے ماباقی اصحاب سے ان کی بعض مجبوریوں کے تحت وعدہ کی تکمیل نہ ہوسکی۔ سب کام اسی ناچیز کے سپرد ہوا۔ میں نے کام کا آغاز تو کر دیا لیکن بعد میں اس کی اہمیت سے قدم ڈگمگا گئے۔ اور ہمت کچھ پست سی ہوگئی تھی کئی سال کام ملتوی رہا۔ مگر حضرت قبلہ مدظلہٗ کے نظر فیض اثر نے (جس کا کام ناتوان کو توانا بنانا ہے)۔ مدد کی ڈگمگاتے قدم کو ہاتھ تھام کو منزل مقصود تک پہنچایا۔ چنانچہ بہت سے واقعات حضرت قبلہ مدظلہٗ نے خود لکھوائے ہیں۔

بہر حال بمصداق اس کے کہ "ایں سعادت بزور بازو نیست" حضرت ہی کے فیضان اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اس کام نے یہ صورت اختیار کی اور معرفت کے ان پھولوں کا گلدستہ میری بساط کے مطابق گو گوناگوں کمزوریوں سے پر بھی تیار ہو گیا۔ اس کا تاریخی نام بھی حضرت کے حالات کے مناسبت سے "گلدستۂ تجلیات" حضرت قبلہ مدظلہٗ ہی نے منتخب فرمایا ہے جس سے سنہ طباعت بھی نکلتا ہے ۱۳۹۳ھ اس تذکرہ میں اس کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے جو واقعہ جس کسی سے سنا گیا ان کے نام کی صراحت کر دی جائے اور لکھے جانے کے بعد وہ واقعہ راوی صاحب کو دکھایا یا سنا دیا گیا تاکہ صحت کا مزید اطمینان حاصل ہو۔

اس مجموعہ میں اکثر روایتیں حسب ذیل بزرگوں سے کی گئی ہیں اور ان حضرات نے تمام مسودہ کو ملاحظہ بھی فرمایا ہے:۔

۱۔ حضرت قبلہ مدظلہ العالی۔

۲۔ عم محترم استادی حضرت علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی مدظلہٗ۔

۳۔ عم محترم حضرت علامہ مولانا محمد عبدالمقتدر صاحب صدیقی مدظلہٗ۔

۴۔ جناب مولنٰا شرف الدین صاحب قادری۔

مذکورالصدر حضرات کے علاوہ عم محترم حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری و عم محترم حضرت مولانا سید شاہ محمد صدیق صاحب محمودی نے بھی تمام مسودہ ملاحظہ فرمایا ہے۔

مفصلہ بالا حضرات کے علاوہ بعض دوسرے اصحاب سے بھی لی ہوئی چند روایتیں اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ وہ اصحاب بھی ایسے ہی ہیں جنھیں حضرتؒ کا فیض صحبت نصیب ہوا تھا۔ میں نے بذات خود ان سے یہ روایتیں سنی تھیں اور کافی تحقیق کے بعد انہیں درج کی ہیں۔ اس طرح سلسلۂ روایت کہیں بھی ایک یا شاذ مقامات پر دو سے زیادہ نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر تو روایت میں نے بچشم خود دیکھنے والے حضرات ہی سے لی ہے اور اس میں بھی اس امر کا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں تک ہوسکے راوی کے الفاظ ہی میں اس کو ادا کروں۔ معرضۂ صدر حضرات کے علاوہ اور جن سے روایت لی گئی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ یہ بھی حضرتؒ سے راست مستفید ہوئے اور مدتوں حاضری کے برکات حاصل کئے ہیں۔

۱۔ جناب غلام محی الدین صاحب بیجاپوری مرحوم

۲۔ جناب عبدالحلیم صاحب مرحوم

۳۔ جناب عبداللہ خاں صاحب جوکلی۔

۴۔ جناب روشن علی صاحب

۵۔ جناب خواجہ محمود صاحب مرحوم۔

۶۔ منشی شیخ مدار صاحب۔

۷۔ جنابہ دار الشفا والی بی بی صاحبہ مرحومہ۔

اس مجموعہ کو تین حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

حصہ اول: حضرت خواجہ محبوب اللہ صاحب قدس سرہٗ کے حالات

حصہ دوم۔ حضرت کی شاعری جس کو عم محترم مولانا سید شاہ محمد صدیق صاحب محمودی نے تحریر فرمایا ہے۔

حصہ سوم ضمیمہ حیات یعنی مختصر حالات حضرت سیدی سید شاہ محمد عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ۔

حصہ اول میں حضرت کی اولاد اور حضرت کے خلفاء کے حالات میں غیر معمولی طور پر اختصار کاغذ کی قلت کی وجہ سے کام میں لایا گیا ورنہ خیال تھا کہ ان حضرات کے حالات کو بھی قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے۔ خیر۔ اگر زندگی باقی رہی اور حالات نے اجازت دی تو انشاء اللہ ہم آئندہ اس خیال کی تکمیل کریں گے۔

طباعت کا مرحلہ اس مسودہ کی تیاری کے طباعت کا کام شروع کرنے کا خیال ہی تھا کہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ ہر شئے گراں تر ہو گئی اس لئے کار طباعت کو تاختم جنگ ملتوی کر دینے کا خیال تھا لیکن حضرت قبلہ مدظلہ نے خدا پر بھروسہ کر کے آغاز کار کا حکم دیا تعمیل حکم میں ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ سے طباعت کا سلسلہ شروع کیا گیا امید تھی کہ حضرت کے اس پچاس سالہ عرس شریف کے موقع پر یہ مبارک مجموعہ تیار ہو جائے گا لیکن کچھ کاغذ کی فراہمی

میں وقتوں اور کچھ طباعت کے الجھاوں سے غیر معمولی تاخیر ہوئی اور یہ امید پوری نہ ہوسکی طباعت کے کام میں غیر معمولی عجلت کی وجہ سے خدا جانے کہاں کہاں کیا کیا غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ گو حتی الامکان اس کو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اس کے باوجود بھی اگر کہیں کوئی غلطی باقی رہ گئی ہو تو براہ کرم ناظرین کرام اس کی صحت فرمالیں۔

اس کار طباعت اور فراہمی کاغذ کے سلسلہ میں صاحبزادہ نواب میر محمد علیخاں صاحب معتمد ہائیکورٹ و نواب غلام محی الدین صاحب بانی زمرد محل کا ممنون ہوں کہ کہ ان حضرات نے غیر معمولی مدد دی فجزاھم اللہ عنا خیر الجزا۔

شکریہ آخر پر اُن تمام بزرگوں کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں جنھوں نے میری استدعا پر مسودہ کو بطور خاص ملاحظہ فرمایا اور ان مخلصین کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے کاروبار میں ہاتھ بٹایا۔ جناب مولوی عمر یافعی صاحب کا بھی بیحد ممنون ہوں کہ موصوف نے خاندانی حالات کے سلسلہ میں قدیم تواریخ سے فراہمی مواد میں میری ممکنہ امداد فرمائی۔

احقر العباد خادم بارگاہ محبوبی

سید محی الدین قادری

۲۹ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۶۳ھ

قاضی پورہ شریف

T

حصّہ اوّل

حالات

حضرت سیدی سید عبد القادر ثانی خواجہ سید محمد صدیق صاحب محبوب اللہ قدس اللہ سرہ الحنفی البخاری

مرتبہ خادم بارگاہ محبوبی

غلام سید محی الدین قادری



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر خاندانی حالات

نام و نسب

آپ کا اسم مبارک حضرت سید محمد صدیق حسینی قدس سرہ عرف خواجہ میاں تخلص خلق المخاطب من اللہ محبوب اللہ آپ کی ولادت باسعادت ۲۹ شعبان المعظم ۱۲۶۳ھ میں ہوئی مادۂ تاریخ ولادت "چراغ ہند" ۱۲۶۳ھ ہے اور لطف یہ ہے کہ "چراغ مدینہ" ۱۳۱۴ھ سے سنہ وصال نکلتا ہے۔

آپ کے والد ماجد حضرت سید محمد پرورش علی المعروف بہ بادشاہ حسینی قبلہ قدس سرہٗ ابن حضرت سید حیدر علی قدس سرہٗ یہاں سے سلسلۂ نسب (۲۰) واسطوں سے حضرت سیدنا امام نقی بن سیدنا امام علی الرضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچتا ہے۔

اس طرح آپ سادات حسینیہ سے ہیں۔

ہندوستان بالخصوص دکن میں سادات میں اکثریت حسینیوں ہی کی ہے حسنی سادات بہت کم ہیں بعض اہل عرب کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان میں سادات کا وجود ہی نہیں حقیقت پر مبنی نہیں جس طرح اسلام روئے زمین پر گوشہ گوشہ میں پھیلا اسی طرح فرزندان اسلام اور آل سید الانام صلعم بھی خطۂ زمین پر پھیلے۔ جہاں سہولت پائی قیام فرمایا

اور وہی ان کا وطن قرار پایا آج تک ان کی اولاد وہاں موجود ہے۔

عرب عام طور پر سادات کی بہت عظمت کرتے ہیں اس لئے عربستان سے اکثر سادات جن کو وہ حبیب کہتے ہیں۔ آتے تو مقدم جنگ مرحوم جمعدار عروب کے ہاں جن کی ڈیوڑھی حضرت کے دولت سرا کے پاس ہی واقع ہے قیام کرتے اور وہ بھی ان کے لئے بطور خاص اہتمام کیا کرتے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک حبیب صاحب عربستان سے آئے ہوئے تھے۔ چونکہ جمعدار اور ان کے متعلقین حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کی نسبی اعتبار کے علاوہ آپکے زہد و تقویٰ کی وجہ بھی بہت عظمت کیا کرتے تھے۔ اس لیے نووارد حبیب صاحب نے آپ کے متعلق استفسار کیا تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ یہاں کے حبیب ہیں۔ ان حبیب صاحب نے اپنے خیال کے مطابق نہایت تحقیر سے جواب دیا کہ ہندوستان میں حبیب کہاں سے آئے خیر واقعہ رفت و گذشت۔

رات حبیب صاحب مذکور نے خواب دیکھا کہ ایک وسیع مقام ہے جس کے ایک جانب حجرہ ہے حجرہ پر چلمن پڑی ہوئی ہے اور حضرت سیدۃ نساء العالمین رضی اللہ عنہا اس میں رونق افروز ہیں۔ ان حبیب صاحب نے سلام عرض کیا تو سلام کا جواب دیتے ہوئے حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ میں یہاں اپنے بچہ کا وعظ سننے آئی ہوں تم بھی سنو۔ یہہ پلٹ کر دیکھے تو قریب میں ایک تخت بچھا ہوا دکھائی دیا جس پر حضرت خواجہ سید محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہٗ تشریف رکھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے جب یہ خواب سے بیدار ہوئے تو توبہ کی اور سب سے اپنا خواب بیان کیا اور فرمایا کہ وہ بیشک برحق سادات سے ہیں۔ میں غلطی پر تھا۔ چنانچہ اس روز سے خود وہ حبیب صاحب

بھی حضرت کی بہت تعظیم و تکریم کرنے لگے۔

حضرت کے القاب

حضرت کو بذریعہ کشف دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم و دربار غوثیت رض سے مختلف القاب محبوب اللہ، تاج الاولیا، رحمۃ اللہ، برکۃ اللہ، صبغۃ اللہ، عبدالقادر ثانی، اس طرح پچیس خطاب سرفراز ہوئے جنھیں آپ کے سلسلہ کے اکثر حضرات بطور وظیفہ روزانہ ورد رکھتے ہیں۔ جس میں عجیب و غریب برکات ہیں۔ ہر اسم ایک خاص کیفیت کا پتہ دیتا ہے منجملہ اور خطابات کے عبدالقادر ثانی کے خطاب سے متعلق روایت ہے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب یہ خطاب مجھے دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز ہوا تو میں پریشان تھا کہ اب میں کس طرح حضرت پیران پیر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوسکوں گا کہیں مجھ پر عتاب نہ ہو جائے کہ اب تو برابری کا دعویٰ ہے اس خیال نے مجھ پر اس قدر وحشت طاری کردی کہ اس کا اظہار ناممکن ہے یکایک حضرت پیران پیر غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"خواجہ میاں! پریشاں کیوں ہوتے ہو مرید وہی ہے جو اپنے مرشد میں پوری فنائیت حاصل کرے۔"

اس عنایت کے ارشاد سے مجھے بے حد مسرت ہوئی اور تمام پریشانی جاتی رہی۔

اس واقعہ کی حضرت کے خلفاء و مریدین سے متعدد اصحاب نے روایت کی ہے اس واقعہ پریشانی سے دو امور پر روشنی پڑتی ہے ایک تو پہلوئے ادب کہ پیچ ہے۔ ع۔ جن کے رہتے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

دوسرے فنائیت تامہ کے حقیقۃً حضرت کا دست حق پرست گویا حضرت پیران پیر رضی اللہ عنہ کا دست مبارک ہے اور آپ کا وجود ان کا وجود ہے ؎

ایسا فنا ہوں آپ میں یا شاہ اولیاؓ سب بولتے ہیں صورت پیران پیر ہے

اس کا مزید ثبوت واقعات اور حالات سے بھی ملے گا جس کو ہم نے اپنے اپنے مقام پر پیش کیا ہے۔ خوشا قسمت ان کے جن کو یہ دامن نصیب ہوا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ۔

تذکرۂ اجداد

آپ کے جد اعلیٰ حضرت سید محی الدین قدس سرہٗ بعہد اورنگ زیب عالمگیر بغداد سے وارد ہندوستان ہوئے اور عرصہ تک آپ کا خاندان برہان پور میں مقیم رہا۔ اسی دوران میں دکن میں سلطنت آصفیہ کی بنیاد پڑ رہی تھی مگر دشمن ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور ہر وقت جدال و قتال سے سابقہ تھا۔ ان ہی کی سرکوبی کے لئے اطراف و اکناف سے مسلمان بہادر افسر لئے جانے لگے۔ چنانچہ نواب میر نظام علیخاں بہادر نے حضرت کے جد امجد حضرت میر حیدر علی خاں صاحب کو برہان پور سے طلب فرمایا آپ کے ساتھ پنج بھیوں کا خاندان بھی وارد حیدر آباد ہوا پنج بھیوں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان میں چار حقیقی بھائی حضرت زید شہید بن سیدنا امام زین العابدین کی اولاد سے تھے۔ اور ایک ان چاروں کے دوست تھے جن سے نسبی کوئی تعلق نہ تھا لیکن آپس کے برادرانہ تعلقات و ربط و ضبط کیوجہ پانچ بھائی سمجھے جاتے رہے اور پنج بھیوں کے لقب سے مشہور ہوئے اس سے پہلے یہ

؎ ماخوذ از النور جلد ۳ نمبر ۹ عے اس خاندان کے تفصیلی حالات کتاب نظم اللآلی فی نسب آل علاؤ الدین العالی و مآثر الکرام سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

برادران اسلام تخت دہلی کے ملازم اور اپنی شجاعت و جوانمردی میں شہرہ آفاق تھے۔ یہ حضرات سرزمین دکن میں قدم رکھتے ہی جنگ وجدال میں مصروف ہوگئے فتح و ظفران کی ہمرکاب تھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور ان مجاہدین کی سرفروشیوں سے دکن کی سرحدیں وسیع ہوگئیں۔ ہرطرف امن وآمان قائم ہوگیا۔ اس فتح وظفر کی خوشی میں ان چھے[1] بہادروں کے نام بڑے بڑے مناصب اجرا ہوئے۔ خاں بہادر کے خطابات، سلحداریاں، عماریاں، میانے عطا ہوئے۔

حضرت میر حیدر علی خان صاحب کو نہ صرف شجاعت ہی وراثۃً حصہ میں ملی بلکہ آپ آبائی علم وفضل کے بھی واحد وارث تھے، عربی فارسی کے جید عالم، نہایت متقی اور صاحب دل تھے تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے علم وفضل کی دکن میں کافی شہرت ہوگئی آپ کو "سیادت پناہ"[2] کا لقب دیا گیا۔ قدیم کاغذات میں آپ کو "میر حیدر علی خاں اکبر سیادت پناہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ پنج بھیوں میں بھی ایک میر حیدر علی خاں گزرے ہیں۔ جو چھوٹے میر حیدر علی خاں کے لقب سے ملقب تھے۔ ۲۰ رجمادی الثانی ۱۲۵۸ھ کو آپ واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مزار پرانوا

---

[1] ان پنج بھیوں کے منجملہ نواب باقر علیخاں مرحوم کے تفصیلی کارنامے قدیم تواریخ رشید الدین خانی وگلزار آصفیہ وغیرہ میں مذکور ہیں (مؤلف)۔

[2] کتاب فرہنگ عثمانیہ مؤلفہ مولوی میر لطف علی صاحب عارف ابو العلائی سے ظاہر ہے کہ زمانہ قدیم میں مدار المہامان وقت ہر ایک کو اس کے ذاتی اعزاز کے اعتبار کرتے سرکاری تحریرات میں ایک خاص لقب سے یاد کیا کرتے تھے جیسے کسی کو سیادت پناہ، کسی کو شجاعت شعار، کسی کو رفعت پناہ، کسی کو حقائق آگاہ وغیرہ۔ چنانچہ مؤلف موصوف نے اپنی کتاب میں نواب سراج الملک و نواب سالار جنگ اولی کے زمانہ کی ایک مختصر سی فہرست بھی دی ہے جس سے اس لقب یعنی "سیادت پناہ" سے اور حضرات بھی مخاطب کئے جانا ثابت ہے۔

مقبرہ حضرت عبداللہ صاحب شہیدؒ قریب درگاہ حضرت برہنہ شاہ صاحبؒ میں واقع ہے۔ حضرت عبداللہ صاحب شہید اور آپ کا مزار ایک ہی چبوترہ پر واقع ہے۔ ایک روایت خاندان میں مشہور ہے کہ آپ کے اور حضرت عبداللہ صاحب شہیدؒ کے مزار کے درمیان میں کھڑے ہو کر جو دعا کی جائے اللہ تعالی اس کو قبول فرماتا ہے۔

وَالدِ ماجِد آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ حاجی میر پرورش علی المعروف سید محمد بادشاہ حسینی قدس سرہٗ المتخلص بہ شاہ آپ کے جانشین ہوئے۔ آپ علوم عربیہ میں فرد فرید، فارسی کے اعلیٰ انشا پرداز و شاعر تھے آپ کو فن تصوف و شعر و سخن سے خاص لگاؤ تھا اس وقت آپ کی تصانیف سے مختلف علوم و فنون کے چند قلمی کتابیں غیر مطبوعہ اور تین دیوان مطبوعہ موجود ہیں۔

نواب افضل الدولہ بہادر کی شہزادگی کے زمانہ میں آپ ان کے اتالیق رہے۔ من بعد جب آپ نے ارض مقدس حجاز کا سفر فرمایا اور روضۂ اطہر کی زیارت کا شرف حاصل کیا تو اس خدمت سے یہ کہکر مستعفی ہو گئے کہ:-

"ایسی بڑی سرکار میں ہاتھ باندھنے کے بعد اب میں کسی اور کے سامنے ہاتھ باندھنا نہیں چاہتا"

آپ کے زمانہ میں دکن میں عربوں و حبشیوں کی کثرت تھی کیونکہ شاہان سلف کو انھیں فوج میں ملازم رکھنے کا بیحد شوق تھا چنانچہ یہاں کے سب سے بڑے جمعدار عبداللہ بن علی مدبر جنگ تھے جو قبیلہ عولق کے بڑے سرداروں میں سے تھے، اس وقت ان کے ماتحتین و متعلقین کی صحیح تعداد کا علم مشکل ہے۔ بعض اٹھارہ ہزار بیان

کرتے ہیں۔ اور بعض اس سے کم وبیش، محلہ قاضی پورہ کے جانب غرب میں پنج
بھیوں کی اولاد مقیم تھی اور شمال مغرب میں سکھ قوم کی آبادی ترقی کر گئی تھی درمیانی
حصہ میں عبداللہ بن علی مدبرجنگ مع عروب وجوش مقیم تھے جس سے یہ حصہ
عرب کا ایک خطہ نظر آتا تھا۔ بہر حال اس وقت قاضی پورہ ان جنگجو اقوام کا
مرکز بنا ہوا تھا عرب اور پنج بھیوں کی اولاد حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قبلہؒ
سے خاص عقیدت رکھتی تھی۔ ان میں سے بعض حضرت سے بیعت تھے جب کبھی ان
جنگجو اقوام میں فساد برپا ہو جاتا تو اس سے تمام شہر خطرہ میں پڑ جاتا۔ ان میں باہمی
تصفیہ کے لئے آپ ہی مقرر ہوتے۔ اور ہر ایک فریق کو سمجھا بجھا کر فساد رفع دفع فرما دیتے۔

آپ نے اپنے وقت میں بہت سی ملکی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ آپ کے
اخلاق بہت وسیع تھے قوم کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتے آپ کے واقعات
میں بیان کیا جاتا ہے کہ روزانہ ناشتہ فرما کر مکان سے تشریف لے جاتے شام کو
مکان کو واپس ہوتے دن تمام غربا و مساکین کی خبر گیری فرماتے اگر کسی کے پاس کچھ
کھانے کو نہ ہوتا تو اپنے پاس سے انتظام فرما دیتے، کسی کو سودے وغیرہ کی ضرورت
ہوتی تو آپ لا دیتے، غربا و مساکین کی عیادت فرماتے حکیم کے پاس خود جا کر دوا لاتے
انھیں پلاتے بہرحال ہر روز آپ کا اسی طرح بندگان خدا کی خدمت میں صرف ہوتا ایک
دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ اسی طرح بندگان خدا کی خبر گیری فرماتے ہوئے رات کے
وقت مکان کو تشریف لا رہے تھے راستہ میں ایک ضعیفہ چکی کے پاٹ لئے بیٹھی تھی
اور اس کو اپنے گھر لے جانا چاہتی تھی۔ چونکہ اندھیری راتیں تھیں راستہ پر اس زمانہ
کی طرح روشنی کا بھی کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ اس ضعیفہ نے آپ کو کوئی معمولی آدمی خیال کرکے

استفسار کیا کہ "میاں مزدوری کرتے ہو" آپ نے فرمایا کہ "اماں کیا ہے" تو اس نے کہا کہ بابا میں اس چکی کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں اگر تم اس کو میرے گھر پہنچادو تو میں تم کو اتنے پیسے دوں گی آپ نے بہت خوب کہہ کر اپنے رومال کا چنڈ بنا کر ان چکی کے پاٹوں کو اپنے سر پر اٹھا لیا اور اس ضعیفہ کے ساتھ ہو گئے وہ ضعیفہ اپنے گھر پہنچی مکان کے اندر جا کر آپ کو بلایا چراغ سلگا کر جب چکی کے پاٹ اتارا تو اس کو معلوم ہوا کہ چکی کے پاٹ لانے والے اس کے مرشد ہیں فوراً قدموں پر سر رکھ کر رونا شروع کیا کہ حضرت آج مجھ سے بہت بڑا قصور ہو گیا للہ حضرت معاف فرمائیں تو آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے اس ضعیفہ کے قصور کو معاف فرمایا اور فرمایا کہ اماں کیا ہرج ہے اگر میں تمہارا ایک کام کر دیا۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ایسے ہیں جن کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب کی صورت ہو جائے۔ سردست اختصار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر وقت ملے اور خداوند عالم توفیق عطا فرمائے تو آئندہ ہم ان تمام واقعات کو یکجا کرنے کی کوشش کریں گے۔

بہرحال اس زمانہ کے طبقۂ علماء و مشائخین و مصلحین میں آپ کا اسم گرامی آفتاب کی طرح روشن تھا سرزمین دکن میں وہ کون تھا جو آپ سے واقف نہ ہو اور دل سے عظمت نہ کرتا ہو۔

آپ عرصہ تک ارض مقدس حجاز میں بھی مقیم رہے ہیں جس کی وجہ مروجہ بول چال کی زبان بھی بلا تکلف استعمال فرماتے تھے اکثر عربوں کی مجالس میں آپ کے مواعظ و خطبات عربی ہی میں ہوا کرتے آپ کی مجالس وعظ میں کثرت سے لوگ

جمع ہوتے تھے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ربیعین شریف میں آپ بارہ دن اور گیارہ دن وعظ فرمایا کرتے ان محافل وعظ میں سامعین اس قدر کثرت سے جمع ہوتے کہ مکان کافی نہ ہوتا۔

آپ صاحب کشف و کرامات بھی تھے آپ کے کرامات کے متعدد واقعات مشہور ہیں منجملہ اسکے گیارھویں شریف کی نیاز سے متعلق ایک واقعہ بہت مشہور اور متعدد اصحاب سے مروی ہے آپ کا خوراک بہت کم اور بالعموم دو وقت کھانا تناول فرماتے لیکن ماہ ربیع الثانی میں بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ایک ایک دن میں آپ کو بیس بائیس دعوتوں میں جانیکا موقع ملا (کیونکہ مریدین کے پاس کی دعوت اور وہ بھی سال میں ایک مرتبہ بڑے خاص اہتمام سے کی جاتی اگر مرشد شریک نہو سکیں تو انکو بیحد ملال گزرتا ہے) ہر جگہ آپ نے کھانے میں شرکت فرمائی۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ سب سے پہلی دعوت میں آپ نے جس قدر کھانا تناول فرمایا سب سے آخر کی دعوت میں بھی اتنا ہی یعنی ہر شخص یہی سمجھتا رہا کہ حضرت نے میرے ہی پاس کھانا تناول فرمایا ہے۔

آپ کو بیعت و خلافت سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، رفاعیہ میں اپنے خسر محترم قطب الہند حضرت مولانا میر شجاع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ سے حاصل تھی۔

آپ کا وصال ۲۳ ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ کو ہوا سنہ وفات لفظ "غفور" سے نکلتا ہے (۱۲۸۶)۔ آپ روبرو مسجد النور مدفون ہوئے۔ آپ کو اولاد تو بہت ہوئی لیکن آپ کی رحلت کے وقت صرف چار صاحبزادے ایک صاحبزادی تھیں، جن میں سب سے بڑے حضرت سیدی محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہٗ ہی تھے جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے

نوٹ:۔ ہم نے ناظرین کی مزید واقفیت کے لئے حضرت کا مختصر شجرہٗ خاندانی بھی اسی فصل کے آخر پر نقل کیا ہے ملاحظہ فرمایا جائے۔

حضرت کا ننھیال حضرت کی والدۂ ماجدہ حضرت میر عبداللہ صاحب شہیدؒ

کی صاحب زادی اور قطب الہند حضرت مولانا میر شجاع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی پوتی تھیں جن کے علم و فضل و کمال کا چرچہ چار دانگ عالم میں ہے۔ حضرت قطب الہند سے حیدرآباد کا ہر فرد بشر بخوبی واقف ہے۔ آپ کو باعتبار علم و فضل اپنے زمانہ میں امتیاز خاص حاصل تھا۔

بلدۂ حیدرآباد میں سب سے پہلے آپ ہی نے مدرسہ و دارالاقامہ قائم کر کے سلسلۂ تعلیم کو جاری فرمایا۔ آپ کے مدرسہ سے بڑی بڑی زبردست ہستیاں انوار علوم سے مالامال ہو کر نکلیں جیسے حضرت مرزا سردار بیگ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ جو اسی مدرسہ سے مستفید ہو کر چمکے آج جن کا نام نامی کسی مزید تعارف کا محتاج نہیں۔

طلباء مدرسہ پر حضرت کی خاص نگرانی رہتی اور ان سے اپنی اولاد کی طرح پیار و محبت فرماتے تھے۔ جامع مسجد بلدہ کی رونق بھی آپ ہی کی رہین منت ہے۔ ورنہ اس سے قبل تو جامع مسجد فیل خانہ بنی ہوئی تھی۔

حضرت کی تصانیف بھی اس وقت بہت سی موجود ہیں جن میں سے بعض طبع ہوئیں اور بعض ویسی ہی غیر مطبوعہ ہیں۔ فقہ، تصوف، قرارت، سماع وغیرہ سے متعلق آپ نے مختلف رسالے تحریر فرمائے ہیں منجملہ اور تصانیف کے فقہ میں ایک رسالہ موسوم بہ **کشف الخلاصہ** مشہور و مقبول عام و خاص ہے۔

حضرت[عہ] کے بدولت بہت سے گمرہوں نے راہ پائی آپ کی چشم و کرم نے غیر مسلموں کے قلوب میں بھی ایمان کا دیا روشن کر دیا۔ چنانچہ غلام رسول صاحب مرحوم سنبھو پرشاد مع متعلقین مشرف بہ اسلام ہوئے اس وقت ان کا مزار بھی حضرت کی

عہ از کتاب غوث الدکن مؤلفہ قاری مولانا شاہ تاج الدین صاحب قادری۔

گنبد شریف کے سائبان سے متصل ہے۔ اسی طرح غلام مرتضیٰ کمندان جن کا نام تیاّ تھا مع اپنے تین سو قرابتداروں کے اور صاحب حسین کمندان جن کا پہلے صاجو نام تھا مع اپنے دو سو عزیز و اقارب وغیرہ کے حضرت کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت کے کشف و کرامات کے اور بہت سے واقعات مشہور ہیں جن کو اجمالاً بھی پیش کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب کی صورت ہوگی۔

آپ نے ملکی و قومی خدمات میں بھی حصہ لیا ہے جس کا تفصیلی تذکرہ قدیم تواریخ میں موجود ہے آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ چشتیہ ونقشبندیہ و رفاعیہ میں حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قبلہ قندھاری قدس اللہ سرہٗ العزیز سے بیعت و خلافت حاصل تھی آپ کی بیعت کا واقعہ بھی عجیب ہے

بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی تو آپ کو شیخِ کامل کی تلاش ہوئی۔ آپ نے خیال فرمایا کہ مرشد ایسا ہو جو علم و فضل میں بھی یگانہ ہو اور اس سے کرامات کا صدور بچشم خود دیکھوں چنانچہ اس زمانہ میں حضرت سلطان العارفین شیخ الکاملین مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ قندہار شریف ضلع ناندیڑ میں تشریف فرما تھے۔ جب آپ کو اطلاع ملی تو آپ سیدھے قندہار تشریف فرما ہوئے۔ حضرت کی خانقاہ سے دو وقت کا کھانا مقرر ہو گیا۔ آپ وہاں ٹھیرے رہے روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہکر علمی مباحثے کیا کرتے جس کے بعد آپ کو علم ہوا کہ واقعی حضرت علم و فضل میں یگانہ ہیں۔ یعنی ایک شرط تو پوری ہوئی اب دوسری کہ کرامات کا صدور بچشم خود دیکھوں اس کے آپ منتظر تھے کہ ایک شخص حضرت کی

خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوا حضرت قبلہ نے اس سے بیعت لی بیعت کے بعد اس نے ایک مٹھائی کی ٹوکری جس میں سات لڈو تھے حضرت کے ملاحظہ میں پیش کی تو حضرت نے وہ ٹوکری آپ کو دیکر فرمایا کہ میر صاحب اس ٹوکری کو لو اور جتنے صاحبین بیٹھے ہوئے ہیں ان سب کو اس طرح تقسیم کرو کہ ہر ایک کو سات سات لڈو پہنچیں آپ نے جب حضرت کا یہ ارشاد سماعت فرمایا تو حیران ہو کر کھڑے رہ گئے کہ ٹوکری میں کل سات لڈو ہیں ان سب کو کس طرح تقسیم ہو سکیں گے۔ جب حضرت نے آپ کے متحیر ہونے کو ملاحظہ فرمایا تو فرمایا کہ میر صاحب ہمارا رومال ٹوکری پر ڈھانک دو اور پھر ہر شخص کو سات سات عدد تقسیم کر دو۔ آپ نے حسب الحکم حضرت قبلہ کا رومال ٹوکری پر ڈھانک کر ہر ایک کو سات سات لڈو تقسیم کر دیئے اس کے بعد جب دیکھا تو پھر اس ٹوکری میں سات لڈو باقی تھے۔

اپنے پیر روشن ضمیر کی اس کرامت کو جس کا ظہور آپ ہی کے ذریعہ کرایا گیا۔ آپ نے جب دیکھا تو فوراً بیعت کی تکمیل کر لی اس کے بعد عرصہ تک وہیں قیام فرماکر صحبت شیخ کامل سے استفادہ فرمایا پھر حسب اجازت دکن واپس تشریف لائے۔

آپ کے ہمعصر شیوخ میں قابل ذکر حضرت شیخ جی حالی قدس سرہٗ و حضرت شاہ سعد اللہ صاحب قدس سرہٗ و حضرت محمد علی صاحب خیر آبادی قدس سرہ العزیز وغیرہ ہیں۔ آپ کو اپنے ہمعصر شیوخ میں بھی امتیاز خاص حاصل تھا۔ یہ سب حضرات کرام آپ کا بہت احترام فرماتے تھے۔

آپ نے ۱۴ محرم الحرام ۱۲۶۵ھ کو اس دار فانی سے ملک جاودانی میں انتقال فرمایا۔ سنہ وصال "از دکن وائے آفتاب برفت" سے نکلتا ہے۔

۱۲ ۶۵ ھ

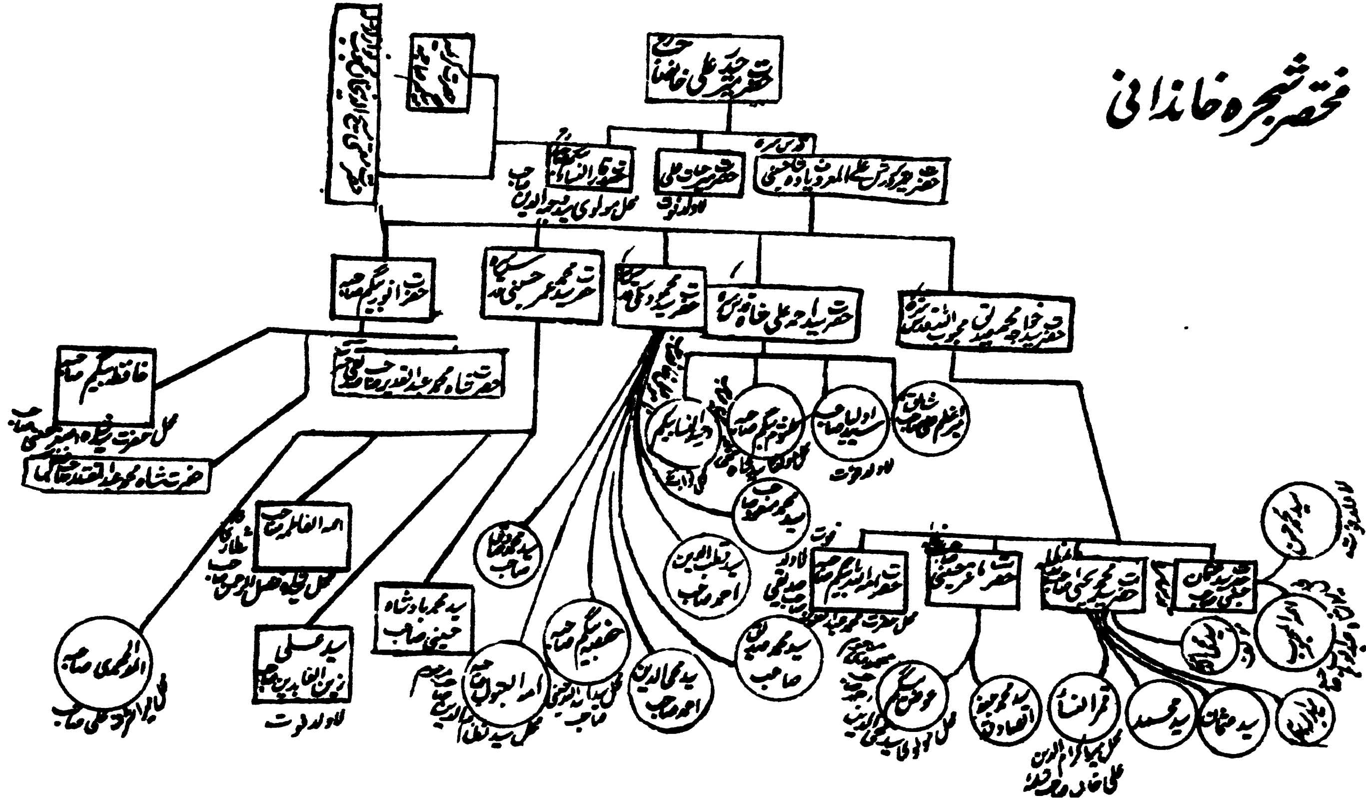
اس مصرعہ تاریخی سے متعلق ایک واقعہ کا اظہار نا مناسب نہ ہوگا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کے وصال کے بعد ایک صاحب حضرت حافظ محمد علی صاحب خیرآبادی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے حیدر آباد کے حالات ان سے دریافت کئے وہ یہاں کے امراء کے کچھ واقعات اور عہدہ داروں کے تغیر و تبدل کے حالات سنانے لگے تو آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ میاں! وہاں کے اہل اللہ کے کچھ حالات سناؤ"!! تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا شجاع الدین صاحب قبلہؒ کا وصال ہوگیا۔ اس خبر کے سنتے ہی آپ نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ "دکن کا آفتاب غروب ہوگیا"

حضرت قطب الہند کا مزار مبارک محلہ زرین باز اربا غ حضرت دائم صاحب قبلہؒ میں واقع اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

آپ کے صاحبزادہ حضرت میر عبد اللہ صاحب شہید بیحد نیک، متقی، صاحب دل، جید عالم تھے۔

حضرت عبد اللہ صاحب شہید کا مزار بھی حضرت قطب الہند کے مزار سے چند قدم آگے ایک مقبرہ میں ہے جو حضرت عبد اللہ صاحب شہید ہی کے نام سے موسوم یا چھوٹا مقبرہ کہلاتا ہے۔

حضرت میر عبد اللہ صاحب شہید کو ایک صاحب زادی یعنی والدۂ ماجدہ حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ جن کی شادی حضرت قطب الہند علیہ الرحمہ کے سامنے ہوی اور دو صاحبزادے تھے ایک حضرت میر محمد دائم صاحبؒ جو حضرت قطب الہندؒ کے بعد اپنے جد امجد کے جانشین ہوئے دوسرے حضرت میر محمد قائم صاحبؒ۔


مختصر شجرہ خاندانی
امۃ الفاطمہ صاحبہ
سید محمد بادشاہ حسینی صاحب
سید علی زین العابدین صاحب
لاولد فوت
سید محمد صدیق صاحب
سید محمد سعید
سید عثمان
قمر النساء

حضرت کے متعلق پیشین گوئیاں

حضرتؒ کی ولادت سے قبل آپ کی والدۂ ماجدہ نے بزمانہ حمل خواب دیکھا کہ جھولے میں ایک لڑکا ہے جس کی ڈوری سیدۃ النساء العالمین علیہا و علی ابیہا الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک میں ہے اس ڈوری کو آپ ہلا رہی ہیں۔ آپ کی والدۂ ماجدہ فرماتی ہیں کہ مجھے دیکھ کر حضرت سیدہؓ نے بلایا اس جھولے کی ڈوری میرے ہاتھ میں دی اور ارشاد فرمایا کہ:۔

"یہ ہمارا بچہ ہے اس کی چند روز خدمت کرکے ہمارے پاس چلے آؤ"۔

حضرت سیدہؓ کے حکم کی تعمیل میں میں جھولا جھلانے لگی جب آپ خواب سے بیدار ہوئیں تو اپنے شوہر حضرت سید محمد بادشاہ حسینی قبلہ قدس سرہ سے خواب عرض کیا۔ حضرت نے خواب سنکر تعبیر دی کہ تمکو لڑکا ہوگا جس کی ڈوری سیدہؓ نے تمھیں سرفراز فرمائی ہے۔ اور ہم اس بچہ کی خدمت کے لئے مامور کئے گئے ہیں چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ حضرت کی ولادت باسعادت ہوئی۔

آپ کی والدۂ ماجدہ آپ کا بیحد ادب فرماتی تھیں جب آپ باہر سے اندر تشریف لاتے تو سروقد اٹھکر تعظیم فرماتیں اور فرمایا کرتیں کہ یہ وہی صاحب زادہ ہے جس کی نگہبانی کے لئے سیدہ نے مجھے مقرر فرمایا ہے چنانچہ جب آپ اپنے

؎ از رہبر طریقت مؤلفہ حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ۔

والد ماجد کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے دستِ مبارک پر تبرّکاً تجدید بیعت کی حالانکہ اس سے پہلے آپ اپنے جد امجد حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین قبلہ قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔

درد زہ سے قبل ہی آپ کے نانا قطب الہند حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین قبلہ قدس سرہٗ اپنی پوتی کے گھر آنے والے پرپوتے کی پذیرائی کے لئے تشریف لا چکے تھے۔ ولادت کے بعد اپنے قرۃ العین لختِ جگر کو گود میں لے کر دونوں آنکھوں کو بوسہ دیا اور آپ کی والدۂ ماجدہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ۔ "اماں! یہ بچہ بڑی شان والا ہوگا۔"

اور اکثر جب تشریف لاتے اپنے لاڈلے نواسے کو گود میں لیتے بہت مسرّت کے ساتھ دعا دیا کرتے۔ ایک دفعہ خردسالی ہی میں آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اپنے محبوب نواسہ کو گُھٹی بھی چٹائی ہے۔

آپ کے والد ماجد نے ایک روز خواب دیکھا کہ عبد اللہ بن علی جمعدار کی ڈیوڑھی کے شرقی جانب اپنے مکان کے قریب زمین سے آسمان تک ایک نورانی ستون کھڑا ہوا ہے صبح کو بیدار ہوتے ہی آپ نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ

"ہماری اولاد کا نور شہرہ آفاق ہوگا۔"

بعد میں اس خواب کو حضرت نے عبد اللہ بن علی جمعدار مرحوم سے (جو حضرت کے بیحد معتقد تھے بیان فرمایا تو جمعدار نے اس کی تعبیر یہ سمجھی کہ وہاں مسجد تعمیر کروانا چاہیئے چنانچہ حضرت کی اجازت سے اسی مقام پر ایک مسجد تعمیر

؎ از مولانا شرف الدین قادری۔

کرائی اور اس کا نام "مسجد النور" رکھا اب بھی یہی نام اس کے کتبہ میں موجود
ہے۔ اس مسجد کی تولیت بھی حضرت ہی کو تھی۔ ایک روز حضرت نے اپنے مریدین
سے فرمایا کہ عبداللہ بن علی جمعدار سے جو خواب میں نے بیان کیا تھا وہ خدائے تعالیٰ
کے انوار اور رحمتوں کا نزول تھا جس سے ہم سرفراز ہیں اور انشاء اللہ المستعان
ہماری اولاد بھی رہے گی۔ ہماری اور ہماری اولاد کے فیوض سے سرزمین دکن
روشن ہو جائے گی۔ اس کا انکشاف پروردگار عالم نے اپنی عنایت سے خواب
میں فرمایا تھا لیکن جمعدار ایک سپاہی مزاج عرب ہے۔ انہوں نے اس سے
مسجد بنانے کی تعبیر لی۔ چونکہ یہ بھی ایک نیک کام تھا اس لئے میں نے اسکی
تردید مناسب نہ سمجھی" اب اسی مسجد کے روبرو حضرت کا مزار پرانوار واقع ہے جہاں
انوار الٰہی کا نزول کئی سال پیشتر عالم رویا میں دکھلایا گیا تھا۔

طفولیت

حضرت بچپن ہی سے تیز اور ذہین تھے طبیعت میں شرارت نہ تھی۔ غور و فکر
رحم و کرم جود و سخا کا مادّہ بہت زیادہ تھا۔ اخلاق و عادات کے باب میں
ہم نے تفصیل سے واقعات پیش کئے ہیں بچپن ہی سے لڑنے بھڑنے سے پرہیز
فرماتے آپس میں مل جل کر گزارتے آپ کی چھوٹی بہن (یعنی والدہ حضرت مولانا
عبدالقدیر صاحب صدیقی) جو آپ سے سال ڈیڑھ سال ہی کی چھوٹی تھیں طبعاً
اور بتقاضائے ہم سنی دونوں میں بہت زیادہ محبت و الفت تھی۔ دونوں اکثر
ایک ہی جگہ ملکر کھیلا کرتے بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنی والدہ محترمہ

کے ہمراہ اپنی پھوپی (یعنی والدہ حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ) کے پاس تشریف
لے گئے آپ کے ساتھ آپ کی بہن صاحبہ بھی تھیں تشریف لے جانے کے بعد آپ کی
والدہ صاحبہ قبلہ اور پھوپی صاحبہ دونوں مصروف کلام ہوگئیں آپ اپنی ہمشیرہ کے
ساتھ کھیلنے کے لئے نکلے آپ کی پھوپی صاحبہ کی ایک پروردہ چھوکری تھی جو اگرچہ
عمر میں آپ سے کچھ بڑی تھی لیکن پھر بھی کمسن ہی تھی اس کی شادی گھر کے ایک
پروردہ لڑکے سے کردی گئی تھی اور یہ دونوں میاں بی بی وہیں رہتے تھے۔
اس پروردہ لڑکی کا شوہر چوہوں کی کثرت سے تنگ آکر ان کے مارنے کیلئے
بازار سے سنکھیا لایا اور ایک بلند مقام پر محفوظ رکھدیا تھا۔ اور اپنی بی بی کو تاکید
کردی تھی کہ خبردار اس کو ہاتھ نہ لگانا لڑکی یہ سن کر خاموش ہوگئی۔ مگر اسے یہ خبر
نہ تھی کہ یہ زہر ہے۔ جب وہاں کھیلنے کے ارادہ سے بھائی بہن پہنچے کشش ہم سنی
دونوں بھائی بہن کو اس پروردہ لڑکی کے مقام پر لے گئی جب یہ دونوں حضرات
نکلے تو وہ پروردہ لڑکی بھی ساتھ ہوگئی کھیلتے ہوئے اس کے کمرہ میں گئے تو اس
سنکھیا پر نظر پڑی جو ایک بلند مقام پر رکھی ہوئی تھی۔ اس لڑکی نے کہا کہ میرے
شوہر نے بازار سے کھڑی لاکر رکھی ہے کس طرح نکالنا چاہیئے تاکہ کھائیں،، ان
دونوں حضرات نے بھی اس مشورہ کو منظور فرمایا کیوں کہ کھڑی کے
کے سوندھے پن نے ادھر متوجہ کردیا مگر چونکہ وہ بلند مقام پر تھی ہاتھ پہنچتا
نہ تھا تکیہ وغیرہ رکھا گیا اس پر چڑھ کر اسے نکالا گیا۔ اب اس کے بعد یہ بحث چھڑی
کہ یہ ایک ہی ڈلی ہے کھانے والے تین ہیں تقسیم کیوں کر ہو مشورہ کے بعد اس ڈلی
کو مالکۂ مکان یعنی والدہ حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کے پاس پیش کیا گیا

کہ آپ اسے تینوں میں تقسیم کردیں چونکہ حضرتہ موصوفہ اپنی بھاوج سے باتوں میں مصروف تھیں اس پر غور ہی نہیں کیا کہ بچے کیا چیز لائے ہیں باتیں کرتے کرتے اس کے تین ٹکڑے کردئے اور تینوں میں خود ہی تقسیم کردیا اور سب سے بڑا ٹکڑا حضرت کو اور سب سے چھوٹا اس چھوکری کو ملا۔ تینوں نے اس کو اطمینان سے کھالیا۔ اور پھر اپنے کھیل کود میں مصروف ہوگئے۔ حضرت کی والدہ صاحبہ تھوڑی دیر ٹھیرنے کے بعد بچوں سمیت اپنے مکان واپس ہوگئیں گھر پہنچتے ہی صاحبزادہ و صاحبزادی ہر دو کی طبیعت بگڑی قے دست شروع ہوگئے۔ اور مزاج کا کچھ اور ہی رنگ ہوگیا ادہر وہ پروردہ لڑکی کی حالت بیحد خطرناک ہوگئی۔ سر سے پیر تک نیلی ہوگئی آنکھیں چھت سے لگ گئیں۔ گھر کا گھر حیران کہ اس کو کیا ہوگیا ہے کیونکہ یہ سنکھیا کھانے کے واقعہ کا تو کسی کو علم ہی نہ تھا اس عرصہ میں اس کا شوہر بھی آگیا۔ جب اس نے اپنی بی بی کی یہ حالت دیکھی تو بہت پریشان ہوا ساتھ ہی اسے سنکھیا کا خیال آگیا۔ دیکھا تو ڈلی اپنے مقام پر نہ تھی۔ دریافت کیا تو اس لڑکی نے تمام واقعہ بیان کیا اس واقعہ کے سنتے ہی حضرت مفتی صاحب کی والدہ حواس باختہ ہوگئیں کہ یہ کیا ہوا میں نے بچوں کو اپنے ہاتھ سے خود زہر تقسیم کیا ہے فوراً آدمی کو خیریت کی کیفیت کے لئے روانہ کیا اور تمام واقعہ کہلوایا اور اس لڑکی کو بھی رفع سمیت کے لئے ادویات استعمال کرائی گئیں۔ وہ آدمی جب یہاں پہنچا تو یہاں بھی دونوں حضرات کی طبیعت کی خرابی کا حال سنا اور اصل واقعہ کی تفصیل بیان کی جس کے سنتے ہی حضرت کی والدہ ماجدہ سخت پریشان ہوئیں فوراً علاج شروع کیا گیا خداوند عالم کا فضل تھا کہ تینوں سنبھل گئے مگر اس کا اثر آخر وقت تک بھی حضرت اور آپ کی بہن صاحبہ کی طبیعت پر رہا

یعنی دونوں حضرات کی طبیعت میں بحید حدت و حرارت تھی بالخصوص حضرت کو تینوں میں سب سے زیادہ آپ ہی نے کھایا تھا۔ اس لئے اس کے اثرات بھی زیادہ ہی تھے۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں ہمیشہ حضرت کے چشمان مبارک کے کوہوں میں زرد رنگ کا میل ایسا رہتا جیسے بحالت آشوب کسی کی آنکھ میں رہتا ہے آپ کے اکثر روزانہ تین چار اجابتیں پتلی آتی رہتیں کوئی گرم چیز طبیعت کے کبھی موافق نہ ہوتی اور یہ اثرات صرف حضرت تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ آپ کی اولاد میں بھی آئے ہیں۔ چنانچہ سب صاحبزادوں کے معدوں میں انتہائی حدت ہے۔ تبخیر کی بہت شکایت ہے کوئی گرم چیز موافق نہیں آتی اسی طرح حضرت کی بہن صاحبہ کی اولاد میں بھی یہ اثرات منتقل ہوئے ہیں۔

اس واقعہ سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہی کے طفیل سے شاید خداوند عالم نے سب پر بھی اپنا فضل فرمایا ورنہ اس کمسنی میں سنکھیا کا کافی مقدار میں استعمال کرنا اور اس کے بعد صحیح سلامت رہنا عقل میں نہیں آتا گو کہ سنکھیا نے اپنا اثر ضرور دکھایا لیکن جیسا چاہیئے ویسا اثر نہیں ہوا برخلاف اس کے اگر آتنا کوئی اور استعمال کرتا تو خدا جانے کیا سے کیا ہو جاتا۔ منکرین کو چھوڑیئے کہ وہ تو معجزات کی بھی اتفاقات وغیرہ کہکر تاویل کر ہی لیتے ہیں مگر میں تو یہی کہوں گا کہ حضرت کا یہ ابتدائی تصرف تھا۔ جو زمانہ طفولیت میں ظہور پذیر ہوا۔ خاصان خدا سے اس کے بچپن میں بھی اپنی کمسنی کی مناسبت سے کچھ نہ کچھ خوارق ہو ہی جاتے ہیں۔

حلیہ و لباس مبارک

آپ کا سر مبارک بڑا، میانہ قد، جسم اطہر متوسط نہ دبلے نہ موٹے، رنگ اقدس چمپائی، چشمان مبارک بڑی بڑی متوالی کتابی چہرۂ انور، پیوستہ و خمیدہ ابروئے پاک، بلند بینی مبارک کشادہ پیشانی نورانی، سر میں پیاری پیاری زلفیں، گرد ریش مبارک تھوڑی کے پاس ریش مبارک میں کچھ فرق تھا، کھڑاویں پائے مبارک میں ۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا

حضرت مولانا شاہ محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی حسرت مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کی نظر بے حد وسیع تھی اگر کبھی حضرت کسی خیال میں خاموش تشریف فرما رہتے تو ہم کو یہ محسوس کرنے میں دقت ہوتی کہ حضرت کدھر ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ ہم جب جانب بھی خیال کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت ادھر ہی متوجہ ہیں۔ حضرت کے چہرۂ مبارک پر اس قدر رعب تھا کہ کوئی شخص بھی حضرت سے یک بیک ہم کلام نہ ہو سکتا تھا اکثر مریدین دو دو چار روز تک اپنا معروضہ بیان نہیں کر سکتے تھے روزانہ آکر مؤدب سامنے بیٹھتے اور رعب کی وجہ سے اتنی ہمت نہ ہوتی کہ دل کھول کر معروضہ کر سکیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت خود ہی دریافت فرماتے کہ کیا تم کچھ کہوگے تو معروضہ پیش کیا ورنہ خاموش رہے بعض مریدین مجبور ہو کر حضرت کے رات دن پیشی میں رہنے والے خادمین کو مجبور کرتے کہ وہ ان کا معروضہ پیش کریں۔ لیکن وہ بھی توجہ اور عنایت کے وقت کے منتظر رہتے جب کبھی حضرت کو متوجہ دیکھتے

؎ از شاہ شرف الدین صاحب قادری

تو فوراً معروضہ پیش کرتے حضرت کے سامنے بڑی سے بڑی شخصیت والا شخص بھی آتا تو مرعوب ہو جاتا معلوم ہوتا تھا کہ شہنشاہ وقت کے دربار میں حاضر ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ نواب سر خورشید جاہ مرحوم کو حضرت کی قدم بوسی کا بیحد اشتیاق تھا۔ چاہتے تھے کہ در دولت پر حاضر ہو کر قدمبوسی کا شرف حاصل کریں چنانچہ نواب صاحب موصوف نے متعدد مرتبہ حضرت کے پھوپی زاد بھائی نواب مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم (جن کو حضرت بہت چاہتے تھے) اور حضرت کے خسر حضرت مولانا مولوی سید شاہ حسن احمد صاحب شطاری قبلہ رح کے ذریعہ (جو بلدہ کے مشہور بزرگوں میں سے تھے اور حضرت کے خسر ہونے کی وجہ سے خود حضرت بھی حضرت ممدوح کا بہت احترام فرماتے تھے) معروضہ پیش کروایا کیونکہ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ حضرت ان بزرگواروں کی سفارش کو مسترد نہ فرمائیں گے لیکن حضرت نے ان حضرات سے معافی چاہتے ہوئے صاف جواب دے دیا کہ میں فقیر ہوں اور وہ امیر! میں جس چیز کا طالب ہوں وہ ان کے پاس نہیں اور وہ جس چیز کے خواہاں ہیں میرے پاس نہیں پھر کیوں میرے پاس آنا چاہتے ہیں؟ جب نواب صاحب کی یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو انہوں نے سوچا کہ حضرت سے کسی ایسے مقام پر جہاں حضرت تشریف لے جاتے ہوں پہنچ کر قدم بوسی حاصل کی جائے! اس خیال کی تکمیل کے لئے انہوں نے دریافت کیا کہ حضرت اکثر کہاں تشریف لے جایا کرتے ہیں۔ تو اطلاع ملی کہ حضرت اپنے نانا حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین قبلہ علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے اکثر تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب ممدوح نے حضرت کی وہاں تشریف آوری کی خبر رکھی اور ایک دفعہ حضرت سے گنبد شریف میں شرف ملاقات حاصل کی

عہ از حضرت قبلہ مدظلہ

جس وقت قدمبوسی حاصل کی تو سر سے پاؤں تک کانپ رہے تھے اور شدت رعب کے باعث اس وقت ان کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا جب حضرت نے انکی اس حالت کو ملاحظہ فرمایا تو خود ہی مسکرا کر استفسار فرمایا کہ "نواب صاحب آپ کچھ فرمائیں گے" انہوں نے عرض کیا کہ "جی! کچھ نہیں صرف ایک معروضہ ہے کہ آپ یہاں سے مقبرۂ نواب تیغ جنگ مرحوم تک جو قریب ہے تشریف لے چلیں تو شاید مدفونین کی نجات کا باعث ہو" حضرت نے ان کے اس معروضہ کو قبول فرمایا اور تشریف لے چلے نواب صاحب نے عرض کیا کہ "میانہ حاضر ہے حضرت اس میں تشریف رکھیں" حضرت نے فرمایا کہ "مجھے پیدل چلنے کی عادت ہے میں پیادہ چلوں گا آپ بیٹھ جائیں اور پیدل ہی حضرت نے اس طرف کا قصد فرمایا۔ نواب صاحب کی پھر ہمت نہ ہو سکی کہ حضرت کی خدمت میں کچھ عرض کریں آخر کار نواب صاحب بھی حضرت کے ہمراہ پیادہ مقبرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقبرہ پہنچکر پھول وغیرہ چڑھانے کے بعد نواب صاحب نے مدفونین کی مغفرت کی دعا کے لئے گزارش کی۔ حضرت نے سب کے لئے دعا فرمائی اور ایک قبر کی جانب اشارہ کرکے فرمایا یہ قبر کس کی ہے؟ نواب صاحب نے عرض کیا کہ جی یہ ایک ملازمہ تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ "سب سے اسی کی حالت اچھی ہے" اور وہاں سے واپس ہوئے۔

لباس مبارک حضرت کا لباس مبارک بالکل سیدھا سادہ ہوا کرتا تھا۔ عام مشائخین کی طرح آپ جبہ وقبہ کا استعمال نہیں فرماتے تھے ہمیشہ جسم مبارک میں چوبغلہ اور سر پر ٹوپی۔ بعض خاص اوقات میں مثلاً جمعہ

عیدین۔ شادی وغیرہ میں بہ خیال پیروی سنت عمامہ بھی باندھتے تھے۔ ابتداءً حضرت عام مشائخین کی طرح لباس پہنتے تھے لیکن جب ۱۸۵۷ء کے واقعہ کے بعد بعض اہل دہلی دکن میں وارد ہوئے تو اہلِ دکن ان کے چوغلوں کا مضحکہ اڑاتے تھے، راستہ راستہ ان پر پھبتیاں کسی جاتی تھیں غالباً یہ طریقہ حضرت کو ناگوار خاطر ہوا۔ آپ نے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ وہی لباس اختیار فرمایا ابتدا تو آپ کا بھی جہاں نے خوب مضحکہ اڑایا لیکن رفتہ رفتہ اس کا رواج عام ہوگیا آج کل تو دکن کے باشندوں کی خاصی تعداد یہ لباس پہنا کرتی ہے بلکہ مشائخین کا یہی لباس سمجھا جا رہا ہے۔

حضرت کے پیر میں آپا شاہی جوتا، کاندھے پر رومال، ہاتھ میں اکثر چھوٹی سی تسبیح رہا کرتی تھی۔ ظاہری وضع وقطع میں بے انتہا سادگی ملحوظ خاطر رہتی کہ عوام الناس یعنے اصحاب بصارت کو ظاہرا طور پر حضور کی صحیح شخصیت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ مگر ارباب بصیرت کی دوربین نگاہیں پہچان ہی لیتی تھیں ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من انداز قدت را می شناسم

حضرت کو امرا و عہدہ داروں سے زیادہ میل جول ان کے پاس جانا بالکل پسند نہ تھا۔ ان کے پاس سے دعوت نامے آتے مگر آپ تشریف نہ لے جاتے اکثر اپنے برادران عزیز کو بھیجدیا کرتے بہت کم ایسا ہوا ہے کہ آپ نے شرکت فرمائی ہے۔

چنانچہ ایک وقت کا واقعہ مولانا شرف الدین صاحب قادری سے مروی ہے کہ نواب بشیر الدولہ مرحوم کے پاس دعوت میں ایک دفعہ آپ تشریف لیگئے حضرت سید عمر صاحب رحؔ فرماتے تھے کہ میں بھی ہمراہ تھا۔ مکانِ دعوت پر پہنچنے

کے بعد آپ نے مقام دعوت پر جانے کا جب قصد فرمایا تو دربان آپ کو ظاہری وضع و قطع سے پہچان نہ سکا روکدیا۔ حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ فرماتے تھے کہ وہاں کے دربان کی اس حرکت پر مجھے بیحد غصہ آیا چاہا کہ بڑھ کر اس کو ڈانٹ ڈپٹ کروں جب آپ نے میرے اس ارادہ کو محسوس فرمایا تو اشارہ سے خاموش رہنے کا حکم دیا تب تو میں مجبور ہو کر خاموش رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ آگے بڑھے تو پہرہ کے دوسرے جوان نے پھر روکدیا پھر آپ خاموش ٹھیر گئے تھوڑی دیر توقف کے بعد آپ آگے بڑھے تو تیسرے جوان نے آپ کو سختی سے روکنا چاہا۔ اس عرصہ میں داعی صاحب یعنے نواب بشیرالدولہ مرحوم کی جو قریب ہی میں کھڑے تھے نظر پڑ گئی جوں ہی حضرت کو دیکھا دوڑتے ہوے آئے اور استقبال کر کے لے گئے چونکہ حضرت کو تشریف لے جاتے کچھ تاخیر ہو گئی تھی اس لئے تمام دسترخوان پرُ ہو گئے تھے نواب صاحب نے حضرت کے لئے بالاخانہ پر انتظام کرایا اور اوپر لے گئے حضرت نے کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اگرچہ نواب صاحب بہت اصرار کرتے رہے مگر آپ نے نواب صاحب سے معافی چاہ لی۔ اس کے بعد نواب صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت میرے مکان کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہر بلا سے محفوظ رکھے گا آپ نے ان کی اس استدعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کے ساتھ ہو گئے۔ نواب صاحب نے اپنے مکان کے تمام حصوں میں حضرت کو گھمایا اور ہر چیز وضاحت کے ساتھ آپ کو دکھائی۔ جس کے بعد آپ دولت سرا کو واپس ہوئے۔

راوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ روزانہ چار بجے حضرت کی خدمت میں

میں حاضری دیا کرتا تھا جب عادت اس روز بھی حاضر ہوا تو آپ نے مسکرا کر مجھ سے فرمایا کہ سُنے! میں نے عرض کیا جی کیا پیرومرشد! تو فرمایے کہ "آج ہم کو بشیر الدولہ کی ڈیوڑھی دکھانے لے گئے تھے" اس کے بعد متعجبانہ انداز میں "کیا ہے نہیں معلوم ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں" فرما کر خاموش ہو گئے۔

ہم تمام حضرت کی پیشی میں رہنے والوں کی عادت تھی کسی کے غیاب میں اگر حضرت کچھ ارشاد فرمائیں تو بعد میں اس کو دوسرے غیر موجود شخص کے سامنے دہرا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس ارشاد کو بھی حضرت کے برخاست فرمانے کے بعد جب میں دوسروں کے سامنے دہرایا تو حضرت سید عمر صاحب قبلہ رح نے صبح کا تمام واقعہ سنایا اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوت میں حضرت کی رونق افروزی تحت امر تھی یوں تو حضرت کی ہر حرکت تحت امر ہی ہوتی تھی۔ جیسا کہ اور دوسرے واقعات سے جن کو ہم نے آگے نقل کیا ہے وضاحت ہوگی مگر اس واقعہ سے نفس کشی و شان استغنار کا خاص مظاہرہ ہوتا ہے جو آپ کا خصوصی رنگ ہے۔

آپ کو سادگی بہت پسند تھی تکلفات قطعاً پسند نہ تھے جس کا تفصیلی تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ اخلاق و عادات کے بیان میں آئے گا۔

آپ کا لباس سیدھا سادہ ہوا کرتا قیمتی پوشاک کو پسند نہ فرماتے حالانکہ اس زمانہ میں عام طور پر قیمتی لباس استعمال کیا جاتا تھا۔ مثلاً ہمرو یا مشروع کے تنبان (پاجامے) اور اسی کے شاہے، شربتی ململ یا آغابانی کے انگرکھے وغیرہ مگر آپ نے ان انگرکھوں تنبان وغیرہ کو کبھی پسند نہ فرمایا ہمیشہ سادہ لباس ہی

زیب تن فرماتے رہے۔

لباس بھی اس زمانہ کے رواج کے خلاف چست اور جسم کے برابر بہت پسند تھا ڈھیلے ڈھالے لباس کو پسند نہ فرمایا کرتے حتیٰ کہ حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اگر کرتے کا گلہ ذرا کھلتا رہتا تو آپ کو ناگوار گزرتا فوراً اس کو درست کروا دیتے

حضرت کو زرد رنگ بہت مرغوب خاطر تھا۔ کبھی کبھی عمامہ چادر زرد رنگوا کر استعمال فرمایا کرتے تھے اسی وجہ سے آپ کے مزار مبارک پر غلاف زرد رنگ کے اڑھائے جاتے ہیں۔ اور چوکھنڈی بھی اسی رنگ سے رنگی جاتی ہے۔

اور دیگر واقعات سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ زرد رنگ کو حضرت نے از خود اختیار نہیں فرمایا بلکہ بذریعہ کشف یہ رنگ حضرت کی طرف منسوب ہوا۔

حضرت کا علم و فضل و شوق مطالعہ

حضرت حافظ و قاری تھے فن تجوید میں آپ کا سلسلۂ روایت حضرت مولنٰا میر شجاع الدین صاحب قدس سرہٗ سے ملتا ہے۔ عربی، فارسی، ادب نہایت بہتر تھا منطق فلسفہ، ہیئت سب میں حضرت کو خاص دخل تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ میں تو اچھا تبحر تھا حضرت کی ابتدائی تعلیم حضرت مولوی شاہ علی صاحب مرحوم و حضرت شمس الدین صاحب فیضؒ سے ہوئی۔ من بعد حضرت مولانا نیاز محمد صاحبؒ و حضرت مولنٰا محمد زماں خاں صاحب شہیدؒ کے پاس تکمیل کی۔ آپ کے ہم سبق حضرات میں سے ایک مولوی مسیح الزماں خاں صاحب مرحوم (جو اعلیٰحضرت مرحوم کے استاد اور حضرت شہیدؒ صاحب کے بھائی تھے) ہیں۔ حضرت اکثر اپنے اساتذہ کے متعلق فرماتے تھے کہ "مولوی نیاز محمدؒ صاحبؒ متبحر عالم تھے۔ اور حضرت شہید صاحبؒ طالبعلموں کی تعلیم اور نگہداشت میں خاص ملکہ رکھتے تھے"۔ حضرت کا فقہی مسلک حنبلی تھا ابتدا میں آپ حنفی المشرب تھے لیکن بعد میں بربنا رحکم باطنی حضرت نے تبدیل مشرب فرمایا اور فقہ حنبلی میں ایک کتاب موسوم بہ "زاد آخرت" نہایت سلیس اردو میں شرح و بسط کے ساتھ تصنیف فرمائی جو کتاب الطلاق تک ہوئی تھی کہ حضرت نے پردہ فرمایا چنانچہ یہ کتاب اسی حد تک طبع بھی ہو چکی ہے۔

چونکہ اب حضرت کے تبدیل مشرب کے متعلق تذکرہ چھڑ چکا ہے اس لئے

یہاں ایک واقعہ کا لکھنا بیجا نہ ہوگا۔ حضرت نے جب تبدیل مشرب فرمایا تو بربنار حکم باطنی آپ نے اپنے تمام مریدین کو بھی تبدیل مشرب کا حکم فرمایا اکثر اصحاب نے فوراً تعمیل حکم کی لیکن حضرت کے برادر خرد حضرت مولٰنا سید شاہ محمد عمر حسینی صاحب قدس سرہٗ مذہب حنبلی اختیار کرنے میں کچھ متامل تھے اور یہی عرض کرتے رہے کہ حضرت! مجھے حنفی مذہب کے مسائل یاد ہیں اور حنبلی مذہب کے مسائل یاد نہیں اس لئے تامل ہے۔ اسی دوران میں مولٰنا موصوف نے خواب دیکھا کہ حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں اور سامنے آپ بھی حاضر ہیں۔ حضرت پیران پیر رضی اللہ عنہ آپ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ کیوں سید عمر میں نے تم سے کتنی دفعہ حنبلی ہونے کے لئے کہا لیکن تم اب تک حنبلی نہیں ہوئے۔ مولانا ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں وہی عرض کیا کہ حضرت مجھے حنفی مذہب کے مسائل یاد ہیں حنبلی مذہب کے مسائل یاد نہیں اس لئے پس و پیش ہے اس پر حضرت پیران پیر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایسے کتنے ہیں؟ آؤ میں ابھی تمھیں بتلائے دیتا ہوں اس کے بعد وضو نماز وغیرہ کے مسائل مختصر طور پر سمجھائے۔ اس خواب کے دیکھتے ہی صبح مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی خدمت مبارک میں خواب عرض کرتے حاضر ہوئے۔ آپ نے ملاحظہ فرماتے ہی ارشاد فرمایا کہ دیکھو چنو میاں! (حضرت مولٰنا سید محمد عمر قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اسی نام سے یاد فرماتے تھے)۔ دلیل لے کر آرہے ہیں۔ اور آتے ہی فرمایا کہ ہاں! کہو کیا خواب دیکھا مولٰنا نے اپنا تمام خواب عرض کیا اور اسی روز سے حنبلی ہو گئے۔ اس واقعہ سے نتیجہ کے طور پر دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کا حکم دربار غوثیت کے حکم کے مطابق تھا دوسرے یہ کہ حضرت کو فنائیت تامہ حاصل تھی۔ حضرت کا ہر حکم گویا کہ

حضرت پیران پیر کا حکم تھا اور آپ کے سامنے جو کچھ عرض کیا گیا وہ حضرت پیر دستگیرؒ سے عرض کرنے کے برابر تھا کیونکہ مولانائے ممدوح کو اس خواب سے پیشتر کوئی حکم دربار غوثیت سے نہیں ملا تھا۔ ہاں حضرت محبوب اللہ اقدس سرہٗ نے فرمایا تھا اور اور اس حکم کو بارگاہ غوثیہ نے اپنا حکم فرمایا۔

فن تصوف حضرت کو فن تصوف سے خاص دلچسپی تھی اور اس میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ حضرت مولٰنا حسرت مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ میں کبھی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوتا تو آپ مسائل تصوف پر تقریر فرماتے ایسا معلوم ہوتا کہ گویا علم کا دریا بہہ رہا ہے۔ بعض اوقات مجھ سے ارشاد ہوتا کہ مولوی (حضرت محبوب اللہ مولانا حسرت کو اسی لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے اور یہ اس زمانہ کا دیا ہوا لقب ہے جبکہ مولانا بہت کم عمر تھے حضرت کے اس لقب سے یاد فرمانے کا یہ اثر ہوا کہ آج مولٰنا ایسے مولوی ہوئے جن کی نظیر حیدرآباد میں تو کیا ہندوستان میں نظیر ملنی دشوار ہے) فلاں مسئلہ کے متعلق فلاں کتاب میں کیا لکھا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟ میں عرض کرتا کہ اس طرح لکھا ہے پھر آپ اس مسئلہ کی تفہیم فرماتے اور ایسی نئی نئی باتیں بیان فرماتے کہ کسی کتاب میں کسی مصنف نے بھی نہیں لکھی تھیں اسی تفہیم کا آج یہ یہ اثر ہے کہ میں بڑی سے بڑی کتاب دیکھتا ہوں اور جس مسئلہ پر نظر پڑتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی نئی بات ہی نہیں ہے۔

فن طب آپ کو فن طب میں بھی دخل تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک کتاب نسخہ جات وغیرہ میں بھی تحریر فرمائی ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔

حضرت مولٰنا شاہ محمد عبدالمقتدر صاحب صدیقی فضل مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ

میں نے حضرت سے ہی سنا ہے کہ فن طب آپ کو بذریعہ کشف حاصل ہوا اس کی مزید تصدیق کتاب نسخہ جات سے ہوتی ہے اکثر نسخوں سے متعلق آپ نے فرمودہ حضرت سرور عالمیان صلعم" فرمودہ حضرت مولیٰ مشکل کشاؓ "فرمودۂ حضرت پیران پیرؒ تحریر فرمایا ہے اس کتاب کے اکثر و بیشتر نسخے نہایت مجرب و زود اثر ثابت ہوئے اور بعض نسخہ جات تو ایسے بھی ہیں کہ جن کو دیکھنے کے بعد عقل حیران ہو جاتی ہے بہت سے اطبا نے ان نسخوں کا تجربہ کیا جس کا تفصیلی بیان انشاء اللہ المستعان معالجات کے باب میں آئے گا۔

خوشنویسی (خطاطی) آپ کو خوشنویسی میں بھی اچھا دخل تھا جس کا آپ کے تحریرات سے پتہ چلتا ہے آپ کے لکھے ہوئے بعض قطعات بھی اس وقت موجود ہیں، قلم میں خاص کیفیت ہے کششوں اور دوائر میں خاصہ بانکپن ہے، جس کو اس فن سے تھوڑا بہت بھی لگاؤ ہے وہی اس کا کچھ اندازہ لگا سکتا ہے۔ آپ کے شکستہ قلم میں بھی عجیب بانکپن و پختگی ہے۔ عربی میں ثلث و یاقوت بھی خوب جانتے تھے بعض عربی قطعات بھی آپ کے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ آپ نسخ و نستعلیق میں بھی بخوبی مہارت رکھتے تھے اس فن میں آپ کو مولوی محمد حسین صاحب ہفت قلم سے تلمذ حاصل ہے جو اس وقت کے ممتاز خوشنویسوں میں شمار کئے جاتے تھے۔

فن آتشبازی وغیرہ فن آتشبازی و صابون سازی وغیرہ میں بھی آپ کو دخل تھا۔ چنانچہ اس فن میں بھی آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔ اس فن میں آپ حضرت شمس الدین صاحب فیضؔ کے شاگرد تھے۔

حضرت کو مطالعہ کتب کا بیحد شوق تھا اور اس سے خاص دلچسپی تھی گھنٹوں

مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت قبلہ گاہی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ حضرتؒ کی اکثر عادت شریف تھی کہ جب مطالعہ فرماتے تو دونوں کہنیاں زمین پر ٹیک کر تشریف رکھتے اور کتاب سامنے کھلی رہتی چنانچہ ہم نے حضرت کو اسی طرح تشریف رکھے مطالعہ میں مسلسل چار چار گھنٹے تک دیکھا ہے حضرت حقہ کے عادی تھے مطالعہ کے لئے تشریف رکھتے تو حقہ سامنے رکھا ہوتا ایک آدھ کش آپ کھینچتے، اور مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تو اس قدر انہماک ہو جاتا کہ حقہ ٹھنڈا ہو جاتا مگر حضرت کو خبر تک نہ ہوتی پھر جب خیال آتا اور نیچہ اٹھا کر کش لگاتے تو حقہ جل گیا ہوتا فرماتے کہ "ارے حقہ ٹھنڈا ہو گیا"۔

بسا اوقات مجھے یاد فرماتے کہ "یحییٰ! حقہ بھر دو" (چونکہ میں اکثر حضرت کی خدمت مبارک میں رہا کرتا تھا اور حقہ کا خاص انداز سے بھرنا حضرت ہی نے بطور خاص مجھے سکھایا بھی تھا اس لئے اکثر مجھے ہی یاد فرمایا کرتے تھے کیونکہ دوسروں کا بھرا ہوا حقہ پسند نہ آتا تھا) میں فوراً حکم کی تعمیل کرتا۔ پھر آپ ایک آدھ کش کھینچتے اور مطالعہ میں مشغول ہو جاتے پھر حقہ ٹھنڈا ہو جاتا اسی طرح کئی کئی بار حقہ بھرنے کی ضرورت ہوتی۔ اکثر اوقات لیٹے ہوئے بھی مطالعہ فرماتے تھے آپ کے تمام کتب خانہ کی کتابیں غیر مجلد ہیں جو مجلد بھی تھیں ان کی بیش قیمت جلدیں آپ نے توڑ دیں کیونکہ لیٹے ہوئے مطالعہ میں مجلد کتاب تکلیف دہ ہوتی ہے۔

آپ کا کتب خانہ بیحد وسیع تھا لیکن باوجود اس کے بھی آپ کو اس قدر شوق تھا کہ جب کوئی اچھی کتاب نظر سے گذرتی تو آپ خرید ہی لیتے چنانچہ ہر ماہ ایک دو نئی کتابیں ضرور خرید فرماتے رہتے تھے۔ مولانا سید عبدالجبار صاحب قادری

(جن کو حضرت سے بیعت حاصل تھی) بیان فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت چوک تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا ایک صاحب ایک کتاب لئے بیٹھے تھے آپ نے اس کو ملاحظہ فرمایا اور ان سے دام پوچھے انہوں نے قیمت کچھ زیادہ بتائی مگر آپ نے کچھ اصرار نہ فرمایا بلکہ منہ بولی قیمت دیکر کتاب خرید لی میں نے عرض کی کہ جی! اس کے دام زیادہ بتائے جا رہے ہیں آپ نے جواب میں فرمایا کہ "یہ جواہر بے بہا ہیں ان کو کون نکالنا چاہتا ہے لیکن نہیں معلوم کہ اس بیچارے کو ایسی کیا ضرورت درپیش ہے جو اسے بیچ رہا ہے"

آپ کے کتبخانہ کی تمام کتابوں کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک کتاب بھی اس میں ایسی نہیں ہے جو حضرت کی نظر سے نہ گزری ہو آپ کے کتبخانہ کی کتابیں تو یقیناً آپ کے نظر سے گذری ہی ہونگی مولنا حسرت مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجدؒ کی زبان سے بارہا یہ الفاظ سنے ہیں کہ "اپنے کتبخانہ کی پوری کتابیں میں نے نہیں دیکھیں مگر خواجہ میاں صاحبؒ (یعنی حضرت) نے پوری کتب دیکھ لی ہیں کیونکہ حضرت اکثر اپنے بہنوی (حضرت مولانا عبدالقادر صاحب) کے پاس کی کتابیں مستعار لا کر ملاحظہ فرماتے اور بعد مطالعہ واپس فرما دیا کرتے تھے آپ مطالعہ بھی بہت تیز فرماتے تھے اور آپ کا حافظہ بھی بہت قوی تھا چنانچہ ایک وقت حضرت اپنے بہنوی (مولوی صاحب موصوف) کے پاس سے ایک ضخیم کتاب لائے اور اسی روز شام تک اسکو واپس فرما دیا مولوی صاحب ممدوح کو خیال گذرا کہ حضرت نے شائد پوری کتاب کا مطالعہ نہیں فرمایا کیونکہ اس قدر تھوڑے عرصہ میں اس کا پورا دیکھنا ممکن نہیں۔ دوسرے دفعہ جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو مولوی صاحب نے دریافت فرمایا کہ "کیا آپ نے یہ کتاب پوری دیکھ لی آپ نے جواب میں فرمایا کہ "ہاں! میں نے پوری دیکھ لی" مولوی صاحب اس جواب سے بیحد متحیر ہوئے مختلف مضامین سے متعلق جس پر اس میں بحث کی گئی ہے استفسار فرمایا کہ آپنے

فلاں مسئلہ کو ملاحظہ فرمایا تو آپ نے جواب میں اس کی پوری وضاحت فرمائی کہ ہاں! اس بارہ میں اس طرح لکھا ہے بلکہ بعض بعض وقت تو آپ نے کتاب کی پوری پوری عبارت سنادی۔ جس کے بعد مولوی صاحب کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی کہ اس قدر قلیل عرصہ میں جس کے کامل مطالعہ ہی میں شبہ ہو رہا تھا وہ کتاب گویا یہاں حفظ ہو چکی تھی۔

آپ کے اخلاق و عادات

حضرت اسم بامسمیٰ خلق مجسم تھے طبیعت میں شرم و حیا بہت تھی۔ بزرگوں کا ادب، چھوٹوں کا لحاظ، والدین کی اطاعت بہت فرماتے تھے۔

والدین کی اطاعت

والد ماجد کے وصال تک آپ کے تمام کاروبار کے نگران والد ماجد ہی رہے) افسوس ہے کہ اس زمانہ کے تفصیلی واقعات بوجہ امتداد زمانہ ہمیں نہ مل سکے) والد ماجد کے وصال کے بعد والدہ ماجدہ کے زیر نگرانی آپ کے تمام کاروبار انجام پاتے رہے حالانکہ آپ سن شعور کو پہنچ چکے اور متاہل ہو چکے تھے لیکن پھر بھی آپ اپنی اور دوسرے چھوٹے بھائیوں کی (جو والد ماجد کے وصال کے وقت بالکل کم سن تھے) تمام تنخواہیں والدہ ماجدہ کے سامنے پیش فرما دیتے وہ جو کھلاتیں کھاتے، جو وہ دیتیں لیتے، جو پہناتیں پہنتے، جو حکم دیتیں تعمیل فرماتے، کبھی کسی بات میں آپ کو تامل نہ ہوتا اور ہر وقت یہ خیال پیش نظر رہتا کہ والدہ ماجدہ کو کسی بات پر رنج نہ پہنچے حالانکہ والدہ ماجدہ خود آپ کا بیحد خیال رکھتیں اور احترام فرماتی تھیں جیسا کہ ہم نے اس سے پیشتر بیان کیا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اوقات کے بہت پابند تھے والدہ ماجدہ کے زمانہ میں وقت مقررہ پر خاصہ کے لئے تشریف لاتے اگر دسترخوان تیار نہ ہوتا تو بلا کسی ایک لفظ فرمائے کے واپس ہو جاتے حضرت کے واپس تشریف لے جانے

والدہ ماجدہ ملازمین پر خفا ہوتیں کہ کیوں وقت پر ان کے لئے کھانے کا انتظام نہیں کیا گیا۔ دسترخوان پر تشریف رکھتے اور اگر کبھی کوئی سالن پسند خاطر نہ ہوتا تو جلد ہاتھ کھینچ لیتے مگر والدہ ماجدہ کے خیال سے کبھی کسی ملازمہ وغیرہ سے یہ نہ فرماتے کہ آج فلاں سالن خراب کیوں پکایا گیا۔ حضرت کی دست کشی پر آپ کے والدہ ماجدہ سمجھ لیتیں کہ آج کھانا پسند نہیں آیا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ حضرت کھانا برابر تناول نہ فرمانے کی وجہ آپ کے محل مبارک میں علٰحدہ خفیہ طور پر سالن وغیرہ تیار کرواتیں اور آپ سے عرض کرتیں تو آپ اس کو تناول فرما لیا کرتے مگر اس کا بے حد خیال رہتا کہ اس علٰحدہ انتظام کی اطلاع والدہ ماجدہ کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے کہ مبادا رنج پہنچنے کا باعث ہو۔

والدہ ماجدہ کے پاس کے ملازمینؔ چھوکریوں وغیرہ پر خواہ وہ کیسا ہی قصور کیوں نہ کریں نہ کبھی خود خفا ہوتے اور نہ اپنے محل میں اس کی اجازت دیتے۔

بھائیوں کے ساتھ سلوک

والد ماجد کے وصال کے وقت سوائے حضرت کے باقی دوسرے بھائی سب چھوٹے تھے اس لئے والد ماجد کے سامنے صرف آپ کی اور آپ کی بہن (محل حضرت مولوی عبدالقادر صاحب صدیقی) کی شادی ہوئی والد کے بعد والدہ محترمہ سب کی کفیل تھیں والدہ کے سامنے منجھلے بھائی (یعنی حضرت احمد علیشاہ صاحب) کی شادی ہوئی۔ دوسرے دو چھوٹے بھائی چونکہ ابھی کمسن تھے۔ اس لئے ان کی شادیاں نہ ہو سکیں والدہ کے بعد ان چھوٹے بھائیوں کی ہر طرح کی نگرانی وغیرہ سب آپ کے ہی ذمہ ہوئی جس کو آپ نے اس خوبی کے ساتھ انجام دیا جیسا کہ ایک شفیق باپ اپنی اولاد کے ساتھ کر سکتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ والدماجد کے وصال کے وقت یوں تو دوسرے سب بھائی چھوٹے تھے لیکن یہ دو بھائی (یعنی حضرت مکی میاں صاحبؒ و حضرت سید عمر صاحبؒ) بہت صغیر سن تھے۔ ایک دفعہ والدماجد کے وصال کے تھوڑے عرصہ بعد ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرارت پر آپ نے تنبیہاً ایک طمانچہ مارا یا گوشمالی دی اور وہ روتے ہوئے والدہ کے پاس شکایت لے گئے چونکہ والدکا انتقال ہوکر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا۔ غم تازہ تھا والدۂ محترمہ کا دل دکھا ہوا تھا۔ والدہ نے آپ کو یاد فرمایا اور غمگین لہجہ میں آپ سے فرمایا کہ میاں! یہ بچے یتیم ہوگئے ہیں تم ان کو اس طرح مارپیٹ کروگے تو کیسا ہوگا؟ والدہ کے اس ارشاد سے آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ اس روز سے پھر کسی بھائی کو آپ نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اور نہ کسی بات پر خفا ہوئے بعض اوقات بعض اصحاب نے توجہ بھی دلائی تو آپ انجان ہوتے رہے اس کے بعد جب ان کی جانب متوجہ ہوئے تو اس خوبی سے تربیت کی کہ ہر بھائی کو سرزمین دکن پر آفتاب کی طرح چمکا دیا یعنی آج ان کے حالات وغیرہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو شموس دکن کہا جائے تو بجا ہے۔

تقسیم متروکہ پدری بیان کیا جاتا ہے کہ والدۂ ماجدہ کے انتقال کے بعد جب سب بھائی ذی شعور ہوگئے تو آپ نے والدماجد کے متروکہ کی تقسیم فرمائی۔ متروکہ میں آپ نے تمام اچھی اچھی چیزیں اپنے بھائیوں کو عطا فرمائیں اور خود پرانے مستعملہ اشیاء کو اپنے لئے پسند فرمایا جب آپ کو توجہ دلائی گئی کہ اس ناکارہ سامان سے کیا حاصل ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہی چیزیں بڑی کام کی ہیں۔ کیونکہ یہ بزرگوں کے استعمال میں زیادہ رہی ہیں اس میں انکے خیر و برکات ہیں۔

متروکہ پدری میں جائداد غیر منقولہ سے کئی مکانات تھے جس میں اچھے بڑے اور قابل رہائش مکانات آپ نے بھائیوں کے قیام کے لئے عطا فرمائے۔ اور خود چھوٹے سفالی مکانات اور کچھ افتادہ زمین لے کر اپنے منشار کے مطابق وہاں جدید مکانات تعمیر کروائے اور اسی میں رہنے لگے۔

بھائیوں کی شادی متروکہ پدری کی تقسیم کے بعد آپ نے اپنے چھوٹے بھائیوں کی ماہواریں جن کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی انھیں کے تفویض فرمادیں اور فرمایا کہ اس کو جمع کرو تاکہ آئندہ تمہاری شادی بیاہ میں رقم کام آئے جب نسبتوں کا قرار داد ہوا اور شادی کی تیاری شروع ہوئی تو حضرت نے بھائیوں سے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس اب تک کس قدر رقم جمع ہے لے آؤ تو ہر دو بھائیوں کے پاس سے سوائے قلیل رقم کے باقی کچھ نہ ملا پھر آپ نے اپنے پاس سے تمام رقم کا انتظام فرما کر شادی کی تیاری شروع فرمائی اور اس طرح تمام تقاریب عمدگی سے انجام پائے جیسے شفیق والدین کے زیر سایہ انجام پا سکتے تھے۔ شادی کے تھوڑے عرصہ بعد آپ نے ہر دو بھائیوں کے سپرد ان کا انتظام خانہ داری فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ جب آپ نے ان کے لئے علحدہ انتظام فرمایا تو اس پر ہر دو بھائی بہت مصر رہے کہ ہمارے لئے علحدہ انتظام کی ضرورت نہیں ہم آپ ہی کے زیر نگرانی جس طرح آج تک گزارتے رہے اب بھی گزارنا چاہتے ہیں لیکن آپ نے ہر دو کو سمجھا منا کر کہ ہماری خوشی ہے کہ ہم اپنے سامنے تمہاری گھر زندگی اور اپنے معاملات کو آپ سرانجام دیتے دیکھیں۔

ان واقعات کے دیکھنے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ کا سلوک

بھائیوں کے ساتھ کیسا مشفقانہ تھا۔

بھائیوں کا ادب لیکن اس جا یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کے بھائیوں کا ادب بھی آپ کے ساتھ ویسا ہی تھا جیسے سعادتمند بیٹے باپ کا کرتے ہیں۔ عام کہاوت "بڑا بھائی باپ واصل" کے ایک ایک حرف پر عمل تھا۔ غرض یہ تمام بھائی بھی حضرت کو والد ماجد ہی کی طرح سمجھتے رہے اور آپ کے ادب کا لحاظ اور تعمیل حکم اسی طرح کرتے تھے جیسے کہ والد کے ساتھ سعادت مند اولاد کرتی ہے بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ۔ یہاں ایک واقعہ کا اظہار نامناسب نہ ہوگا۔ مولانا شمس الدین صاحب صدیقی مصنف وظیفہ یاب بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت احمد خیر الدین صاحبؒ کے وعظ میں حضرت تشریف لائے اور آپ کے ساتھ آپ کے تینوں بھائی ایسے مؤدب تھے جیسے کہ والد کے ساتھ بیٹے رہا کرتے ہیں۔ تمام سامعین محفل وعظ کی نظریں انھیں حضرات کی جانب لگی ہوئی تھیں اور نگاہوں ہی میں تحسین و آفرین ہو رہی تھیں۔

بہن کے ساتھ برتاؤ حضرتؒ اپنی بہن سے بہت محبت فرماتے تھے بہن یا بہن کے بچوں میں کوئی بیمار ہو جاتا اور اس کی اطلاع آپ کو ملتی تو آپ فوراً خود تشریف لے جاتے زنانہ کو روانہ فرماتے علیٰ ہذا بہن بھی آپ کا بیحد ادب و احترام فرماتی تھیں اور آپ کے ساتھ ان کا بھی یہی طرز تھا کہ ہر ذرہ سی بات میں برابر حصہ لیتی تھیں۔

آپ کی بہن نے آپ کے سامنے انتقال فرمایا بوقت انتقال بہن کی اولاد میں دو صاحبزادے ایک صاحبزادی تھیں (جس کی تفصیل مختصر شجرہ خاندانی

سے جس کو ہم نے آگے نقل کیا ہے معلوم ہو سکتی ہے) ہمشیر نے بوقت انتقال اپنی اولاد کے متعلق آپ کو وصیت فرمائی تھی جس کا آپ کو اور آپ کے محل میں اس قدر خیال رہا کہ ہمیشہ ہمشیر کے بچوں کو اپنے بچوں کے برابر سمجھتے رہے۔ محل حضرت مولانا فضل مدظلہ بیان فرماتی ہیں کہ متعدد دفعہ ایسا ہوتا کہ آپ کے محل میں یعنی پیرانی بی صاحبہ (حضرت کے محل مبارک کو سب لوگ اسی نام سے پکارتے تھے) ہم کو کسی جا ساتھ لے جاتیں اور لوگ آپ سے دریافت کرتے کہ آپ کو کتنے بچے ہیں۔ تو آپ فرماتے کہ مجھ سے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں یعنے اپنے بچوں کے ساتھ دونوں بھانجوں اور ایک بھانجی کو بھی شامل فرما لیتی تھیں اور بھانجی بہو کے ساتھ بھی بالکل بیٹیوں کا سا سلوک رہتا۔ اجنبی لوگ یہ سمجھ نہ سکتے تھے کہ یہ بھانجی بہو ہے یا حقیقی بیٹی۔

حضرت سید شاہ اصغر حسینی چشتی علیہ الرحمۃ جانشین حضرت شاہ خاموش علیہ الرحمۃ (جو آپ کے بھانجے داماد ہوتے تھے)۔ بیان فرماتے کہ خوشدامن صاحبہ کے انتقال کے بعد سے حضرت نے میرے ساتھ بالکل ایسا ہی محبت کا برتاؤ فرمایا جیسا کہ حقیقی سسر داماد کے ساتھ رہتا ہے مہینوں مجھے معہ زنانہ بلا کر مہمان رکھتے عیدین میں برابر رسم ورواج کے مطابق سلوک فرماتے ہمیشہ ہر بات میں خیال رکھتے کبھی یہ محسوس ہونے نہیں دیا کہ ہماری خوش دامن صاحبہ کا انتقال ہو گیا ہے۔

سسرال و عام برادری کیساتھ طرز

آپ اپنے خسر و خوشدامن صاحبہ کا بیحد احترام فرماتے اور ہمیشہ ان کا خیال رکھتے برادران نسبتی یعنی حضرت مولانا سید غلام غوث صاحب شطاری و حضرت مولانا سید محمد علی صاحب شطاری

علیہما الرحمہ کے ساتھ بیحد محبت و مودت سے رہتے۔ اسی طرح ان حضرات کا بھی آپ کے ساتھ ایسا ہی طرز تھا۔ ہر دو برادران نسبتی کو آپ سے بیحد محبت تھی اور آپ کا احترام فرمایا کرتے تھے جس کا اندازہ قطعات تاریخی مندرجہ افکار غیب سے جو آپکے وصال کے بعد ان ہر دو برادران نسبتی نے تحریر فرمائے ہیں ہو سکتا ہے۔

حضرت کا عام اہل قرابت کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک تھا ہر ایک کے غم و مسرت میں برابر کا حصہ لیتے اور ان کے آڑے وقت کام آتے صلۂ رحم کا خیال ہمیشہ پیش نظر رہتا تھا۔

دارالشفا روالی بی بی سے ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک دفعہ راوی صاحبہ کے فرزند کا ایک مقدمہ عدالت دارالقضا ربلدہ میں دائر تھا۔ اس زمانہ میں مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم ناظم عدالت تھے چونکہ راوی صاحبہ علاوہ قرابت کے نسبت غلامی بھی رکھتے تھے۔ اور رات دن خدمت میں حاضر رہنے کی وجہ حضرت کی نظر عنایت بھی زیادہ تھی اس لئے ان کے فرزند مولوی ضیاء الدین صاحب نے حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کیا اور آپ سے استدعا کی کہ اگر حضرت ایک سفارشی رقعہ عنایت فرمائیں تو میرا کام نکل جائے گا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ نہیں! چلئے میں خود چل کر مفتی صاحب سے کہتا ہوں۔ اور ساتھ لئے مفتی صاحب کے پاس رونق افروز ہوئے۔ اولاً مفتی صاحب سے صاحب مقدمہ کا تعارف کرایا کہ آپ ان کو جانتے ہیں؟ یہ ہمارے اور آپ کے عزیز ہوتے ہیں ان سے یہ قرابت ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ "ان کا فلاں مقدمہ آپ کے اجلاس پر

ہے اور یہ حق بجانب ہیں اگر آپ ان کے موافق تصفیہ کر دیں تو آپ کے لئے باعث بھلائی ہوگا۔ ورنہ آپ نقصان اٹھائیں گے"۔ کہتے ہیں کہ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر بیحد متاثر ہوئے۔ کیونکہ حضرت سے علاوہ محبت کے عقیدت بھی رکھتے تھے۔ عدالت کو جاتے ہی مثل طلب کی اور فوراً تعمیل حکم کردی۔

عام طرز آپ کا عام طرز سب کے ساتھ یکساں تھا۔ ایک کا بہت خیال رکھتے، اہل محلہ، ملازمین، مریدین، متقدین سب سے خوش خلقی سے پیش آتے ان کی خوشی و غمی میں شریک ہوتے۔

عبدالحلیم صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ میرے حقیقی بھائی عبدالعظیم ناجی نے حضرت سے داخل سلسلہ ہونے کا معروضہ کیا تو آپ نے اجازت نہ دی مگر چونکہ وہ تیاری کر چکے تھے کھانا تیار ہوگیا تھا، پھول آچکے تھے، مجبوراً انہوں نے حضرت فیض الدین شاہ صاحبؒ سے (جن کا مزار اندرون فتح دروازہ واقع ہے) بیعت کی چند روز بعد عبدالعظیم صاحب کا انتقال ہوگیا تو میں نے اس خیال سے کہ ان کو حضرت سے تو بیعت نہیں ہے حضرت کو اطلاع نہ دی۔ صرف ان کے مرشد کے پاس اطلاع کرائی یکایک حضرت خود تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے بھائی کا انتقال ہوگیا اس لئے میں آیا ہوں۔

چونکہ غسل وغیرہ ابھی نہیں ہوا تھا اس لئے آپ ان کے مکان کے سامنے کی مسجد میں جس کو لیموں والی مسجد کہتے ہیں تشریف رکھے اور اپنے برادر حضرت مکی میاں صاحب قبلہ رح کو غسل دینے کا حکم دیا میت تیار کی گئی مسجد میں نماز کے لئے لائے اس عرصہ میں مرحوم کے مرشد حضرت فیض الدین شاہ صاحبؒ بھی آچکے تھے امامت

کے لئے مرحوم کے مرشد نے حضرت ہی کو بڑھایا۔ آپ ہی نے امامت کی اس کے بعد تھوڑی دور ساتھ چلے اور حضرت کی میاں صاحب قبلہ رح کو حکم دیا کہ قبر تک ساتھ جاؤ دفن کے بعد فاتحہ پڑھکر آنا کہ یہ میرا ہی مرید ہے۔

حضرت کو تنہائی بہت پسند تھی چیخ پکار سے نفرت رہتی کیوں کہ اس سے آپ کے خیال اور محویت میں فرق آتا تھا۔

اپنے کسی کام کے بگاڑے پر خفا ہونا یا کسی پر بلا وجہ بگڑنا یا خفا ہونا آپ کی عادت میں داخل نہ تھا۔ ہاں! کسی پر جبر و تعدی کی جاتی یا کسی سے خلاف احکام شریعت کوئی فعل سرزد ہوتا تو آپ فوراً ٹوک دیتے اور بعض اوقات خفا بھی ہو جاتے مگر خفگی کی حالت میں بھی زبان سے ناشایستہ الفاظ نکلتے ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة پر ہمیشہ خیال رہتا۔

آپ پاس کچھ نومسلم پروردہ لڑکے لڑکیاں بھی تھے ان پر بھی آپ کی نگاہ کرم رہتی ان کی بیحد ناز برداری فرماتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ پروردہ بچے بعض اوقات آپ کے ساتھ ناز بھری شوخی بھی کر جاتے تو آپ مسکرا کر خاموش ہو جاتے اگر کوئی توجہ بھی دلاتا تو فرماتے کہ ان کی ماں ہے نہ باپ! اب یہ ہمارے ساتھ ناز نہ کریں تو کس کے ساتھ کریں گے۔

ہمدردی وجود و سخا آپ فطرتاً ہمدرد و فیاض واقع ہوئے تھے ہر ایک کے ساتھ خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا ہمدردی فرماتے حتیٰ کہ جانوروں کا بھی خیال رکھتے تھے۔

ع‍ از زہرہ بی صاحبہ

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کبھی خاصہ کے لئے تشریف رکھتے اور روٹی تناول فرماتے۔ اگر بلی آواز دیتی تو آپ مسکرا کر اس سے مخاطب ہوکر فرماتے کیا بھوک لگی ہے۔ کھانا کھائے گی۔" اور اپنے سامنے سے روٹی کے ٹکڑے توڑ توڑ کر اس کو ڈالتے جاتے جب تک وہ کھاتی جاتی آپ ڈالتے جاتے۔ جب وہ کھیلنا شروع کرتی آپ روٹی ڈالنا موقوف فرماتے۔

عبداللہ خاں صاحب جوگلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت کے ایک خادم ابراہیم سالار نامی جوگل میں رہتے تھے بیچارے بہت کثیر العیال اور جزمعاش تھے بڑی تکلیف سے ان کی بسر ہوتی تھی۔ ایک دفعہ گاؤں سے آکر ایک عرصہ تک حضرت ہی کے پاس ٹھیرے رہے۔ گاؤں میں ان کے بیوی بچے سخت حیران و پریشان تھے ایک روز گاؤں سے ایک صاحب کے ذریعہ ان کی بی بی نے کہلوایا کہ ہم یہاں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں۔ اور آپ کو ہماری کچھ بھی خبر نہیں۔ آخر کب تک آپ وہاں ٹھیرے رہیں گے؟ جب یہ پیام انھیں پہونچایا گیا تو وہ بیحد برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ "میں کیا کروں اگر مرتے ہیں تو مرجانے دو کیا چوری کروں کہاں سے لاؤں؟" اس گفتگو کی آواز حضرت تک پہنچ گئی آپ فوراً اندر تشریف لے گئے اتفاقاً اسی روز کچھ تنخواہوں کی رقم آئی ہوئی تھی آپ نے سو یا پچاس روپیے لاکر انھیں سرفراز فرمائے۔ جب وہ رقم ان کو ملی تو وہ بہت متعجب ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میں اسے کیا کروں تو آپ نے فرمایا کہ یہ رقم لے جاؤ اور اپنے اہل و عیال کے لئے خورد و نوش کا انتظام کرو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سرما کا موسم تھا صبح کے وقت ایک روز حضرت

باہر شال اوڑھے تنہا آرام فرما رہے تھے گو آپ کی آنکھ نہ لگی تھی لیکن شال سر سے پیر تک اُوڑھے ہوئے خاموش لیٹے تھے جس سے دیکھنے والے کو نیند کا شبہ ہوتا تھا۔ اس مقام پر سوائے حضرت کے کوئی اور نہ تھا۔ اتفاقاً ایک چور آموجود ہوا جب حضرت کو تنہا آرام فرماتے دیکھا تو نزدیک آیا اور بہت دیر تک دیکھتا رہا اور آپ اسی طرح خاموش لیٹے رہے جب اس کو یقین ہوگیا کہ آپ نیند میں ہیں تو آہستہ سے شال پر ہاتھ بڑھایا اور اس کو کھینچنا شروع کیا۔ شال کا کچھ حصہ آپ کے جسم کے نیچے بھی دبا ہوا تھا آپ نے اس کو بھی آہستہ آہستہ چھوڑ دیا اور اسی طرح خاموش لیٹے رہے کہ اس کو بیداری کا شبہ بھی نہ ہوسکے۔ جب وہ تمام شال کھینچکر رخصت ہوا تو آپ وہاں سے اٹھکر اندر تشریف لائے۔ اور کسی سے اس کا ذکر بھی نہیں فرمایا جب بعض لوگوں نے آپ سے شال کے متعلق دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ آج ایک صاحب آئے تھے اور اس طرح لے گئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ کون تھا؟ اور آپ نے اسے کیوں چھوڑ دیا تو فرمانے لگے کہ اب اس کے نام و نشان کی کیا ضرورت ہے؟ نہیں معلوم اس بے چارہ کو ایسی کیا ضرورت درپیش تھی جو آیا تھا میں بھی اسی خیال سے انجان ہوگیا اور آنکھیں میچ لیں کہ وہ اطمینان سے لے جاسکے۔ سبحان اللہ ع

خالی گیا نہ چور بھی در سے حضور کے

اور ایک واقعہ بھی اسی طرح مروی ہے کہ حضرت باہر قالین پر آرام فرما رہے تھے۔ ایک چور آیا ادھر اُدھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ آپ آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹے تھے۔ خیال کیا کہ شاید آپ کی آنکھ لگ گئی ہے حالانکہ آپ بیدار ہی تھے۔

بہرحال تھوڑی دیر توقف کے بعد قالین کو کسی صورت آپ کے نیچے سے کھینچ لینے کی سوچی قالین کے ایک کونے کو آہستہ کھینچکر دیکھا جب آپ نے اس کی اس نیت کا اندازہ لگایا تو زور زور سے خراٹے لینے لگے تاکہ اسے اچھی طرح نیند کا یقین ہو جائے اس کے بعد ایک کروٹ اس طرح بدلی کہ قالین چھوڑ کر نیچے آگئے اور وہ قالین سمیٹ کر چلتا بنا۔ اس طرح متعدد طریقوں سے جود و کرم کا دریا بہا ہے۔

جناب شاہ شرف الدین صاحب قادری بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ چوک کو تشریف لے گئے ایک ضعیفہ کچھ پرانا سامان لئے بیٹھی تھی جس میں ایک تلوار بھی تھی حضرت نے اس تلوار کے دام پوچھے تو اس ضعیفہ نے پانچ یا سات آنے روپیے بیان کئے آپ نے تلوار اٹھا لی اور قیمت دے دی مکان تشریف لانے کے بعد آپ نے اپنے منجھلے برادر حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ کو تلوار دکھائی اور اس کے متعلق رائے دریافت فرمائی تو ممدوح نے عرض کیا کہ "حضرت اس کا پھل بہت اچھا ہے" آپ نے یہ تلوار کتنے میں لی" آپ نے دام فرمایا تو ممدوح نے عرض کیا کہ حضرت کو بہت سستی ملی ہے یہ کسی صورت بیس روپیے سے کم قیمت کی نہیں ہے آپ یہ سنکر خاموش ہو گئے اس کے بعد سے روزانہ تکملہ کی رقم لئے ہوئے چوک جاتے اور ہر ایک سے اس ضعیفہ کا پتہ دریافت فرماتے تاکہ وہ مل جائے تو اس کے تکملہ کی رقم اسے دی جائے ہر چند آپ نے دریافت کیا لیکن کہیں اسکا پتہ نہ چلا۔ جس شخص سے آپ پوچھتے یہی کہتا کہ نہیں معلوم وہ کون تھی کہاں رہتی ہے؟ کافی عرصہ کے بعد اتفاقاً ایک روز وہ ضعیفہ پھر اسی طرح کچھ سامان لئے نظر آئی آپ نے فوراً اس کے نزدیک پہنچکر دریافت فرمایا کہ تم ہی نے مجھے تلوار

بیچی تھی وہ ضعیفہ گھبرائی کیونکہ اس کے خیال میں وہ تلوار جس قیمت میں بیچی گئی تھی اس قدر مالیت کی نہ تھی اس ضعیفہ نے خیال کیا کہ شائد وہ تلوار حضرت واپس فرمانا چاہتے ہیں۔ اس نے اس خیال سے گھبرا کر عرض کیا کہ میں نے دام کہے اور آپ نے تلوار لے لی اب میرے پاس رقم بھی خرچ ہوگئی آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں وہ تمہاری تلوار بہت اچھی ہے اس نے پھر اسی طرح پریشان ہوکر جواب دیا کہ اگر اچھی ہے تو ہے خراب ہے تو ہے اب آپ لے چکے ہیں آپنے پھر اسکو تسلی دی اور فرمایا کہ میں واپس کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے جس قیمت میں کہ تم نے میرے ہاتھ بیچی ہے یہ اس کے تکملہ کی رقم ہے لو۔ تم ناواقف تھیں تمھیں علم نہ تھا کہ وہ کس مالیت کی ہے تم نے اپنا نقصان کیا ہے جب حضرت نے اسے اور رقم عطا فرمائی تو وہ مسرت سے پھولوں نہ سمائی اور حیرت واستعجاب سے کہ دنیا میں ایسے بھی خاصان خدا ہیں دعائیں دینے لگی۔ اس کے بعد حضرت وہاں سے واپس تشریف فرما ہوئے۔ سبحان اللہ ؎

جود محتاج گدایان ضعاف ہمچو خوباں آئینہ جوید صاف

آپ بہت رحم دل و کریم النفس تھے کوئی کیسا ہی قصور

رحم و کرم

کیوں نہ کرے آپ اس کو معاف فرمادیا کرتے۔

بیان[عـــہ] کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ پتھر گٹی کے راستے سے تشریف لارہے ہیں آپ کی عادت شریف تھی کہ راستہ چلتے تو بازو بازو سے چلتے چنانچہ حسب عادت آپ کنارے کنارے تشریف لارہے تھے۔ جسم مبارک پر چوغلہ

[عـــہ] از جناب شاہ شرف الدین صاحب قادری۔

سر پر ٹوپی، ہاتھ میں چھوٹی سی تسبیح، کپڑے قدرے میلے تھے۔ اتفاقاً آپ کے پیچھے سے ایک حمال اناج کا تھیلہ سر پر اٹھائے آ رہا تھا آپ کے لباس وضع و قطع سے اس نے آپ کو معمولی آدمی تصور کیا پھر تو اس کو مذاق سوجھا۔ آپ کے قریب ہوا تو آپ بازو ہٹ گئے وہ اور قریب ہوا تو آپ اور ہٹے۔ یہاں تک کہ راستہ کے بالکل کنارے چلنے لگے اس کے باوجود بھی اس نے قریب ہوتے ہوتے اس قدر زور سے ایک ٹکر دی کہ اس ٹکّر سے آپ سنبھل نہ سکے اور قدم مبارک لغزش کر گئے آپ زمین پر گر پڑے۔ چونکہ اس وقت پانی کا چھڑکاؤ ہوا تھا زمین پر کیچڑ بھی تھا آپ کے تمام کپڑے کیچڑ میں بھر گئے کلاہ مبارک ایک طرف جا گری آپ نے ٹوپی لی اور کپڑے جھٹکتے ہوئے اس کو ایک لفظ فرمائے بغیر تشریف لے چلے۔ راستہ والے دوکاندار، یہ دیکھ کر دوڑے ہوئے آئے اور اس مزدور کو پکڑ کر ماریپٹ کی ٹھانی کوئی کہتا تھا کہ نالائق تو نے ان کو کیا سمجھا جو ایسی گستاخی کی؟ کوئی کچھ اور کوئی کچھ کہنے لگا۔ جب اس شور و شغب کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچی تو آپ فوراً پلٹے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اس کا کوئی قصور نہیں وہ بیچارہ مجبور تھا کہ اس کے سر پر وزن تھا، قصوروار تو میں ہوں مجھے کنارے ہٹ کر چلنا چاہئے تھا۔ آپ لوگ بجائے میرے اس کو کیوں ڈانٹ رہے ہیں؟ لوگوں نے ہر چند عرض کی کہ نہیں حضرت سب اس کی شرارت ہے ہم جب سے دیکھ رہے تھے کہ وہ آپ کے ساتھ شرارت کئے جا رہا تھا۔ ہم آج اس کو سزا دیں گے۔ آپ اس میں کچھ نہ فرمائیے لیکن آپ نے سب کو سمجھا بجھا کر اس مزدور کو چھڑوا لیا اور اپنے سامنے اس کو رخصت کر کے مکان تشریف لائے

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے پاس کا ایک چھوکرا افضل نامی جوان تھا بچپن سے آپ پاس ہی رہتا گھر کے کام کاج کیا کرتا تھا۔ "وہ جوانی دیوانی" مثل ہی مشہور ہے آوارہ صحبتوں میں قابو سے باہر ہو گیا۔ ایک دفعہ حضرت کے تنخواہوں کی رقم آئی ہوئی قلمدان میں رکھی تھی چونکہ گھر کا بچہ تھا تمام باتوں سے واقف تھا کہ کونسی چیز کہاں رکھی جاتی ہے آپ کے غیاب میں موقع پا کر اس قلمدان کے ایک خانہ کو جس میں رقم رکھی ہوئی تھی اٹھا لے گیا۔ جب حضرت باہر سے تشریف لائے اور کسی ضرورت کے تحت قلمدان کو دیکھا تو رقم نہ پائی دریافت کیا تو کچھ پتا نہ چلا۔ تمام گھر میں ہل چل مچ گئی کہ کون آیا تھا؟ رقم کس نے لی؟ لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ حضرت تو صرف ایک دفعہ دریافت فرما کر خاموش ہو رہے۔ مگر آپ کے تمام خادمین کو اسی کی کھوج اور تلاش رہی اور وہ چھوکرا جو رقم لے کر چلتا بنا تو پھر صورت ہی نہیں دکھائی سب کو اسی کی جانب شبہ ہوا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ آج دو تین روز سے جلسہ بازی میں مصروف ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا پتہ چلایا اور گرفتار بھی کر لیا بہت ساری رقم صرف ہو چکی ہے۔ اور اب بالکل تھوڑی سی باقی ہے۔ حضرت کے منجھلے برادر حضرت احمد علیشاہ صاحب قبلہ نے اس کو سپرد پولیس کرنے کی تجویز کی جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ بے حد خفا ہوئے۔ اور اپنے بھائی سے فرمایا کہ خبردار! ایسی حرکت نہ کرنا اگر اس نے کچھ رقم لی بھی تو میرے پاس سے لی تمکو اس کی کیا پڑی ہے البتہ اس کے پاس جس قدر رقم اب موجود ہے لے لو اور اس کو چھوڑ دو۔ حسب الحکم جس قدر رقم اسکے پاس موجود تھی لیکر اسے چھوڑ دیا

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کے پاس قدیم سے ایک ہندو خیاط آیا کرتا تھا آپ اپنے اکثر ملبوسات کی سلوائی کا کام اسی سے لیا کرتے اکثر ایسا ہوتا کہ بازار سے

کپڑا خرید کر لاتے اور اس کے حوالہ کر دیتے کہ اس کے چوبغلے یا پاجامے سی کر لائے وہ اس کپڑے کو لے جاتا اور من مانے سی کر لا دیتا کبھی آپ نے اس سے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ اس کپڑے میں اتنے چوبغلے یا پاجامے ہوتے تھے اور تو نے اتنے کم کیسے سئے بلکہ وہ جس قدر لاتا لے لیتے۔

مولانا شرف الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نے بازار سے خرید کر ایک ململ کا تھان اس خیاط کو چوبغلے سینے کے لئے دیا وہ اس تھان کو لے گیا اور تین چوبغلے سی کر لا دیئے اتفاقاً اس روز حضرت کے برادر حضرت مکی میاں صاحبؒ بھی موجود تھے۔ جب وہ چوبغلے لایا تو برادر موصوف نے دریافت کیا کہ حضرت نے کتنا کپڑا دیا تھا ارشاد ہوا کہ ایک تھان دیا تھا صاحب موصوفؒ نے عرض کیا کہ حضرت تھان میں چھ چوبغلے ہوتے ہیں۔ وہ صرف تین سی کر لایا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ تو دو ہی لاتا تھا برادر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس نے کپڑا غائب کر دیا ہے اس سے باز پرس کرنی چاہئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں! رہنے دو اور بغیر ایک لفظ فرمائے اس کو اجرت دے کر رخصت فرما دیا اور اس کے بعد بھی ہر وقت اسی سے کام لیتے رہے۔ اور وہ اسی طرح کرتا مگر کبھی آپ نے اس سے استفسار تک نہیں فرمایا۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ وہ تھان میں چار چوبغلے تیار کر کے لاتا آپ فرماتے کہ یہ چار کیسے؟ خیاط عرض کرتا کہ حضرت یہ تھان بڑا تھا (حالانکہ تھان اتنا ہی ہوتا ہے) یہ جواب سنتے اور مسکرا کر آپ خاموش ہو جاتے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس قدیم سے ایک ہندو اصلاح ساز

آیا کرتا تھا جو اپنے فن کے اعتبار کرتے کچھ زیادہ واقف بھی نہ تھا مگر حضرت کی اس پر نظر عنایت بھی اس کا یہ حال تھا کہ جس وقت جی چاہتا آتا کوئی وقت مقرر نہ ہوتا اکثر دوپہر میں آتا جس کی وجہ سے سبھوں نے اس کا نام ہی دوپہری رکھدیا تھا چونکہ وہ عرصہ سے آتا تھا اور حضرت کی عنایت بھی تھی۔ اس لئے شوخ ہوگیا تھا جب کبھی آتا تو حضرت سے عرض کرتا کہ "میاں اصلاح بنوائیے" بعض وقت حضرت فرماتے کہ "اس وقت میں کام میں ہوں پھر آ" پھر وہ عرض کرتا کہ "نہیں میاں بنوا لیجئے" پھر حضرت فرماتے کہ "نہیں پھر آ" پھر وہ اسی طرح عرض کرتا کہ "نہیں میاں بنوا لیجئے" اس کے اس بیجا اصرار پر خادمین کو برا معلوم ہوتا لیکن آپ کبھی خفا نہ ہوتے بلکہ "کیا تنگ کرتا ہے بھئی" فرماتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اصلاح بنواتے وقت کبھی آئینہ بھی ملاحظہ نہ فرماتے بس صرف تشریف رکھتے اس کے جس طرح جی میں آتا بال کترتا مگر آپ ایک لفظ بھی نہ فرمایا کرتے۔ جب وہ عرض کرتا کہ جی اصلاح ختم ہوگئی تو آپ اٹھ جاتے۔

نوٹ: یہ اصلاح ساز حضرت کے وصال کے بعد بھی عرصہ دراز تک رہا جس کو ہم نے بھی دیکھا ہے جب کبھی حضرت کا ذکر مبارک آتا تو اس کے آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بیان کرتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھے ایک رومال سرفراز فرمایا تھا۔ جس کو میں نے احتیاط سے اٹھا رکھا ہے اور اپنے اہل وعیال کو وصیت کی ہے کہ جب میں مر جاؤں تو اس رومال کو میرے سینے پر رکھدینا تاکہ میری نجات کا باعث ہو بعض حضرات نے اس رومال کی خبر سنکر اس سے مطالبہ کیا کہ اگر تو وہ رومال ہم کو دیدے تو ہم تجھکو اتنے روپے دیتے ہیں مگر اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ خوش قسمتی سے مجھے یہ چیز ملی ہے میں کسی قیمت میں اس کو دینا نہیں چاہتا۔

مدح وستائش سے تنفر

آپ کو ستائش سے اس قدر تنفر تھا کہ اگر کوئی شخص آپ کی تعریف کرتا تو آپ کو ناگوار گزرتا آپ کے چھوٹے بھائی حضرت سید عمر صاحب قبلہ رح مکہ مسجد میں بعد نماز جمعہ قرآن مجید کے ایک رکوع کی تفسیر بیان فرماتے تھے اور وعظ میں اکثر آپ بھی تشریف فرماتے بسا اوقات ممبر کے پیچھے چپکے سے جا کر بیٹھ جاتے اکثر ایسا ہوتا کہ جوں ہی آپ تشریف لے جاتے محفل میں ایک کیف پیدا ہو جاتا اسی طرح ایک دفعہ حسب عادت آپ چپکے سے جا کر ممبر کے پیچھے تشریف فرما ہوئے اور حضرت کے برادر موصوف کی نظر پڑ گئی ممدوح پر وجدانی کیفیت طاری ہوئی اور اثنائے وعظ میں موصوف نے آپ کی طرف اشارہ کر کے آپ کی تعریف شروع کر دی کہ میرا پیر ایسا زبردست ہے ایسی شان والا ہے کسی کو چشم بصیرت ہو تو دیکھے ادھر موصوف نے آپ کی مدحت سرائی شروع کی ادھر آپ کا چہرۂ مبارک غضب آلود ہوا۔ ایک رنگ آتا ایک رنگ جاتا تھا حتی کہ وعظ ختم ہوا محفل برخواست ہوئی حضرت سید عمر صاحب قبلہ رح نے جوں ہی آ کر قدم بوسی حاصل کی آپ خفا ہونے لگے کہ آج تم کو یہ کیا سوجھی کہ اسطرح ممبر پر میری تعریف شروع کر دی۔ برادر صاحب موصوف گھبرا کر معافی کے خواہاں ہوئے جس کے بعد ارشاد ہوا کہ بس آج سے مکہ مسجد کا وعظ موقوف کر دو اور ہماری مسجد یعنے مسجد النور قاضی پورہ ہی میں بعد نماز جمعہ وعظ کیا کرو۔ چنانچہ اس تاریخ سے پھر آپ کے وصال تک مسجد النور ہی میں وعظ ہوتا رہا جب حضرت نے اس عالم سے پردہ فرمایا تو پھر مکہ مسجد میں وعظ شروع ہوا

کبر ونخوت سے نفرت

آپ کو ہر اس کام سے جس سے کبر و نخوت کا اظہار ہوتا تنفر تھا اور جن لوگوں کو اپنی شان و تمکنت کا خیال رہتا آپ انسے

ملنے سے بھی پرہیز فرمایا کرتے تھے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اپنے والد ماجد کا عرس شریف ابتدا میں رسم و رواج زمانہ کے مطابق فرماتے تھے۔ رقعات بھی تقسیم ہوتے، دوست احباب اہل قرابت مدعو کئے جاتے ایک دفعہ اسی عرس کی تقریب میں ایک مولوی صاحب بھی مدعو تھے جو آپ کے بچپن کے ساتھی تھے دسترخوان تیار ہوا۔ آپ سب کو کھانے کیلئے لے گئے حضرت کی عادت شریف تھی کہ آپ دروازہ پر انتظام کرنے اور لوگوں کو دیکھ دیکھ کر چھوڑنے کو بُرا خیال فرماتے تھے اور اس قسم کے انتظام سے ہمیشہ منع فرمایا کرتے۔ اسی وجہ سے جو غربا آجاتے وہ حضرت کے دروازہ پر تشریف لانے کے منتظر رہتے تاکہ مقام طعام پر بسہولت پہنچ جائیں چنانچہ اس روز بھی حسب عادت آپنے دروازہ پر جس قدر غریب لوگ بے دعوتی کھڑے تھے ان کو چھوڑدیا ان مولوی صاحب کے بازو ایک غریب معمولی آدمی کو جگہ ملی جس کے جسم پر لباس بھی صاف نہ تھا یہ امر مولوی صاحب کو بہت ناگوار گزرا ناگواری میں جلد جلد تھوڑا کھا کر اٹھے اور بعض لوگوں سے کہا کہ اگر عمدگی سے انتظام نہیں ہوسکتا ہے تو کسی کو دعوت ہی نہ دینی چاہئے، جب یہ روایت حضرت کے کانوں تک پہنچی تو آپنے فرمایا کہ انھوں نے بالکل سچ کہا بے شک آج سے ہم کسی کو دعوت نہ دیں گے چنانچہ اس تاریخ سے پھر آپ نے اعراس میں دعوت کا طریقہ ہی مسدود فرما دیا۔ آج تک بھی اسی تقلید میں آپ کے سلسلے کے اکثر گھرانوں میں اعراس کے موقع پر دعوتی رقعات کی تقسیم بالکل موقوف ہے جو چاہے آئے اور جو چاہے کھائے اب ان تقاریب کے کے مواقع پر وہی اصحاب آتے ہیں جن کو خلوص و محبت ہے ان کو نہ آؤ بھگت کا

خیال رہتا ہے نہ عدم توجہ کی شکایت۔

استغنار حضرت میں شانِ استغنا رہت تھی امرار و حکام وغیرہ سے میل جول بھی پسند نہ فرماتے امراء غلام قدمبوسی کے آرزو مند رہتے بہت کم ان کی یہ آرزو پوری ہوتی متعدد دفعہ دعوت کے رقعے روانہ کرتے لیکن آپ اکثر تشریف نہ لے جاتے، دولت خانہ پر حاضر ہونے کی استدعا کرتے تو اجازت نہ ملتی اس سے پیشتر آپ کے حلیہ و لباس مبارک کے باب میں نواب سر خورشید جاہ مرحوم کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔

حضرت قبلہ گاہی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ صحن مسجد میں چار بجے تشریف فرما تھے، نواب صفدر یار جنگ سرکردۂ پولیس بلدہ حاضر ہوئے اور جوتا اتار کر مسجد میں داخل ہونا چاہا حضرت نے اپنی کلاہ مبارک ٹیڑھی کر لی اور پیر لانبے فرما دیئے اور ان کی طرف ملاحظہ فرماتے ارشاد فرمایا کہ "ہم بلکے میاں کے نوکر ہیں کسی سے ڈرتے نہیں" اس ارشاد کے ساتھ ہی سرکردہ صاحب موصوف پر ایسا اثر ہوا کہ اتارا ہوا جوتا پھر پہن اور مسجد میں داخل ہونے کے ارادہ کو فسخ کر کے واپس چلے گئے مگر یہ راز کھل نہ سکا کہ اُن کی آمد کس غرض کے تحت تھی اور حضرت کا یہ ارشاد کس بنا پر تھا؟ لیکن آثار سے یہ پایا جاتا تھا کہ غالباً وہ سرکاری کچھ پیام لے کر حاضر ہوئے تھے۔

جب حضرت نے اس عالم سے پردہ فرمایا تو سرکردہ صاحب موصوف پچھاڑیں کھا کھا کر رو رہے تھے اور کہتے تھے کہ ہائے! میں نے بڑی غلطی کی جو ایسی زبردست ہستی کو کھو دیا اور کچھ حاصل نہ کیا۔

حضرت قبلہ گاہی مدظلہ' بیان فرماتے ہیں کہ آپ کو علاقہ نواب سرخورشید مرحوم سے مبلغ (مو عسہ) روپیہ سکہ عثمانیہ ماہوار ملا کرتے تھے اور نواب موصوف کے اسٹیٹ کا نقیب خود مکان پر تنخواہ لاکر پہنچا دیا کرتا تھا ایک دفعہ آپ مراقبہ میں تھے کہ نواب صاحب موصوف کا نقیب ماہوار لے کر حاضر ہوا حضرت کو مراقب دیکھکر کچھ دیر انتظار کیا اتفاقاً اس روز خادمین میں سے بھی کوئی حاضر نہ تھا اس لئے کچھ دیر انتظار کے بعد وہ آگے بڑھا اور آپ کو پہلے آواز دی بعد از اں ہاتھ سے ملا کر اپنی طرف متوجہ کیا اس وقت اس کی اس حرکت سے آپ بہت ناراض ہوئے کیونکہ آپ کی کیفیت میں اس کی وجہ فرق آگیا۔ اور نہ معلوم کہ اس وقت کن واقعات کا انکشاف ہو رہا تھا۔ آپ نے اس سے سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ ماہوار لے کر حاضر ہوا ہوں لے لیجئے ۔ آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ میں تمہارے نواب کا ملازم نہیں ہوں ماہوار واپس لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اس ملازم نے واپس جاکر ماہوار واپس کرتے ہوئے خزانہ پر تمام واقعات کا اظہار کیا خزانہ سے نواب صاحب کے پاس عرض کیا گیا۔ نواب صاحب بہت پریشان ہوئے کہ نہیں معلوم کہ حضرت کے اس عتاب کی وجہ سے کیا آفت آئے۔ آخر نواب صاحب نے مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کو بلوایا اور ان کے ذریعہ حضرت کے پاس معافی کہلوائی اور عرض کیا گیا کہ آپ ماہوار کو قبول فرمائیں مفتی صاحب نے ہر چند عرض کیا لیکن آپ نے آئندہ ماہوار لینے سے قطعاً انکار ہی فرما دیا بالآخر مجبور ہو کر مفتی صاحب موصوف نے وہ ماہوار نواب صاحب کے پاس سے منگوا کر اپنے پاس جمع کرنا شروع کیا تا کہ کسی ضرورت کے وقت ترکیب سے اس کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا جاسکے مگر مفتی صاحب کو آپ کے

وصال تک اس کا موقع نہ مل سکا۔ جب حضرت کا وصال ہوا تو انہوں نے اس ماہوار کی مجتمعہ رقم کو حضرت کے محل محترم کی خدمت میں پیش فرمادیا اور کوشش کر کے اس جائداد کو آپ کے چھوٹے صاحبزادہ حضرت سید محمد باقر حسینی صاحب کے نام جاری کر دیا جو آج تک جاری ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ العالی بیان فرماتے ہیں کہ ایک پیر بہن جن کو آپ کے والد ماجد قدس سرہٗ سے بیعت تھی اور جو حضرت کرامت شاہ دولہ علیہ الرحمۃ کی بی بی تھیں۔ ان کے نام حضرت کرامت شاہ دولہؒ کے عود و گل سے متعلق ماہانہ (صہ) اور عرس کے لئے سالانہ (سماصہ) سرکار سے ملا کرتے تھے اور ان کو کوئی اولاد بھی نہ تھی (اس زمانہ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ معاشدار اپنی معاش کو کسی بھی عزیز وغیرہ کے نام اپنی زندگی میں عوض روبرو کروا سکتا تھا اور شاہان سلف بلحاظ پرورش اس قسم کی منظوریاں عطا فرمادیا کرتے)۔

ان بی بی کا کچھ محلات شاہی سے بھی تعلق تھا۔ اس لئے انہوں نے ایک دفعہ حضرت سے معروضہ کیا کہ "مجھے کوئی اولاد نہیں اس لئے میرا ارادہ ہے کہ اس معاش کو آپ کے نام منتقل کروا دوں حضرت اس کی اجازت مرحمت فرمائیں" اسکے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ میں اپنے والد ماجد کا جانشین ہوں اب کسی اور کا جانشین نہیں ہو سکتا البتہ اگر تم اس طرح کرنا چاہتی ہو تو اس معاش کو منجھلے میاں (حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ) کے نام جاری کروا دو کیونکہ وہ مفتی صاحب کے داماد ہونے والے ہیں انھیں اس کی ضرورت ہے۔ مخفی مباد کہ اس وقت حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ کی حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کی صاحبزادی سے

نسبت تھی حضرت موصوف کی آمدنی کم تھی اور مفتی صاحب مرحوم کے پاس امیرانہ شان و شوکت) بالآخر ویسا ہی ہوا کہ وہ معاش حضرت کے حکم کے تحت حضرت امجد علی شاہ صاحبؒ کے نام جاری ہوئی جو آج تک ان کے خاندان میں چلی آ رہی ہے، سبحان اللہ لوگ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے معاشوں کے حصول میں ممکنہ جدوجہد کرتے اور قسم قسم کے اثرات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بہر صورت معاش ہاتھ آ جائے لیکن حضرت کا یہ حال تھا کہ ازخود بلا کسی خواہش کے بھی معاش پیش کی جاتی ہے تو آپ انکار فرما دیتے ہیں۔

اسی طرح مال و متاع سے متعلق بھی حضرت کا یہی حال تھا چنانچہ حضرت قبلہ گاہی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت کے ایک خادم کا (جو خاندان شاہی سے تعلق رکھتے تھے) انتقال ہو گیا جو بہت مالدار تھے ان کے انتقال کے بعد حسب طریقۂ قدیم مرحوم کا سامان ایک فہرست کے ساتھ بغرض ایصال ثواب حضرت کی خدمت میں روانہ کیا گیا (قدیم زمانہ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب کسی مرید کا انتقال ہو جاتا تو اس کے روزمرہ کے ضروریات کا سامان بغرض ایصال ثواب مرشدین کے پاس روانہ کیا جاتا مرشدین اس سامان سے اکثر غریب و اجب الرحم اشخاص کی امداد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ہمارے چشم دید واقعات ہیں کہ اس قسم کے سامان سے بہت سی ایسی غریب لڑکیوں کی جن کے والدین مفلوک الحال تھے یا جن کا کوئی سرپرست نہ تھا شادی کا انتظام ہوا ہے۔ بہرحال ایصال ثواب کا یہ ایک بہترین طریقہ تصور کیا جاتا تھا) مؤلف۔

ان صاحب کے روانہ شدہ سامان کا اندازہ ہزاروں کا کیا جاتا ہے جب

سامان آیا تو ساتھ کے ملازمین نے فہرست حضرت کے دستخط کے لئے پیش کی آپ نے فرمایا کہ یہ سامان میں لینا نہیں چاہتا کیونکہ یہ ورثار کا حق ہے لہذا واپس لے جاؤ۔ اس جواب سے لانے والے ملازمین پریشان ہو گئے کیونکہ میت کا سامان لے جانے کے بعد پھر واپس لانا شگون بد سمجھا جاتا تھا۔ اور اس زمانہ میں توہم پرستی زیادہ تھی، دوسرے معاملہ امرار کا، اس لئے جب ان ملازمین نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب میں ایک بات نہیں سن سکتا اٹھاؤ اور فوراً لے جاؤ اس کے بعد اور دوسرے لوگوں نے بھی معروضہ کیا کہ حضرت اس کو قبول فرمانا لیکن آپ نے کسی کی نہ سنی۔ اور تمام سامان واپس فرما دیا۔

حضرت کی شان استغنار سے متعلق ایک اور واقعہ حضرت قبلہ مدظلہ، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک میستری سے ملاقات ہوئی جو گتہ داری کرتا اور بڑا مالدار تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کے والد ماجد کا نام؟ تو میں نے حضرت کا اسم گرامی لیا اس نام مبارک کے سنتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے کہنے لگا کہ حضرت کا مکان میرے ہی ہاتھ سے تیار ہوا ہے۔ اس وقت میں اوڑ تھا یوں تو میں نے بہت سے نوابوں، جاگیرداروں کے پاس کام کیا ہے لیکن ایسی استغنا کی شان کسی میں نہیں دیکھی جیسی کہ حضرت میں تھی۔ مزدوروں کو لانا، تعمیر سے متعلق ضروری سامان کا مہیا کرنا، یہ سب کچھ حضرت نے میرے ہی سپرد فرمایا تھا۔ میں جب کبھی جا کر عرض کرتا کہ فلاں چیز ختم ہو گئی اس کے لئے اس قدر رقم کی ضرورت ہے یا آج کے مزدوروں کو اتنی مزدوری دینی ہے تو حضرت بلا کسی مزید استفسار کے فوراً اتنی ہی رقم دیدیا کرتے کبھی آپ نے یہ دریافت

نہیں فرمایا کہ آج کتنے مزدوروں نے کام کیا ؟ یا فلاں چیز اس قدر جلد کیسے ختم ہو گئی ؟ وغیرہ ۔

ہم بالکل اسی طرح بے تکلف کام کیا کرتے تھے جیسے کہ اپنے گھر کا کام ہے حضرت ہی کی دعا کی برکت ہے کہ آج میں معمولی اوڑسے میستری بنا اور میستریوں میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہوں ۔

عجز و انکسار آپ کی طبیعت میں عجز و انکسار بہت تھا ۔ ہر ایک کے ساتھ بہت انکسار سے ملاقات فرماتے اور اپنے آپ کو ایک معمولی آدمی سے زیادہ ظاہر ہونے نہ دیتے ۔

آپ نماز جمعہ اکثر اپنے مکان کی مسجد میں ادا فرماتے اگرچہ حنابلہ کے پاس نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد کی شرط ہے لیکن اس زمانہ میں جامع مسجد (محلہ مسجد) میں جمعہ کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا جیسا کہ اس زمانہ میں ہے اس لئے آپ مکان ہی کی مسجد میں نماز جمعہ ادا فرمایا کرتے تھے ۔ ابتدائی زمانہ میں امامت بھی خود ہی فرمایا کرتے اور اس قدر پر اثر خطبہ ادا فرماتے کہ سامعین میں غیر معمولی رقت پیدا ہوتی مگر آخر زمانہ میں آپ اکثر امامت نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے بھائیوں میں سے کسی کو نماز پڑھانے کا حکم فرما دیا کرتے ۔ ایک دفعہ نماز جمعہ کے لئے بہت دیر تک آپ کا انتظار رہا جب آپ رونق افروز نہ ہوئے تو بھائیوں میں سے ایک صاحب نے خطبہ ادا فرما کر نماز پڑھائی جب نماز ختم ہوئی تو سب کے پیچھے آپ بھی نماز ادا فرما رہے تھے اور آپ کے سر کے بال گیلے تھے معلوم ہوتا تھا کہ حمام سے فارغ ہونے کے بعد بال سکھائے بھی نہیں گئے جسم مبارک پر جو پیرہن تھا وہ

بعض مقام پر بیٹھا ہوا تھا۔ سبھوں نے عرض کیا کہ پیر و مرشد! آپ کی تشریف آوری کا ہم کو علم ہی نہ ہو سکا آج آپ اس طرح ہم سب کے پیچھے کیوں رونق افروز رہے؟ تو آپ کے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے فرمایا بھائی! میں بہت گنہ گار ہوں آج اس لئے تم سب کے پیچھے چپکے سے آکر نماز ادا کی کہ شائد تم سب کے طفیل سے خداوند عالم مجھ پر بھی کچھ فضل فرمادے۔ سبحان اللہ کیا انکسار کیسا عجز ہے ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

خداوند عالم کا محبوب جن کے دامن سے لپٹ کر سینکڑوں نے نجات پائی جن کا وسیلہ لے کر ہزاروں نے عتاب الٰہی سے چھٹکارا پایا جن کے صدقہ میں لاکھوں دامن گل مقصود سے پر ہوئے اس ذات مقدس کے خوف کا یہ عالم ہے فرماتے ہیں کہ "شائد تم سب کے طفیل سے خداوند عالم مجھ پر بھی کچھ فضل فرمادے" اس جا حضرت ہی کا ایک شعر نقل کیا جاتا ہے جس سے آپ کے خوف الٰہی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ؎

اے خلق سب کو ڈر ہے نیستاں میں شیر کا
ڈر مجھ گنہگار کو ہے بال بال میں

تکلفات و رسوم سے بیزاری

آپ کو سادگی بہت پسند تھی بیجا تکلفات کو پسند نہ فرماتے تھے رسوم سے سخت کراہیت تھی۔ حضرت قبلہ گاہی بیان فرماتے ہیں کہ میری چھ یا سات سال کی عمر تھی، رمضان شریف کا مہینہ آیا سحر کے وقت اکثر میں اٹھتا اور سب کے ساتھ سحری کھاتا صبح کہتا میں بھی روزہ دار ہوں کھانے کے لئے مجھ سے بہت کچھ کہا جاتا مگر میں روزہ رکھنے پر مصر رہتا۔ اسیطرح

کئی دفعہ گیارہ بارہ بجے دن تک میں نے کچھ نہ کھایا لیکن اس کے بعد
سمجھا منا کر مجھے کھلا دیا گیا ایک روز اسی طرح میں نے حسب عادت سحر کے بعد تقریباً
نصف دن گزار دیا آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا تو میں نے عرض کی کہ جی! میں
روزہ ہوں تو آپ مسکرا کر خاموش ہو گئے اور حضرت والدہ صاحبہ قبلہؒ سے فرمایا
کہ اچھا افطار کی تیاری کرو، والدہ صاحبہ نے ہرچند کہا کہ یہ روزہ کیسا؟ نہ کچھ
لباس بنایا گیا نہ اور کسی قسم کی تیاری کی گئی نہ کسی کو اطلاع دی گئی (کیونکہ یہاں
کے رسم و رواج کے مطابق روزہ کشائی کے موقع پر قریبی رشتہ دار مدعو کیے جاتے
ہیں اور روزہ دار بچہ کے لئے نئے کپڑے بنائے جاتے ہیں) ایسا ہی ہے تو پھر
آئندہ کسی روز روزہ رکھایا جا سکتا ہے لیکن آپ نے کسی کی ایک نہ سنی اور فرمایا کہ
"سب ہو جائیگا" افطار تیار کرواؤ، مجھے ساتھ لیجا کر چوک سے کچھ کپڑا خرید
فرمایا فوراً ایک جوڑہ تیار کرایا گیا اور نہایت سادگی سے روزہ کشائی کی تقریب
انجام پائی جس کا علم قریب وقت افطار تک آپ کے تینوں بھائیوں کو بھی نہ ہو سکا
بیان کیا جاتا ہے کہ تقاریب کے مواقع پر خصوصاً کے ساتھ کہ عام رسم
کے مطابق باجا نوازی کو بھی آپ پسند نہ فرماتے بلکہ منع فرماتے اور فرماتے کہ شادی
کے موقع پر اعلنوا بالدفوف کا حکم ہے اس لئے دولہا کے ساتھ اگر باجا رکھا جائے
تو درست اس کے علاوہ باجے کا استعمال درست نہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس تقاریب
کے موقع پر خویش و اقارب کے ہاتھ میں روپے رکھنے کے عام رواج کو بھی آپ
ناپسند فرماتے اور اپنے پاس کی کسی تقریب میں کسی کو اس طرح ہاتھ میں روپے رکھنے کی اجازت
نہ دیتے اور خود بھی اس طرح عمل نہ فرماتے تھے اکثر فرماتے کہ یہ ایک مہمل رواج

پڑ گیا ہے جس کی وجہ سے کبھی بعضوں کو سخت ندامت بھی ہوتی ہے کیونکہ ہر شخص اپنے حسب استطاعت سلوک کرتا ہے ایسی صورت میں مالدار کے مقابل میں غریب کو سخت بار گزرتا ہے کہ ہم اس کے برابر سلوک نہ کر سکے۔ چنانچہ آج تک آپ کے گھر میں یہ بھی رواج ہے کہ کسی تقریب کے موقع پر آپ کے گھر کے لوگ نہ خود اس طرح کسی کو دیتے ہیں نہ دوسرے کو اس طرح اپنے پاس کی کسی تقریب میں دینے کی اجازت ہے جس کی وجہ اس قدر آرام ہے کہ آپ کے گھر کے لوگوں کو کہیں جانا بار ہے نہ آپ کے پاس کسی تقریب میں کسی کو آنا بار۔ کاش یہ رواج عام ہو جائے اور بیجا تکلفات کا خاتمہ ہو کر آرام نصیب ہو کیونکہ ہماری نظر سے بعض واقعات ایسے بھی گذرے ہیں کہ محض ہاتھ میں روپیہ نہ ہونے کی وجہ بعض اصحاب نے قریبی رشتہ داروں کی اہم تقاریب میں شرکت نہیں کی اور بعد میں معافی چاہی کیونکہ تقریب میں شرکت کے بعد رسم و رواج کے مطابق عمل نہ کرنا موجب ذلت تصور کیا جاتا ہے۔

شادی کے موقع پر پر تکلف پخت و پز کو بھی آپ نے ناپسند فرمایا اور اپنے صاحبزادے حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کی شادی میں بگھارے کھانے کی پخت کی۔ اس پر قرابت واحباب و مریدین سے بعض حضرات نے توجہ بھی دلائی تو فرمایا کہ یہ بہترین غذا ہے اس سے سستی کاہلی نہیں پیدا ہوتی برخلاف اس کے بریانی سے سستی پیدا ہوتی ہے اور خدا کی یاد میں فرق آتا ہے۔

خلاف احکام شرع شریف جو بیجا رسوم جاری ہو گئے ہیں ان کو سخت ناپسند فرماتے آپ کے ارشادات میں ایک ارشاد یہ بھی ہے۔

" جس رسم و عادت کا شرع میں اچھا یا برا ہونا معلوم نہ ہوا اس میں

داخل نہ ہوسے نہ کسی کو اس کا حکم کرے نہ انکار جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے"

بیان کیا جاتا ہے کہ تسمیہ خوانی کا جو عام رواج ہے یہ بھی حضرت کو کچھ پسند نہ تھا۔ اسی طرح قبور پر پھول چڑھاتے وقت سلام کے پڑھائے جانے اور سلام کے وقت سب کے کھڑے ہونے کو بھی آپ نے ناپسند فرمایا۔ اکثر فرمایا کرتے کہ میلاد شریف کے ذکر مبارک کے بعد سلام اور قیام مستحب ہے باقی ہر دفعہ سلام کے وقت قیام کا کہیں ثبوت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تو تشہد میں بھی سلام بھیجا جاتا ہے۔ درود شریف میں بھی سلام کے جملے استعمال کیے جاتے ہیں اور قیام نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ عمل بیجا رسوم میں داخل ہے۔ چنانچہ بعض بزرگان دین بالخصوص حضرت قطب الہند مولانا میر شجاع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے عرس شریف میں آپ اکثر تشریف فرما ہوتے اور صندل مالی و چادر چڑھاتے وقت جب سلام خوانی ہوتی تو آپ اسی طرح اپنے مقام پر تشریف فرما رہتے کبھی آپ نے قیام نہیں فرمایا۔ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ کے عرس شریف کے موقع پر ابتداءً حسب رواج بروز صندل صندل مالی وغیرہ ہوا کرتی تھی بعد میں آپ نے اسی خیال کے تحت اس کو مسدود فرمادیا۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ایک دفعہ صندل مالی کے بعد آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ محفل میں سے ایک صاحب نکل کر صندل کے ہاتھ فوراً دھو دئے اس پر آپ خفا ہوئے اور فرمایا کہ بزرگوں کے مزار پر جو صندل چڑھایا جاتا ہے ان ہاتھوں کو اس کراہت کے ساتھ دھو دیا جاتا ہے یہ عمل سخت بدتمیزی و بے ادبی میں داخل ہے۔

یوں تو ابتدا ہی سے آپ کو یہ غیر مشروع رسوم ناگوار تھے اس پر یہ سوء ادبی بے حد ناگوار گزری اس لئے یک لخت آپ نے اس کو مسدود ہی فرمادیا۔ چنانچہ

اس کے بعد سے اب تک آپ کے گھرانے میں بروز صندل صرف ختم قرآن مجید ہوتا ہے۔ اور پھول چڑھادئے جاتے ہیں۔ اسی طرح پھول چڑھانے میں بھی چادر اندازی کو آپ ناپسند فرمایا کرتے تھے۔

ادب و احترام

اظہار حق میں آپ کبھی کوتاہی نہ فرماتے جب کبھی کوئی بات نامناسب معلوم ہوتی یا کسی کو غلط اقدام کرتے ملاحظہ فرماتے فوراً اس سے مجتنب رہنے کی ہدایت فرماتے۔ آداب کا بیحد خیال ملحوظ رہتا۔ چنانچہ آپ[سے] کے برادر مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کے پاس ایک تقریب تھی جس میں مہمانوں کو شیرنی تقسیم کی گئی وہ شیرینی اس طرح تقسیم ہو رہی تھی کہ پہلے کاغذ رکھ کر اس پر مٹھائی رکھی جاتی آپ کے پاس جو کاغذ رکھا گیا تو آپ نے اس کو ملاحظہ فرمایا کہ ایک مجلس عزا کا اشتہار ہے جس پر حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کا نام مبارک لکھا ہوا ہے۔ جب اس کاغذ پر مٹھائی رکھی گئی تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ اور اظہار افسوس فرمایا کہ کس طرح اوراق متبرکہ کی بیحرمتی کی گئی ہے۔ (اس قسم کی بدعنوانیاں اب بھی ہوتی رہتی ہیں متعدد دفعہ ردی میں ایسے متبرک اوراق بھی دستیاب ہوجاتے ہیں جن کے احترام کا لحاظ ہر فرد مسلم پر فرض ہے لیکن زمانے کی نئی ہوا نے اب تو اس قسم کے ادب و احترام ہی سے دنیا کو بے نیاز کر دیا ہے کسی بندۂ خدا کے دل میں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ایسے متبرک اوراق اگر ملجائیں تو کیا کیا جائے۔ چنانچہ بعض دفعہ بدررو کی موری میں ہوا سے اڑکر پڑے ہوئے ایسے اوراق بھی ملتے ہیں جن کے دیکھنے کے بعد جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔ مساجد میں راستوں پر اشتہار تقسیم ہوتے ہیں۔ جن میں محترم

سے از جناب شاہ شرف الدین صاحب قادری۔

اسمار لکھے ہوئے ہوتے ہیں ناظرین کا یہ عالم کہ اشتہار دیکھا اور راستہ پر پھینک دیا اب وہ ہوا سے اڑ کر کدھر بھی جائے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہم کو ادب واحترام کی توفیق عطا فرمائے)۔

حضرت اکثر اپنے مریدین و متوسلین کو ادب واحترام کا خیال رکھنے شدت سے تاکید فرمایا کرتے کہ "با ادب بانصیب" مشہور ہے۔ ایک شاعر نے خوب لکھا ہے

ادب تاجیست از فضل الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

پابندی شریعت

حضرت کو پابندی شریعت کا بیحد خیال رہتا چنانچہ ارشاد ہوتا کہ "یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس میں کسی طرح کا خطرہ نہیں" آپ نے اپنے متبعین کو ہر دم اس کا خیال رکھنے کی شدت سے تاکید فرمائی۔ اور فرمایا کہ "قرآن اور حدیث پر عمل کرو۔ اس کو ہاتھ سے جانے نہ دو" جیسا کہ ارشادات کے باب میں ہم نے صراحت کی ہے اور خود بھی اس قدر شدت سے خیال رکھتے کہ حدود شریعت سے ذرا سا تجاوز بھی ناگوار خاطر گذرتا۔ چنانچہ میر روشن علی صاحب (جن سے حضرت کی ایک پروردہ لڑکی منسوب تھی) بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ صاحبہ کو حضرت ہی سے بیعت تھی۔ ایک دفعہ خالہ صاحبہ نے آپ کی دعوت کی آپ نے فرمایا کہ بروز دعوت میں خود آجاؤں گا۔ حسب وعدہ جب تشریف فرمائی ہوئی تو مکان دعوت سے عورتوں کے ڈھول بجا کر گانے کی آواز سنائی دی اس آواز کے سنتے ہی آپ فوراً لوٹے خالہ صاحبہ کو جب اس کی اطلاع ملی کہ آپ خفا ہو کر واپس ہو رہے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے آئیں اور آپ کو راستہ میں روک کر عرض کیا

که حضرت یہ گانا میرے گھر نہیں بلکہ پڑوس کا ہے تب آپ ان کے ساتھ ہوئے

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کے والدین کے مزار پہلے گچ کے پختہ بنے ہوئے تھے۔ بعد میں بہ خیال اتباع سنت و پابندی احکام شریعت آپ نے ان گچ کے مزار کو توڑ کر مٹی کے بنوا دے۔ آپ کے اس عمل پر تمام برادری و احباب میں خوب نکتہ چینی ہوئی۔ جہال نے جو جی چاہا کہا۔ لیکن آپ نے کسی کی پروا نہ کی۔

ظرافت و خوش مزاجی

آپ بعض اوقات لطیف مذاق بھی فرمایا کرتے۔ اکثر بچوں یا بڈھوں سے ہنسی کی باتیں فرماتے لیکن مذاق میں بھی کبھی ایسی بات زبان مبارک سے نہ نکلتی جس سے کسی کا دل دکھے اور رنج پہنچے یا وہ بات جو صداقت پر مبنی نہ ہو۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اکثر جب آپ خاصہ کے لئے تشریف رکھتے تو اپنے والد ماجد کی ایک ضعیف خادمہ سے جن کا بہت لحاظ بھی فرماتے تھے ہنسی کی باتیں فرمایا کرتے کیونکہ وہ بطور خاص آپ کے سامنے بٹھائی جاتیں تھیں تاکہ آپ خاصہ اچھی طرح تناول فرمائیں۔ یہ بی بی افیون کی عادی تھیں جب تک حضرت دسترخوان پر تشریف رکھتے یہ ادھر ادھر کے تذکرے چھیڑ کر آپ کی دل بہلائی کرتیں آپ ان کی باتیں مسکراتے ہوئے سماعت فرمایا کرتے بعض دفعہ آپ ہم سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ ہم ایک نقل سناتے ہیں سنو۔ اور کسی افیونی کا قصہ چھیڑ کر ان بی بی کو بار بار مسکراتے ہوئے ملاحظہ فرماتے جاتے۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ ایک دفعہ اپنے ایک خادم محمد صاحب نامی

منہ از رہبر طریقت۔

چوبینہ فروش کے پاس دعوت میں تشریف لیگئے دعوت سے فارغ ہوکر باہر برآمد ہوئے تو مکان دعوت کے سامنے جعفر صاحب میاں مجذوب رح (جو بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ اور جن سے بلدہ کے اکثر لوگ بخوبی واقف ہیں) کھائی دئے کہ ایک ایک قدم اٹھاتے اور تولتے کھڑے ہیں (یہ ان کی عادت تھی کہ اسی طرح گھنٹوں میں راستہ طے کرتے تھے) آپ نے مسکراتے ہوئے ان سے دریافت فرمایا کہ "جعفر صاحب کیا انڈے سے رہے ہو" انہوں نے سر کھجاتے ہوئے نیچی نظر کرکے ادب سے جواب دیا کہ "جی نہیں میاں! بچے نکالتا ہوں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ جناب شاہ شرف الدین صاحب قادری سے مروی ہے کہ یہی جعفر صاحب میاں مجذوب رح اندرون احاطہ مسجد النور اسیطرح قدم تولتے کھڑے تھے اس وقت بھی آپ نے ایسا ہی استفسار فرمایا کہ "کیا جعفر صاحب انڈے سے رہے ہو" انہوں نے عرض کیا کہ "جی نہیں میاں! بچے نکالتا ہوں"۔

ایک دفعہ حضرت مولانا حسرت و حضرت مولنا فضل مدظلہما اور ان کے بھائی مولوی عبدالشاکر صاحب مرحوم کو حضرت کی ہم طعامی کا شرف حاصل ہوا۔ مولوی عبدالشاکر صاحب تریاق سیاہ استعمال کرتے تھے۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ دسترخوان پر عبدالشاکر موجود ہیں۔ اور کچھ میٹھا نہیں ہے ساتھ ہی دروازہ پر دستک دی گئی۔ اور کہیں سے حصہ آیا اس میں میٹھی ستھریاں تھیں آپ نے فرمایا کہ یہ عبدالشاکر کی ضیافت ہے۔

جانوروں کا شوق۔ آپ کو جانوروں کا بھی شوق رہا جانوروں میں کبوتر کے

کے دو جوڑے بعض دفعہ آپ پاس رہے لیکن ان پر کسی قسم کی قید و بند نہ تھی جہاں چاہیں جائیں اور جب چاہیں آئیں کیونکہ آپ جانوروں کے مقید رکھنے کو پسند نہ فرماتے اور اس طرح مقید کرنے سے منع فرماتے تھے۔ کبوتر اڑانے یا لڑانے سے بھی منع فرماتے اور جو اس طرح کرتا اس پر خفا ہوتے تھے۔

آپ پاس چھوٹے گھوڑے (یابو) بھی بعض دفعہ رہا کرتے گو آپ ان پر کبھی سوار نہ ہوتے مگر کوئی اچھا جانور نظر سے گزرتا تو خرید لیتے ایک دفعہ آپ نے دو یابو خریدے اور گھر پر باندھ دئے گئے۔ آپ کے خادمین سے ایک خادم حاجی عبداللہ صدیق صاحب جو میوہ کی تجارت کرتے تھے لیکن دوکان جیسی چاہیے ترقی نہیں کی تھی ایک روز آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے ان دو یابوؤں میں سے ایک یابو انھیں سرفراز فرمایا کہ "اس کو لے جاؤ" انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اس کو کیا کروں تو ارشاد ہوا کہ "اس کو تم اپنے پاس رکھو"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جس تاریخ سے وہ یابو سرفراز ہوا اس تاریخ سے ان کی تجارت میں ترقی شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ تجارت لاکھوں تک پہنچ گئی اور اپنے ہم پیشہ اصحاب میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔

اسی طرح دوسرا یابو بھی آپ نے ایک دوسرے خادم شیخ داؤد صاحب نامی کو سرفراز فرمایا جو دیہات میں معمولی حیثیت سے زندگی گزارا کرتے تھے اس سرفرازی نے یہاں بھی عجیب تصرف کیا کہ انھیں بھی اسی تاریخ سے اس قدر ترقی ہوئی کہ آج دیہات میں وہ بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

حضرت کی سیر و سیاحت

آپ کے سفروں سے متعلق ہم کو پورا مواد نہ مل سکا پھر بھی جس قدر معلومات بہم پہنچے ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

حج بیت اللہ شریف آپ کا ابتدائی سفر حج و زیارت کی غرض سے والدین کے ساتھ ۱۲۷۹ھ و ۱۲۸۰ھ میں ہوا تھا جس وقت غالباً حضرت کی عمر شریف بھی سولہ سترہ سال ہی کی تھی اسی سفر میں آپ کے منجھلے بھائی حضرت سید محمود مکی صاحب قبلہ قدس سرہٗ مکہ معظمہ میں تولد ہوئے اسی وجہ آپ کا عرف "مکی میاں" تھا۔ عام طور پر اسی نام سے پکارے جاتے تھے اور بعد میں اپنے والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ حضرت ہی کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی سے مالامال ہو کر سرزمینِ دکن پر آفتاب عالمتاب کی طرح چمکے۔ آج جن کا نام نامی کسی مزید تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

حضرت سیدی خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ العزیز کا دوسرا سفر حرمین شریفین بعد وصال والد ماجد علیہ الرحمہ آپ کی والدہ محترمہ کے ساتھ مع متعلقین ہوا۔ اس وقت آپ کے ہمراہ آپ کا زنانہ بھائی بہن (یعنی محل حضرت عبدالقادر صاحب صدیقیؒ) و بہنوئی بھی تھے۔ مولوی محمد فتح اللہ صاحب صدیقی جو حضرت مولوی عبدالقادر صاحب صدیقیؒ کے برادر خورد ہیں بیان فرماتے ہیں کہ میں صغر سنی سے ہی اپنے برادر محترم

ہی کے زیر پرورش تھا اس لئے اس سفر کے موقع پر میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اس سفر کے کیفیات بیان سے باہر ہیں۔ ہر جا عجیب و غریب کیفیت رہتی تھی۔ جہاز کا سفر اونٹوں کا سفر عجیب پرکیف تھا۔ اثنار راہ میں متعدد مقامات پر حضرت کے وعظ ہوئے محافل وعظ بھی خاص ہوتی تھیں حرمین شریفین کی حاضری میں بھی ایک خاص کیفیت رہتی۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ زبان اس کے بیان سے عاجز ہے اہل حرمین حضرت کا بہت احترام کرتے اور آپ کو بزرگ سمجھتے تھے بہت عرصہ تک حضرت مدینہ طیبہ میں قیام فرما کر واپس تشریف فرما ہوئے۔

حضرت بیان فرماتے تھے کہ جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو اس وقت تک مجھ پر کشف باطنی نہ ہوا تھا ایک دفعہ میں اپنی قیام گاہ کی چھت پر جہاں سے روضہ اطہر صاف نظر آتا تھا بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوا پچاس مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر کیا تھا کہ انشراح قلب ہو کر سیر باطن سے سرفراز ہوا۔

سبحان اللہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نانا جان سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے بہ آسانی آن ہی میں اس نعمت سے مستفید ہوئے جس کیلئے دوسرے برسوں محنت شاقہ برداشت کرتے ہیں سچ ہے ؎

ذرہ خورشید ہو قطرہ بنے دریا بیدم
جس پہ سرکار مدینہؐ کی عنایت ہو جائے

ذالك فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء

مکافات عمل اور سرفرازی میں بہت بڑا فرق ہے۔ لاکھ جزائے اعمال ایک سرفرازی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہاں وینا چاہتے تھے حیلہ مطلوب تھا اس کو عمل کا

بدل سمجھنا غلطی ہے حضرت فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے زمانۂ قیام میں جنات سے سخت مقابلے رہے دمخفی مبادکہ یہ تمام واقعات ابتدائی زمانہ کے ہیں) اسی زمانہ میں ایک رات خواب دیکھا کہ ایک مقام پر اس قدر لوگ جمع ہیں کہ پاؤں رکھنے کے لئے جگہ ملنی دشوار ہے بمشکل تھوڑی دور ان کے مجمع کو طے کرتے ہوئے آگے بڑھا تھا کہ ان کی شکلیں نامانوس معلوم ہونے لگیں. سوال کیا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم جن ہیں ان سے پوچھا کہ تمہاری خوراک کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری غذا کوئلے اور ہڈیاں! اور ہنستے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہم کبھی انسان کو بھی کھا جاتے ہیں۔ اس کے کہنے سے آپ کو کسی قدر دہشت ہوئی۔ آپ نے یا غوث کہکر پکارا یکایک ایک تخت ہوا پر اڑتا ہوا نمودار ہوا جس پر حضرت پیران پیر غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ عنہٗ تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں کہ خواجہ میاں! تم تو تم ہو اگر تمہارے مرید کا بھی گذر ہو تو یہ جل مریں گے" یہ ارشاد ہونا تھا کہ ان کی مجلس میں آگ لگ گئی اور تمام محفل درہم برہم ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت پیران پیرؒ نے آپؒ کے سینہ بے کینہ پر ایک نام لکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اس کو پڑھے گا ہم اس کے خواب میں آتے ہیں. بس ایسا ہی ہوا کہ جب ضرورت محسوس ہوئی میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی فوراً میرے کام بن گئے اور تمام پریشانیاں رفع ہو گئیں۔ اس اسم مبارک کی حضرت نے بعض خاص خلفاءُ کو بھی اجازت دی تھی جس کسی نے صدق دل سے اس کو پڑھا سرکار پیرؓ کے دیدار سے مشرف ہوا۔ پھر تو حضرت کا جنات پر بھی وہ اثر قائم ہوا کہ نام سے کانپ اٹھنے لگے۔ چنانچہ زہرہ بی نامی حضرت کی پروردہ جو اس وقت حضرت کے ساتھ

[illegible]

تھیں۔ بیان کرتی ہیں کہ میں چھوٹی تھی۔ حضرت کے محل مبارک نے مجھے کسی کو بلا لانے کا حکم دیا۔ میں انھیں بلانے نکلی۔ مدینہ طیبہ میں ایک گلی جنات کے نام سے مشہور ہے جس کی دیواروں پر جا بجا عملیات کے کیلے نصب تھے۔ میں ان تمام واقعات سے ناواقف تھی اس گلی سے گذری، سن کا مقتضا راستہ میں پیشاب کا تقاضا ہوا اسی گلی میں بیٹھ گئی۔ کیونکہ راستہ میں راہرو نہ تھے۔ پیشاب سے ابھی فارغ بھی نہیں ہوئی تھی کہ یکایک ایک شخص کو جو سفید پوشاک پہنے ہوئے تھا دیکھی کہ میرے بازو سے گزرتے گزرتے مجھے ٹکر دی اور سر پر ایک چپت رسید کی میں نے اس سے کہا کہ واہ واہ جاتے جاتے ٹکر بھی دیتے ہو اور پھر سر پر بھی مارتے ہو۔ اچھا ٹھیرو میں حضرت سے کہتی ہوں اس کے بعد اُن صاحب کو بلانے گئی اور ان تمام واقعات کا ان سے ذکر کیا وہ یہاں کے حالات سے باخبر تھے، انہوں نے مجھ سے استفسار کیا کہ تم کدھر سے آئیں میں نے راستہ بتایا وہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اور گھر آنے کے بعد بیگم صاحبہ سے عرض کیا کہ اس بچی کو ادھر سے نہ آنے جانے دیجئے۔ ورنہ ایک نہ ایک روز اس کی جان پر بن جائے گی۔ یہ سنکر بیگم صاحبہ بھی مجھ پر خفا ہوئیں۔ اور آئندہ احتیاط کے لئے مجھے تاکید فرمائی اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو نہ معلوم اس حرکت پر اس کی کیا گت بنتی مگر چونکہ حضرت کا اثر تھا اس لئے آپ کے آدمی پر اس سے زیادہ ان کی دست اندازی نہ ہو سکی واقعات مذکورۂ بالا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت کو ابتدائی سرفرازی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوسری سرفرازی دربار غوثیت رضؓ سے ہوئی اور درجات کمال عطا ہوئے۔

قصبۂ جوگل۔ حضرت کے چند خادمین موضع جوگل جاگیر علاقہ راجہ رائے رایاں

میں دو جو شمس آباد سے آگے واقع ہے اہتے ہیں اس موضع میں خادمین کے اصرار پر بعض تقاریب وغیرہ کے مواقع پر متعدد مرتبہ آپ تشریف لے گئے ہیں شیخ داؤد نامی حضرت کے ایک خادم کے ہاں کسی تقریب میں حضرت تشریف لے گئے تھے داعی صاحب نے اپنے بعض احباب کو بھی اس موقع پر مدعو کیا تھا چنانچہ بعض قلعۂ گولکنڈہ سے آئے تھے۔ ان آنے والے مہمانوں میں بعض شوقین طبع بھی تھے جن کے لئے ناجائز انتظامات بھی کئے گئے تھے۔ (محمد وزیر صاحب صوبہ دار مرحوم جو بعد حضرت کے خاص خادمین میں ہو گئے تھے) بیان کرتے ہیں کہ اس وقت مجھے حضرت سے غلامی کی نسبت نہ تھی۔ بلکہ میں حضرت سے واقف بھی نہ تھا البتہ اکثر اوقات شیخ داؤد جن کے ہاں ہم مدعو تھے حضرت کی تعریف کرتے اور بعض واقعات سناتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ مجھے حضرت سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ اس تقریب کے موقع پر شیخ داؤد صاحب نے مجھے اور میرے ساتھی دو تین اصحاب کو پہلے ہی سے بلا لیا تھا۔ اور چونکہ اس وقت ہم لغویات میں مشغول تھے۔ اس لئے ہمارے لئے کچھ پینے کھانے کا اہتمام ہوا! گاؤں کے عاشور خانے میں بیٹھ کر اپنے اشغال مصروف تھے کہ یکایک ہم میں سے بعض نے جو حضرت سے واقف تھے یہ کہکر بھاگنا شروع کیا کہ "حضرت آرہے ہیں" ہم بھی اس شغلہ سے علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے اتنے میں دیکھا کہ حضرت میلا سا چوبغلہ، سر پہ ٹوپی، کندھے پر موٹا رومال ڈالے بائیں ہاتھ میں بانس کی لکڑی، سیدھے ہاتھ میں چھوٹی تسبیح لئے آگئے آگئے اور آپ کے پیچھے پیچھے ایک دو صاحب اور بھی تشریف لا رہے ہیں چونکہ میں پہلے سے واقف تھا۔ اور نہ حضرت کا لباس عام مشائخین کرام کی طرح تھا شناخت مشکل ہوئی اسلئے

میں نے ساتھ والوں سے پوچھا کہ حضرت کونسے ہیں؟ لوگوں نے حضرت کو بتایا، اس کے ساتھ ہی ہمارے ساتھیوں میں سے ایک صاحب کے زبان سے نکلا کہ "وہ یہ بوریے والوں کے مرشد ہوں گے ہمارے کیوں ہوتے" میں نے یہ سن کر اپنے ساتھی کو ڈانٹا کہ بزرگوں سے ایسی گستاخی نہ چاہئے۔ خیر۔ چونکہ ہم زیادہ فاصلہ پر تھے اس لئے اس گفتگو کی آواز حضرت تک نہ پہنچی اور نہ حضرت نے ہم کو اچھی طرح ملاحظہ فرمایا۔ حضرت مکان پر تشریف لے گئے اور ہم پھر اپنے اشغال میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑے عرصہ بعد میزبان نے ہم سے کہا کہ چلئے دسترخوان تیار ہے ہم سب اٹھے جب پہنچے تو دیکھا کہ دسترخوان پر حضرت بھی تشریف رکھتے ہیں اتفاقی بات کہ مجھے جگہ بھی ملی تو حضرت کے مقابل دسترخوان پر بیٹھتے ہی حضرت نے اپنے دست مبارک سے تھوڑا کھانا مجھے سرفراز کیا اور اسی طرح تھوڑا تھوڑا ہمارے بعض ساتھیوں کو بھی۔ جس وقت ہم کھانے لگے تو ہم پر سرور کی کیفیت اچھی طرح طاری تھی، لیکن جب کھانا کھا کر اٹھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم نے کچھ نشہ کیا ہی نہیں حالانکہ نشہ بھی معقول مقدار میں کیا گیا تھا۔ میں اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ "بھئی! یہ تو بہت بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ دیکھو! فقط تھوڑا سا کھانا دیکر ہمارا سارا نشہ ہرن کر دیا اور ہم سب اپنی گستاخیوں پر سخت نادم ہوئے، چنانچہ اسکے بعد ہی میری عقیدت اور بڑھی اور روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ نسبت غلامی سے سرفراز ہوا۔

ایک مرتبہ اور بھی حضرت اسی موضع جوکل میں خادمین کے اصرار پر رونق افروز ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی و صاحبزادے بھی تھے۔ عبداللہ خاں صاحب

(جو حضرت کے خادم ہیں) بیان کرتے ہیں کہ صبح کے وقت حضرت مکان کے باہر چبوترے پر تشریف فرما تھے اور تمام خادمیں سامنے حاضر آپ حقہ پی رہے تھے۔ مشرق کی جانب بار بار ملاحظہ فرماتے اور حقہ کا دم لیتے تھے بالاخر دریافت فرمایا کہ کیا ادھر کوئی بزرگ رہتے ہیں یا کسی کا مزار ہے ؟ خادمین نے عرض کی کہ حضرت کوئی نہیں البتہ حضرت محبوب سبحانی کا چلہ ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں کچھ فاصلہ پر کوئی ہیں ؟ تو عرض کیا گیا جی ہاں حضرت جہانگیر پیر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ جو یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے ارشاد ہوا کہ ہم چلیں گے وہ ہم کو دعوت دے رہے ہیں" یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت مردانے سے برخاست فرما کر زنانے میں تشریف فرما ہوئے جہاں کچھ قریبی قصبات کی عورتیں قدمبوسی کے لئے آگئی تھیں ملنے اور بات چیت کرنے میں ظہر کا وقت آگیا اس کے بعد آپ نے شکرام میں سوار ہو کر (جو حضرت کی سواری میں تھی) حضرت جہانگیر پیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی جانب رخ فرمایا چونکہ فاصلہ زیادہ تھا اور یہیں دن کا زیادہ حصہ گزر چکا تھا سواری بھی تیز رفتار نہ تھی چلتے چلتے دیر ہو گئی اور سر مغرب درگاہ شریف پہنچے۔ فاتحہ خوانی سے فارغ ہو کر مراقب ہوئے۔ (مخفی مباد کہ حضرت جہانگیر پیر علیہ الرحمۃ حیدرآباد کے مشہور بزرگان دین سے ہیں۔ آپ کا مزار مرجع خلائق و زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ مگر وہاں کی خصوصیات یہ ہیں کہ بعد مغرب کسی کو ٹھیرنے کی اجازت نہیں جس قدر زائرین حاضر ہوتے ہیں قبل مغرب ہی برخاست کر جاتے ہیں حتیٰ کہ وہاں کے خدمتی بھی بعد مغرب وہاں نہیں ٹھر سکتے بلکہ قریب کے موضع میں رات گزارتے ہیں۔ جنگل میں ایک چھوٹی سی چوکھنڈی ہے اطراف

و جوانب میں کوئی عمارت یا مکان بھی نہیں وہاں کی اور خصوصیات کے منجملہ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ صدہا زائرین روز حاضر ہو کر بکرے ذبح کرتے اور طرح کے پکوان کرتے ہیں جس کی وجہ سے کچرا کوڑا بھی خوب ہو جاتا ہے جا بجا ہنڈیاں لکڑیاں، راکھ، کوئلہ، پیاز کی پتی، کھانے کے دانے وغیرہ کے ڈھیر لگجاتے ہیں لیکن سب کے برخاست کے بعد جب صبح ہوتی ہے تو جنگل تمام صاف ستھرا دکھائی دیتا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تمام جنگل میں صفائی کی گئی ہے حالانکہ نہ کوئی جاروب کش ہی مقرر ہے نہ خدمتی عوام میں یہ مشہور ہے کہ شیر آتے ہیں اور جنگل کی صفائی کر جاتے ہیں واللہ اعلم بالصواب

خاصان خدا کے احوال ہماری عقلوں سے اسی طرح پرے ہیں جیسے ان کے کیفیات قصہ مختصر چونکہ حضرت کو وہاں پہنچتے پہنچتے ہی مغرب ہو چکی تھی اس لئے وہاں تشریف رکھنے میں اور بھی دیر ہو گئی اندھیرا خاصا ہو گیا۔ جنگل میں ایک سناٹے کا عالم تھا کیونکہ سب برخاست کر چکے تھے۔ اس وقت یا حضرت تھے یا حضرت کے صاحبزادے اور خدام جو ہمراہ رکاب موجود تھے حضرت کے منجھلے صاحبزادے۔ مولف کے والد جناب قبلہ گاہ مدظلہ) بیان فرماتے ہیں کہ میں بہت کم سن تھا۔ اور یہ پہلے ہی سن چکا تھا کہ وہاں رات میں شیر آیا کرتا ہے تو جوں جوں رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی میں گھبرا کر بار بار حضرت سے عرض کرتا جاتا تھا کہ اب چلنا چاہئے رات ہو رہی ہے مگر حضرت مجھے اشارہ سے خاموش رہنے کی ہدایت فرماتے اور پھر آنکھیں میچ کر مراقب ہو جاتے جب مغرب کے بعد بھی کافی وقت گزر گیا اور تاریکی بہت بڑھ گئی آٹھ بجنے کے قریب وقت آ گیا تو میں نے شدت سے تقاضا شروع کیا کہ حضرت اب چلنا چاہئے

میں نے سنا ہے کہ رات میں یہاں شیر آتے ہیں میرا جی ڈر رہا ہے تو حضرت نے کچھ خفگی سے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ کیوں ڈرتے ہو کیا ہم نہیں ہیں؟ کس نے کہا تم سے کہ یہاں شیر آتا ہے؟ اور پھر اسی طرح تشریف فرما رہے کچھ دیر خاموشی کے بعد میں نے پھر تقاضا شروع کیا تو بالآخر آپ یہ فرماتے ہوئے کہ یہ بچہ کیا ستاتا ہے؟ وہاں سے اٹھے فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ دیکھو غلاف کے نیچے کیا ہے" ساتھ کے خادمین نے بڑھ کر دیکھا تو ایک کرمھائی بریانی کی گرم گرم رکھی تھی معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ابھی دیگ سے نکالی گئی ہے آپ نے فرمایا کہ "اسے لے لو حضرت کی جانب سے ہماری دعوت کی گئی ہے" تمام حاضرین کو حیرت تھی کہ رات کا وقت سب کو برخاست کئے عرصہ گزرا یہ بریانی کہاں سے آئی؟ کون لایا؟ اور پھر اس قدر گرم کیسی؟ لیکن یہ معمہ حل نہ ہو سکا

وہاں سے برخاست فرما کر حضرت نے قریبی موضع میں رات بسر فرمائی پھلی سے پھر جوکل تشریف فرما ہوئے۔ عبداللہ خاں صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں کوتوالی میں ملازم تھا نوکری سے فرصت نہ ملنے کی وجہ سے اس وقت حاضر نہ ہو سکا تھا حضرت کے گاؤں کو تشریف لے جانے کی خبر سن کر دوسرے روز جب گاؤں میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ حضرت جہانگیر پیر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف کو تشریف لے گئے ہیں۔ رات میں اپنے گاؤں ہی میں قیام کیا پھلی سے حضرت کے لئے ناشتہ تیار کروا کر گاؤں سے روانہ ہوا ابھی میں دور ہی تھا کہ حضرت نے اپنے ہمراہیانِ رکاب سے ارشاد فرمایا کہ دیکھو عبداللہ خاں ہمارے لئے ناشتہ لے کر آرہے ہیں، سبھوں نے عرض کیا کہ حضرت کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اب آتے ہیں تھوڑی دیر بعد ہی میں پہنچا پھر حضرت نے راستہ ہی میں تھوڑی دیر

پھیر کر ناشتہ فرمایا۔ اور پھر گاؤں کی طرف تشریف لائے۔

باغوں کو روانگی آپ کی عادت شریف تھی کہ اکثر بیرون شہر کسی باغ وغیرہ کو مع زنانہ تشریف لے جاتے اور ہفتہ عشرہ قیام فرما کر مکان واپس ہوتے اس تفریحی سفر میں شائد یہ خیال پیش نظر ہوتا کہ مرد تو اکثر باہر نکلتے ہی رہتے ہیں لیکن عورتوں کو ایسے مواقع کم پیش آتے ہیں جس کی وجہ سے اکثر انکی صحت متاثر رہتی ہے زہرہ بی صاحبہ (حضرت کی پروردہ) بیان کرتی ہیں کہ آپ اکثر پہاڑی شریف کو ماما رمضانی کے مکان میں جس میں اب سرکاری مدرسہ ہے تشریف لے جاتے ہفتہ عشرہ قیام فرماتے زمانہ قیام میں پخت وپز کا انتظام بھی عورتوں کے ذمہ نہ رہتا بلکہ مردانہ میں پیر بھائیوں کے تفویض فرما دیا کرتے تاکہ عورتوں کو سیر و تفریح کا اچھا موقع ملے۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے باغوں کو بارہا تشریف لے گئے ہیں۔ جب کبھی کسی باغ کو جانے کا ارادہ ہوتا تو سرکاری رتھ تھا سے رتھ مطلوبہ میں طلب فرما لیتے کیونکہ اس زمانہ میں شاہان سلف کی مراعات سے سرکاری سواریاں معززین کو مطلوبہ میں ملا کرتی تھیں۔

ایک دفعہ آپ مع متعلقین اپنے پھوپیرے بھائی حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کے باغ واقع درگاہ حضرت حسین شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کو تشریف فرما ہوئے آپ کے ہمراہ آپ کے تینوں بھائی اور چند مریدین بھی تھے اس زمانہ میں آپ کے محل میں حاملہ تھیں، تشریف لے جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ نے مراجعت کا ارادہ فرمایا اور حکم دیا کہ رتھ منگوائی جائے ہم آج ہی واپس ہو جائیں گے۔ تمام بھائیوں نے عرض کی حضرت آج ایک روز توقف فرمائیں تو کل ہم سب ہمراہ رکاب واپس

ہوسکیں گے آپ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں ابھیں آج جانا ضروری ہے تم لوگ کل آسکتے ہو۔ میں آج نہیں ٹھیر سکتا" حضرت کے روکنے کی بہت کچھ کوشش کی گئی لیکن ناکام رہی۔ رتھیں آئیں اور آپ سوار ہو کر دولت خانہ کو واپس ہوئے آپکے محل میں فرماتی تھیں کہ جس وقت میں وہاں سے نکلی اس وقت تک میری طبیعت بالکل صاف تھی کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی لیکن جوں ہی میں نے مکان کے دروازہ میں قدم رکھا مجھے دروزہ محسوس ہونے لگے پچھلی کو زچگی ہو گئی اور آپ کے منجھلے صاحبزادے (حضرت قبلہ مدظلہ) تولد ہوئے ۔اس وقت سب کو معلوم ہوا کہ آپ نے عجلت سے واپسی کا قصد فرمایا تھا اس کا مقصد یہی تھا ورنہ جنگل کے مقام پر بڑی دشواریوں کا سامنا ہوتا۔

برمنہ صاحب نامی حضرت کے ایک خادم بیان کرتے تھے کہ میں حضرت کے ہمراہ باغ درگاہ حضرت حسین شاہ ولی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تھا جب حضرت واپس ہوئے تو میں وہیں آپ کے برادران عزیز کے ساتھ ٹھیرا رہا۔ گرما کا موسم ہونے کی وجہ ہم سب زیر سما سویا کرتے تھے۔ جس رات زچگی ہوئی اس رات میں آسمان پر بار بار روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ دوسرے روز جب حضرت کے سب برادر صاحبان باغ سے واپس ہوئے تو میں بھی ہمراہ آیا۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ "تمھیں رات میں کچھ تماشا دکھائی دیا" میں نے رات کا تمام واقعہ عرض کیا کہ "واقعی رات میں متعدد دفعہ آسمان پر روشنی دکھائی دی"۔

اس ولادت کے بعد دو تین روز تک حضرت کا یہ حال تھا کہ تھوڑے تھوڑے عرصے سے بیٹھے بیٹھے یکایک سرو قد اٹھ کھڑے ہوتے بعض حضرات نے پریشان

ہو کر عرض کیا کہ حضرت اس طرح بار بار کیوں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں مزاج مبارک ناساز تو نہیں ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ نہیں۔ بزرگان دین مبارکباد کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ تو تعظیماً اٹھ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

مجاہدات

ریاضت واتباعِ حکم

حضرت کا ہر فعل حکم کی تعمیل میں ہوتا تھا چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہٗ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت بعض وقت کھانے کے لئے تشریف رکھتے اور لقمہ اٹھاتے اٹھاتے ہاتھ روک لیتے۔ بعض دفعہ ایک آدھ لقمہ اٹھاتے اور ہاتھ روک لیتے مگر کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے کھانا نہ کھانے کا حکم ہو رہا ہے۔ بلکہ عموماً کھانے یا سالن کے پسند خاطر نہ ہونے کا عذر فرما دیتے اکثر اوقات اسی طرح آپ نے آٹھ آٹھ روز کھانا تناول نہیں فرمایا آپ کے کھانا چھوڑنے کی اطلاع جب ہوتی تو آپ کے بھائیوں اور خوشدامن صاحبہ کے پاس سے کھانا تیار ہو کر آتا لیکن آپ کسی کھانے کو بھی پسند نہ فرماتے پھر جب حکم ہوتا تو گھر میں جو کچھ بھی موجود ہوتا طلب فرماتے اور تعریف فرماتے ہوئے تناول فرما لیا کرتے۔ یا کبھی خوشدامن صاحبہ و خسر صاحب تشریف لا کر خود مجبور کرتے تو کھا لیا کرتے مگر کبھی اس کا اظہار نہ فرماتے کہ اب تک مجھے کھانے کا حکم نہیں تھا! ور اب حکم ہوا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ جب کبھی حضرت کھانا چھوڑ دیتے تو آپ کے محل میں بیحد پریشان رہتیں خود سامنے بیٹھ کر سالن تیار کرواتیں مختلف اصحاب کے پاس سے تیار کروا کر منگواتیں کہ کسی طرح آپ کو پسند آئے اور کچھ تناول فرمالیں لیکن جب یہ تمام کوششیں ناکام ثابت ہوتیں تو بہت غمگین رہتیں جب تک کہ آپ کھانا تناول نہ فرماتے

اکثر روتی رہتیں۔

حضرت کے اس طرح کسی کے پاس کے کھانے کو پسند نہ فرمانے پر کم سمجھ نادان اہل برادری سے آپ کی شان میں کبھی گستاخیاں بھی کر جاتے کہ خواجہ میاں بڑے بدمزاج ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ لیکن آپ کو کسی کی پروا نہ ہوتی۔ حضرت قبلہ مدظلہٗ بیان فرماتے ہیں کہ حالانکہ آپ آٹھ آٹھ روز سوائے حقہ، پانی یا چائے کے کچھ تناول نہ فرماتے تھے لیکن آپ کے چہرۂ انور پر بھوک کے آثار، اور نہ طبیعت پر سستی کی کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ کے اس طرح کھانا نہ کھانے پر آپ کے برادران عزیز بعض دفعہ آپ کو مجبور کرتے تو آپ فرماتے "میرے کھانا نہ کھانے سے کیا تم مجھ میں کچھ سستی، کمزوری محسوس کرتے ہو؟ میں بالکل اچھا ہوں چل پھر سکتا ہوں برخلاف اسکے اگر تم نہ کھاؤ تو کمزور ہو جاؤ گے اس لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

آپ نے بعض اوقات کئی کئی روز جنگلوں میں ریاضتیں فرمائی ہیں چنانچہ ایک وقت آپ گھر سے تشریف لے گئے دو چار روز گزر گئے کسی کو خبر نہ ہوئی کہ کہاں تشریف فرمائی ہوئی ہے؟ خادمان خاص اور محبان ذوی الاختصاص آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ بہت سے مقامات پر جہاں آپ اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے ڈھونڈا گیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا آٹھویں روز آپ خود ہی تشریف لائے آپ کے بھائی (حضرت کلی میاں صاحب قبلہؒ) نے دریافت فرمایا کہ حضرت! کہاں تشریف فرما تھے؟ ہم نے آٹھ روز تک آپ کی بے حد تلاش کی لیکن کہیں پتہ نہ چلا تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ حضرت سید احمد بادپاؒ کی درگاہ میں تھا (یہ مقام اس زمانہ میں ایک لق و دق جنگل تھا اطراف و جوانب میں بہت دور تک مطلقاً

آبادی نہ تھی اب حال میں رسالہ کے قیام کی وجہ خاصی آبادی ہو گئی ہے)۔
بھائی صاحب نے عرض کیا حضرت! میں وہاں بھی حاضر ہوا تھا۔ مگر آپ دکھائی نہ دیے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! تم جس وقت وہاں آئے تھے میں وہیں موجود تھا مگر تم مجھے دیکھ نہ سکے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آخر جنگل میں آپ کیا تناول فرماتے تھے تو ارشاد ہوا کہ چنے والے سے چنے وغیرہ لے کر کھا لیا کرتا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت بابا شرف الدین صاحب قدس سرہٗ کی پہاڑی شریف پر حضرت بابا صاحبؒ کے خاص ریاضت گاہ میں بھی گیارہ روز کا چلہ فرمایا ہے مخفی مبادکہ پہاڑی شریف پر اُس وقت ایسی آبادی نہ تھی جیسی کہ اب ہے بلکہ وہ مقام بھی خاصہ جنگل تھا۔ اور اب بھی باوجود اس قدر آبادی کے حضرت کی ریاضت گاہ کا مقام وہاں کی بستی سے بہت فاصلہ پر واقع ہے۔ جہاں ہر کس و ناکس کا قیام کارے وارد کا مصداق ہے۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اور آپ اسی طرح کہیں تشریف لے گئے آٹھ روز گذر گئے۔ سب حیران و پریشان تھے متعدد اشخاص نے آپ کی تلاش مختلف مقامات پر کی لیکن کہیں پتہ نہ پایا، حضرت والدہ صاحبہ قبلہ رح نے دلاور علی نامی ایک پروردہ لڑکے سے فرمایا کہ حضرت اکثر پہاڑی شریف بھی تشریف لے جاتے ہیں وہاں بھی جا کر دیکھ آؤ۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر تو حضرت کا پتہ لگائیگا تو میں تجھے انعام دوں گی اس لڑکے نے ایک تو تعمیل حکم دوسرے انعام کا لالچ پہاڑی شریف پر پہنچکر ہر طرف دیکھا، بہتوں سے پوچھا لیکن ناکام رہا۔ بالآخر مجبور ہو کر حضرتِ بابا صاحب قبلہ رح کے پاس فاتحہ گزرانی اور عرض کی کہ اگر آپ

ہمارے حضرت سے ملادیں تو میں نیاز گزرانوں گا۔ اس کے بعد جب وہ گھر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت مکان میں تشریف فرما ہیں جب اس کی نظر آپ پر پڑی تو اس کا دل باغ باغ ہوگیا۔ آپ نے اس لڑکے سے مسکراتے ہوئے کچھ ارشاد فرمایا الفاظ تو صحیح طور پر یاد نہ رہے لیکن مفہوم یہ تھا کہ تیری وجہ سے مجھے آنا پڑا شاید اس کے معروضہ پر حضرت بابا صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے حضرت سے اس کی مراد پوری کرنے کی سفارش فرمائی ہوگی۔

عبداللہ خاں صاحب ساکن چوک بیان کرتے ہیں کہ میں پولیس میں ملازم تھا تغاری کے ٹھانہ پر ڈیوٹی تھی، سرما کا موسم، جاڑا شدت کا تھا، پچھلی کے وقت میں ٹھانہ سے اس خیال سے نکلا کہ مسجد چوک میں نماز صبح وضو کے لئے گرم پانی کا اہتمام رہتا ہے وہاں چل کر وضو کریں گے۔ راستہ میں دیکھا کہ حضرت ادھر سے تشریف لا رہے ہیں جسم مبارک پر باریک چوبغلہ سر پہ ٹوپی کاندھے پر رومال ہے جب میں نے آپ کو آتے دیکھا تو ٹھٹھر گیا دل میں خیال کیا کہ اس سردی کے وقت بغیر کسی گرم لباس کے حضرت کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ جب آپ تشریف لائے تو میں آگے بڑھ کر قدمبوس ہوا اور عرض کی کہ حضرت اس سردی کے وقت کہاں تشریف فرمائی ہوئی تھی؟ ارشاد ہوا کہ میں حضرت سید احمد بادپا رح کی درگاہ گیا تھا اور اب مکان جا رہا ہوں میں آپ کو تنہا دیکھ کر ساتھ ہوگیا تو پلٹ کر ارشاد فرمایا' نہیں تم جاؤ چوک کی مسجد میں وضو کے لئے گرم پانی ملتا ہے وہاں جا کر وضو کر لو۔ خطرات قلبی کا ذکر فرما دینا تو حضرت کے تمام خادمین سے مروی ہے۔ ہر ایک نے جو اپنے اپنے واقعات بیان کئے ہیں۔ وہ سب جمع کر دیئے جائیں تو اسی کا ایک دفتر ہو جائیگا۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ میں اکثر رات میں حضرت ہی کے پاس سوتا تھا سحر میں جب کبھی آنکھ کھلتی، دیکھتا کہ آپ ایک گوشہ میں تشریف رکھے تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں بعض اوقات میں بھی اٹھ کر حضرت کے بازو بیٹھ جاتا پچھلی میں نماز تہجد کے بعد آپ کے مریدین مسجد میں ذکر کیا کرتے تھے حضرت کی تلاوت اس وقت تک جاری رہتی جب تک کہ باہر ذکر شروع نہ ہوتا، جب باہر ذکر شروع ہوجاتا تو آپ بھی چپکے سے باہر تشریف لے جاتے اور مسجد کے گوشہ میں سب کی نظر بچاکر تشریف رکھتے جب ذکر ختم ہوجاتا تو پھر اسی طرح نظر بچاکر مکان میں واپس تشریف لے جاتے ممکن ہے کہ اس تشریف فرمائی سے مقصود توجہ دہی ہو کیونکہ اکثر دفعہ ایسا ہوتا کہ ادھر آپ باہر تشریف لے جاتے اور ادھر ذکر کرنے والوں پر ایک کیف طاری ہوجاتا۔

حضرت کسی کو داخل سلسلہ فرمانا چاہتے تو بھی حکم سے فرمایا کرتے آپ پاس کا دستور تھا جو شخص داخل سلسلہ ہونا چاہتا پہلے سے عرض کرکے منظوری حاصل کرلیتا یہ بہرحال، کام میں استخارۂ قلبی لازمی تھا اور آپ نے مریدین کو بھی اسی کی تعلیم فرمائی ہے۔ جس کا تفصیلی بیان انشاءاللہ آپ کی تعلیم کے باب میں آئے گا۔

آپ کے اتباع حکم سے متعلق ایک واقعہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے جس سے آپ کی پابندی حکم کا اندازہ ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۳۰۷ھ یا ۱۳۰۸ھ بلدہ حیدرآباد میں بہت شدت سے اولے برسے اولے تقریباً لیموں برابر تھے جس سے ساکنین بلدہ بخوبی واقف ہیں کہ بہت سارے مکان تباہ ہوگئے۔ جانی نقصان بھی ہوا سینکڑوں کھیت برباد ہوگئے کہتے ہیں کہ اس روز اولے برسنے سے پیشتر آپ صحن مسجد میں رونق افروز تھے، آپ کے

چہرہ کا رنگ بار بار متغیر ہوتا جارہا تھا معلوم ہوتا تھا کہ آج آپ ضرورت سے زیادہ پریشان ہیں یکایک آپ نے آسمان کی جانب نظر کی ہاتھ سے قطب کی جانب اشارہ کرکے فرمایا دیکھو وہ اولے آتے ہیں حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ فرماتے تھے کہ اس اشارہ کے ساتھ ہی اولے برسنے لگے۔ اور اس قدر شدت سے برسے کہ مکانوں کی کویلو چور چور ہوگئی جانور مر گئے بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ گئے بہت سا سامان تلف ہوگیا۔ سڑکوں پر تمام رات ڈھیر لگی رہی سواریوں کا گزرنا دشوار تھا دوسرے روز صبح میں صفائی کی جانب سے بنڈیاں آئیں اور پھاوڑے سے کھینچ کھینچ کر راستہ صاف کیا گیا۔ اس وقت آپ مسجد میں بے قراری کے عالم میں ٹہلتے جاتے کبھی مسجد کے کھم سے لپٹ جاتے کبھی کسی دیوار سے جا لگتے بہرحال دیکھنے سے غیر معمولی اضطراب کی کیفیت معلوم ہوتی تھی ایک عرصہ تک یہی عالم پریشانی رہا۔ اس وقت جو حاضر خدمت تھے حیران و پریشان تھے کہ نہیں معلوم کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں آپ اتنے مضطر ہیں؟ تھوڑی دیر بعد آپ صحن مسجد میں زیر سما نکل پڑے آپ کو باہر نکلتے دیکھ کر آپ کے بھائی مکی میاں صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میں بھی نکل گیا۔ اطراف اولے برس رہے تھے لیکن حضرت کے جسم مبارک پر اور آپ کے طفیل سے مجھ پر بھی ایک اولا نہ پڑا اس وقت آپ نے بچشم پرنم آسمان کی طرف ملاحظہ کیا۔ اور فرمایا کہ "میں نے بغیر تیرے حکم کے پانی تک نہیں پیا ہے اب تیری مرضی جو چاہے کر" اس کے بعد تھوڑی دیر توقف کرکے اب اولے کم ہوگئے۔ فرماتے ہوئے پھر صحن مسجد میں لوٹے۔ کہتے ہیں کہ اس ارشاد کے ساتھ ہی اولے موقوف ہوگئے۔ اس کے بعد آپ مکان میں تشریف لائے۔ اور ارشاد فرمایا کہ "مجھے سردی معلوم ہورہی ہے کچھ اڑھا دو"

چار چار رضائیاں آپ پر ڈالی گئیں اور چار چار آدمی آپ کو دبا رہے تھے لیکن اس کے بعد بھی آپ زمین سے برابر چار چار انگل اچھل رہے تھے تقریباً آدھ گھنٹہ تک جاڑے کی یہی شدت رہی اس کے بعد آپ کو سکون ہوا اٹھے اور فرمایا کہ آج جلال ایزدی جوش پر تھا مگر الحمدللہ کہ فضل ہوگیا۔

اس واقعہ کی حضرت قبلہ مدظلہٗ بھی اپنے عم محترم حضرت مولنا کلی میاں صاحبؒ سے روایت فرماتے ہیں اور حضرت مولنا حسرت مدظلہٗ سے بھی اس کی روایت ہے، مولنا حسرت مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اس روز میں بھی حاضر تھا اور جب حضرت صحن مسجد میں زیر سما رونق افروز ہوئے تو میں بھی ساتھ نکلا تھا لیکن آپ کے طفیل سے میں بھی محفوظ رہا۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ بیان فرماتے ہیں کہ برہنہ صاحب نامی ایک پیر بھائی (جو حضرت ہی سے بیعت تھے) بیان کرتے تھے کہ محلہ شکر گنج میں خورشید جاہی علاقہ کے ایک باغ کو میں نے پن سے حاصل کیا تھا (مخفی مباد کہ یہ باغ اب بھی باقی ہے گو برہنہ صاحب کو چھوڑے اور انتقال کئے زمانہ گزرا لیکن اب بھی محلہ میں انہیں کے نام سے برہنہ صاحب کا باغ کہلاتا ہے) اس میں کچھ میوے کے درخت بھی لگائے تھے منجملہ اور درختوں کے چند پپائی کے درخت بھی تھے۔ میں نے دل میں خیال کیا تھا کہ ان پپائی کے درختوں میں سب سے پہلے جو پپائی نکلے گی وہ حضرت کی خدمت میں نذر گزرانوں گا کیونکہ میوؤں میں حضرت کو پپائی بہت مرغوب خاطر تھی چنانچہ ایک درخت کو سب سے پہلے بار آیا ایک پپائی لگی میں اپنی نذر کے خیال سے اس کے تیار ہونے کا منتظر تھا ابھی توڑنے کا وقت بھی نہیں آیا تھا کہ یہ اولے

برسے تمام درخت تباہ ہوگئے پھول پھل سب گر گئے حتیٰ کہ درختوں پر ایک پتہ بھی باقی نہ رہا لیکن اس تمام باغ میں صرف ایک اسی درخت پر وہی پپائی باقی رہی جو حضرت کی نذر کے لئے رکھی گئی تھی۔ جب اولے برس کر موقوف ہوئے تو چونکہ صدہا اصحاب کا مالی نقصان ہوا تھا اس لئے حضرت بھی اہل محلہ کی خبرگیری کے لئے مکان سے نکلے ہر ایک کے مکان پر پہنچکر حالات دریافت کئے اسی طرح اس باغ میں بھی رونق افروز ہوئے تمام باغ کو ملاحظہ فرما کر تباہی پر اظہار تاسف فرمایا میں نے فوراً بڑھ کر وہ پپائی توڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کی تمام واقعہ بھی عرض کیا آپ نے تبسم فرماتے ہوئے اس طرح نذرانہ کو قبول فرمایا۔

سبحان اللہ۔ جو میوہ محض اس ذات گرامی صفات سے نذر کی نسبت رکھنے کی وجہ سے آفات آسمانی سے محفوظ رہا ہو تو پھر اس کے غلاموں کو تو کچھ اس سے زیادہ ہی توقع رکھنی چاہیئے۔

زہرہ بی صاحبہ پروردہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ اسی طرح حسب عادت آپ مکان سے تشریف لے گئے چار پانچ روز گزر گئے گھر میں پیرانی بی صاحبہ سخت پریشان تھیں آپ کے عزیز بھائی مریدین جابجا تلاش میں سرگردان تھے ہرچند تلاش کی مگر پتہ نہ ملا ان ہی دنوں میں ایک روز میں نے ایک بلی کو لکڑی سے مارا لکڑی ایسی زور سے پڑی کہ بلی مر گئی گھر کی تمام بوڑھی عورتوں نے مجھے ڈرانا شروع کیا کہ "بلی کے بھیس عموماً جنات پھرا کرتے ہیں" "تم نے بلی کو کیوں مارا وہ بلی نہیں تھی بلکہ جن تھا اب رات کو تمھاری گردن دبوچے گا وغیرہ" ان باتوں کے سننے سے میں حواس باختہ تھی جیسے جیسے دن گزرتا جا رہا تھا میں اپنی زندگی کی آخری

گھڑیاں سمجھ رہی تھی۔ حضرت بھی تشریف فرما نہ تھے کہ عرض معروض کر سکتی، یکایک مغرب کے قریب حضرت مکان میں رونق افروز ہوئے اور میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ "ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں کسی کی کیا مجال ہے کہ ہمارے آدمی کی جان لے سکے جو اس طرح کہتے ہیں دیوانے ہیں" حالانکہ آپ کے سامنے کسی نے اس کا تذکرہ بھی نہ کیا تھا اور نہ اس تمام واقعہ کی اطلاع تھی اس ارشاد کے ساتھ ہی مجھے تسلی ہو گئی اور تمام بدحواسی جاتی رہی۔

محویت آپ بعض اوقات گھنٹوں مستغرق رہا کرتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس وقت آپ کو اس عالم کی مطلق خبر ہی نہیں ہے۔

چنانچہ مولٰنا شرف الدین صاحب قادری فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت آرام فرما رہے تھے اور میں پیر دبا رہا تھا۔ یکایک آپ نے چونک کر جیسے کہ کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کون؟ میں نے عرض کیا کہ جی غلام! فرمایا کون غلام؟ میں نے عرض کیا جی شرف الدین! فرمایا کون شرف الدین؟ میں نے عرض کیا جی سلطان شاہی والا! اس کے بعد آپ اٹھے اور مجھے غور سے ملاحظہ فرما کر فرمایا ہاں! شرف الدین ہیں۔ پھر آپ لیٹ گئے اور میں پیر دباتا رہا۔ تھوڑی دیر نہ گزری ہوگی کہ پھر اسی طرح مجھ سے آپ نے دریافت فرمایا کہ کون؟ پھر میں نے اسی طرح صراحت کی میں حیران تھا کہ آج حضرت نے کیوں اس طرح دو وقت مجھ سے دریافت فرمایا کہ اتنے میں پھر اسی طرح تیسری مرتبہ دریافت کیا گیا۔ میں نے پھر اسی طرح عرض کیا۔ تب تو میں سمجھ گیا کہ اس وقت حضرت کسی اور خیال میں مستغرق ہیں۔ اور میں پیر دبا رہا تھا کہ آپ کے خادم میمن عبداللہ صاحب میوہ فروش

آ گئے انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ نماز عشا سے فارغ نہیں ہوئے ہیں۔ جائیے نماز پڑھ لیجئے اس وقت تک میں اس خدمت کو انجام دیتا ہوں میں بہت خوب کہکر اٹھا اور وہ پیر دبانے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ تھوڑی دیر نہ گزری کہ مجھ سے بھی حضرت نے ایسا ہی استفسار فرمایا کہ کون ؟ میں نے عرض کیا جی خادم عبداللہ فرمایا کون عبداللہ؟ میں نے عرض کیا میوہ فروش ؟ فرمایا کون میوہ فروش میں نے عرض کیا چار کمان والا! اسکے بعد آپ اٹھے اور غور سے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ تم ہو اور پھر آرام فرمائے اسی طرح میرے نماز سے فارغ ہونے تک تین دفعہ ان سے بھی استفسار فرمایا۔

ایک اور واقعہ بھی صاحب موصوف ہی سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسب عادت باہر تشریف لے گئے اور مکان کو تشریف ہی نہیں لائے سب کے سب حیران و پریشان تھے۔ نو یا دس روز بعد دولت سرا کو واپس تشریف فرمائی ہوئی۔ آپ کے موئے مبارک و قدم مبارک گرد آلود تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی دور دراز مقام سے تشریف لا رہے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ نہیں معلوم حضرت کہاں سے تشریف لا رہے ہیں اور نو دس روز سے کچھ تناول بھی فرمائے ہیں یا نہیں طبیعت پست ہوگئی ہوگی۔ جب میں نے دل میں یہ خیال کرتے ہوئے بڑھ کر قدمبوسی حاصل کی تو ارشاد ہوا کہ حضرت بابا شرف الدین صاحب رح کی پہاڑی کو جانے نکلا تھا لیکن ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر آیا پہاڑی ملی ہی نہیں۔ آخر شمس آباد جا کر بابا شہاب الدین صاحب رح کی پہاڑی پر فاتحہ پڑھ کر آ رہا ہوں۔ اس کے بعد فرمائے تم خیال کرتے ہو کہ میں نو دس روز سے کچھ کھایا نہیں۔ اس لئے طبیعت پست ہوگئی ہوگی۔ نہیں! میری طبیعت بحال ہے

اور کھانے کی مطلقاً اشتہا بھی نہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ شرف الدین! اب کھانے میں کچھ مزا بھی نہیں ملتا حکم ہوتا ہے کھاؤ تو جبراً کھا لیا کرتا ہوں۔

حضرت قبلہ مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "دیکھیں چلتے ہو" میں نے عرض کیا جی کہاں فرمائے "جمیل اللہ شاہ داتا کی مزار پر جائیں گے۔" (جو پل قدیم کے نیچے واقع ہے اور جہاں حضرت اکثر تشریف لیجایا کرتے تھے۔ مخفی مبادکہ آپ بلدہ کے بزرگان دین کے منجملہ ان چار مقام یعنی حضرت قطب الہند مولانا **شجاع الدین** صاحب قبلہؒ کے گنبد شریف اور حضرت بابا شرف الدین صاحب کی پہاڑی شریف، حضرت سید احمد بادیا رحمۃ اللہ علیہ و حضرت جمیل اللہ شاہ داتا علیہ الرحمہ کے مزارات پر اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے)۔ میں جی بہت خوش ہوکر ساتھ ہوگیا اس وقت میری عمر سات یا آٹھ سال کی تھی بسا اوقات حضرت کہیں باہر تشریف لے جاتے تو مجھے ہمراہ لے لیا کرتے تھے۔ اس لئے مجھے پیدل چلنے کی بھی اچھی عادت ہوگئی تھی۔ چنانچہ اس روز بھی حضرت مکان سے تشریف لیچلے میں بھی انگلی تھامے ہوئے ساتھ تھا۔ پل قدیم گزر گیا مگر حضرت برابر چلے جارہے تھے بہت دور تک نکل گئے حتی کہ مغرب کی اذان ہوگئی۔ اس وقت آپ آبادی سے باہر ایک گاؤں تک پہنچ چکے تھے وہاں آپ نے تھوڑی دیر تک سکوت فرمایا اور ایسے تعجب سے ملاحظہ فرمانے لگے جیسے کہ کوئی خواب سے چونک کر دیکھتا ہے اس کے بعد ایک آنے والے شخص سے آپ نے مقام کا نام دریافت فرمایا اس نے جواب میں کہا کہ اس کو کوکٹ پلی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "اچھا اب شہر کو کدھر سے جائیں؟" اس نے کہا کہ جدھر سے آپ تشریف لا رہے ہیں ادھر ہی سے واپس

جائیے۔ اس جواب کے بعد آپ نے پھر مکان کا راستہ اختیار فرمایا اب چونکہ زیادہ دور چلنے کی وجہ میرے پیر شل ہو چکے تھے اس لئے میں نے عرض کیا کہ حضرت اب مجھ سے چلا نہیں جاتا تو آپ نے مجھے گود میں اٹھالیا اور وہاں سے مکان واپس تشریف لائے۔

عبداللہ خان صاحب ساکن چوک بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ چوک کی مسجد سے نوکری پر جا رہا تھا راستہ میں دیکھا کہ حضرت سید صاحبؒ کی درگاہ سے چار مینار کی جانب تشریف لے جا رہے ہیں۔ ایک چھوٹی سی تسبیح ہاتھ میں ہے آسمان کی جانب نظر ہے بازو بازو سے راستہ چل رہے ہیں میں حضرت کو دیکھ کر ایک جانب ٹھیر گیا۔ دیکھا کہ حضرت چار مینار تک تشریف لے جاکر پھر پلٹے اور پھر سید صاحبؒ کی درگاہ تک تشریف لے گئے پھر ادھر سے چار مینار کی جانب تشریف لائے اور نظر اسی طرح آسمان کی جانب تھی معلوم ایسا ہوتا تھا کہ کسی فکر میں آپ چل رہے ہیں۔ جب آپ کو میں نے اس خیال میں ادھر سے ادھر آتے جاتے دیکھا تو مجھ سے آگے چلا نہ گیا' ٹھیر گیا' اسی طرح حضرت رح تین چار مرتبہ سید صاحبؒ کی درگاہ سے چار مینار تک تشریف لے جاتے اور تشریف لاتے رہے۔ اس کے بعد جب استغراقی کیفیت میں کمی ہوئی اور میری جانب آپ کی نظر پڑی تو فرمایا کہ "جاؤ! جاؤ! تمہاری حاضری کا وقت ہے"۔ اس ارشاد کے بعد میں ٹھیر نہ سکا نوکری پر چلا گیا نہیں معلوم کہ پھر حضرت کب واپس تشریف لے گئے۔

حضرت کا اثر

یوں تو ہر شخص کو اپنے شیخ سے عقیدت و محبت ہوتی ہے اور اپنے شیخ کو زبردست جانتا ہے اور اسی طرح جاننا بھی چاہئے کیونکہ تاوقتیکہ اعتقادی کیفیت قوی نہ ہو باران فیوض دشوار ہے اسی لئے غیروں کی تعریف زیادہ تر قابل توجہ ہوتی ہے۔

"عطر آنست کہ خود ببوید"

آفتاب عالمتاب کے نور کا ہر شخص قائل ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا اس میں بھی عوام کی تعریف وقیع نہیں سمجھی جاسکتی کیونکہ انھیں اس کی کیا تمیز۔ ع

"قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری"

عالم کا مرتبہ ٔ علم ٗ عالم سے پوچھو کسی طبیب کی حذاقت کا حال طبیب کی زبان سے مستند تر ہے کسی صناع کی مہارت وصفائی دوسرے صناع کی زبانی باوجود حریف وہم پیشہ ہونے کے اگر ہو تو بہت قابل لحاظ ہو جاتی ہے۔ دوسرے ناواقف لوگ اسے کیا جانیں اس لئے حضرت کے متعلق آپ کے اُن ہم عصر شیوخ کے اقوال ناظرین کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں جو بلدہ کے مشہور و ممتاز ہستیوں میں شمار کئے جاتے ہیں جن کے کشف وکرامات وحقانیت وللہیت کا سکہ قلوب پر چھایا ہوا ہے کہ ان کو حقیقتہً "شموس دکن" کہا جائے تو وہ اس کے مستحق ہیں۔ اسی سے آپ کی عالی مرتبی وشان کا اظہار ہوگا۔

کہ آپ کو اپنے طبقہ میں کیا امتیاز خاص حاصل تھا۔ ہم ذیل میں کچھ ایسے واقعات بیان کریں گے کہ جس سے ظاہر ہوگا کہ آپ کے ہم زمانہ گر بلحاظ سن کچھ متقدم بزرگوں پر آپ کا کیا اثر تھا یا ہم زمانہ لیکن باعتبار عمر کچھ متاخر حضرات نے آپ کے بارے میں کیا خیال ظاہر کیا اور غیر جنس یعنی جنات وغیرہ پر آپ کا کیا اثر تھا تا کہ وابستگان دامن اس سے بھی ناواقف نہ رہیں۔

ہم عصر شیوخ پر اثر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک محفل سماع میں تشریف لے گئے جہاں حضرت مرزا سردار بیگ صاحبؒ بھی تشریف رکھتے تھے جب محفل سماع گرم ہوئی تو حضرت مرزا صاحبؒ کے ایک مرید پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی انہوں نے اپنے مرشد کو نذر گزرانی حضرت مرزا صاحبؒ نے ان کا ہاتھ اسی طرح تھامے ہوئے آپ کی خدمت میں نذر پیش کی اور آپ نے روپیہ لے کر قوال کو دیا جب محفل برخواست ہوئی تو حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ "جس محفل میں خواجہ میاں صاحب موجود ہوں اس محفل میں کسی دوسرے کو نذر لینے کی مجال نہیں" اس واقعہ سے اگر حضرت کی شان عظمت کا اظہار ہوتا ہے تو حضرت مرزا صاحبؒ کی رتبہ شناسی حقانیت و بے نفسی و للٰہیت بھی ہویدا ہو رہی ہے۔ آپ کو حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ رح سے بھی بیحد محبت تھی اور وہ اکثر آپ کی تعریف فرمایا کرتے اور آپ بھی اکثر وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ جب کبھی آپ تشریف لے جاتے تو حضرت محمد شاہ صاحبؒ سروقد تعظیماً اٹھ کھڑے ہوتے اور چند قدم آگے بڑھ کر استقبال کرتے خواہ سادہ وقت ہو یا محفل سماع چنانچہ متعدد دفعہ ایسا ہوا کہ آپ ان کے پاس سماع کی محفل میں تشریف فرما ہوئے۔ اور نظر بچا کر

پیچھے ہی بیٹھ گئے لیکن جب حضرت بانی مجلس علیہ الرحمہ کو آپ کے آمد کی اطلاع ملی تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو صدر مجلس میں لے جا کر بٹھایا اور اکثر مریدین سے فرمایا کرتے کہ "حضرت خواجہ میاں صاحب بڑے زبردست شیخ ہیں" حضرت مسکین شاہ صاحب علیہ الرحمہ بھی اکثر اپنے مریدین سے حضرت کی تعریف فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت مولٰنا احمد خیرالدین صاحب صدیقی (جو بلدہ کے مشہور و معروف واعظ تھے) کے وعظ میں تشریف فرما ہوئے حضرت کی عادت شریف تھی کہ اکثر آپ کے وعظ میں تشریف لیجاتے اور آپ کے وعظ کو "بہت پسند فرماتے تھے" مولانا ممدوح نہ صرف واعظ و عالم تھے بلکہ صاحب دل و صاحب کیف بھی تھے۔ آپ کے پاس کی مجالس وعظ بھی بہت خاص ہوتیں محفل میں ایک خاص کیف رہتا تھا۔ مولٰنا ممدوح کو حضرت مسکین شاہ صاحبؒ سے بیعت تھی اور اپنے پیر کے عاشق صادق بھی تھے۔ اس لئے آپ کے پیر یعنے حضرت مسکین شاہ صاحبؒ اکثر وعظ میں تشریف رکھتے چنانچہ اس روز جب آپ تشریف فرما ہوئے تو حضرت ممدوح بھی تخت پر موجود تھے۔ آپ محفل میں ایک جانب بیٹھ گئے اثنار وعظ میں آپ پر : جدائی کیفیت طاری ہوئی حسب عادت شریف آپ نے چوغلہ کے بند کو حرکت دینی شروع کی جوں ہی ادھر بند کو حرکت شروع ہوئی، ادھر محفل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوا چیخ پکار مچ گئی واعظ صاحب روتے روتے بیہوش ہو گئے سامعین میں ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی اس کے بعد آپ نے وہاں سے برخاست فرمایا ختم وعظ کے بعد مولانائے موصوف نے اپنے مرشد سے عرض کیا کہ حضرت آج کی کیفیت بہت خاص تھی تو حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہ نے فرمایا کہ :-

"یہ تمام خواجہ میاں صاحب کی برکت تھی جو اس طرح خیر و برکت محسوس ہو رہی تھی"۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ کے فاتحہ سوم کے روز سب کو کھانا کھلایا گیا، تین بلہ کی پخت ہوئی تھی آپ کے تینوں بھائیوں کے مکانوں میں دسترخوان بچھائے گئے تھے صبح سے کھانا مسلسل کھلایا جا رہا تھا۔ دوپہر میں حضرت سید شیخن احمد صاحب قبلہ شطاری رحمۃ اللہ علیہ واپس تشریف لے جاتے ہوئے دریافت فرمایا کہ کھانا کب سے کھلایا جا رہا ہے؟ کتنی پخت ہوئی تھی؟ تمام واقعات جب عرض کئے گئے تو آپ کے آنکھوں میں آنسو ڈب ڈبا گئے آپ نے بچشم پرنم مزار شریف کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ"

"آہ خواجہ میاں تم کو کوئی سمجھ نہ سکا"۔

حضرت جعفر صاحب میاں مجذوبؒ سے بلدہ کا ہر فرد بشر بخوبی واقف ہے (جو حضرت ہی کے ہم عصر ہیں) آپ کے کشف و کرامات کے متعدد واقعات اس دور کے لوگوں میں زبان زد خاص و عام ہیں مجذوبین میں آپ بہت ممتاز تھے۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت جعفر صاحب مجذوبؒ اکثر و بیشتر ہمارے پاس آتے تھے کیوں کہ ہم سے ایک خاص خلوص کی کیفیت بھی بعض دفعہ راتوں میں یہیں قیام بھی فرماتے ایک دفعہ حضرت کے وصال کے بعد جعفر صاحبؒ میاںؒ ہمارے پاس تشریف لائے رات یہیں قیام کیا صبح اٹھنے کے بعد میں نے کہا کہ "میاں! ناشتہ تیار ہے کھانے سے فارغ ہو کر تشریف لے جائیے" تو کہنے لگے نہیں میاں! میں اپنی اماں کے مزار پر جو سید علی کے چبوترہ کے پاس ہے فاتحہ پڑھ کر

آتا ہوں اس کے بعد ناشتہ کرونگا" جعفر صاحب میاںؒ کی عادت تھی کہ دس دس منٹ کو ایک ایک قدم اٹھاتے منٹوں کا راستہ گھنٹوں میں طے ہونا مشکل تھا اس لحاظ سے میں نے بایں خیال کہ اب ان کو جاکر فاتحہ پڑھ کر واپس ہونے صبح کی شام ہو جائے گی۔ اصرار سے کہا کہ "نہیں میاں ناشتہ کرکے جائیے"، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوے اور یہی کہا کہ "نہیں میاں! میں پہلے جاکر آتا ہوں" میں آخر خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ جانے نکلے اور میں حضرت کی مزار شریف پر صفائی میں معروف ہو گیا رات میں جعفر صاحب میاںؒ نے حضرت کی مزار مبارک کے پائین کے دالان میں آرام فرمایا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھے حسب عادت ایک ایک قدم تولتے ان کو سیڑھیوں تک آنے میں تقریباً ایک آدھ گھنٹہ ہو گیا۔ اس اثنا میں میں بھی درگاہ شریف پر چاوری دیتے ہوئے ان کے مقابل تک پہنچ گیا۔ چاوڑی دیتے ہوئے میں اپنی دھن میں تھا اور ایک کیف طاری تھا جب ان کے مقابل آیا تو حضرت کے مزار مبارک کی جانب رخ کرکے میں نے یہ شعر پڑھا ؎

عجب مزہ ہے جو دیکھے مقام خواجہ کا　　　حضور دل سے ادا ہو سلام خواجہ کا

اس کے بعد پھر اپنی کیفیت میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس وقت تک جعفر صاحب میاںؒ سیڑھیوں تک آگئے تھے جوں ہی مجھ سے یہ شعر سنا فوراً دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ آنکھیں بند کرلیں صبح سے اس حالت میں جو کھڑے رہے تو شام ہو گئی اب نہ فاتحہ ہی کو جاتے ہیں، اور نہ کھانا ہی کھاتے ہیں، آنکھیں بند ہیں، مزار کی جانب رخ دست بستہ سلام ہو رہا ہے۔

سبحان اللہ۔ کیا حضور دل ہے اور کیا سلام ادا ہو رہا ہے۔

آنکھ والے ترے جوبن کا تماشہ دیکھے　　دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

بزرگانِ سلف پر اثر

حضرت قبلہ مدظلہٗ بروایت عبدالرزاق صاحب (جو حضرت ہی کے خادمین سے تھے) فرماتے ہیں کہ تو تیلے عبدالرزاق صاحب مالیگاؤں کی جاترہ میں کچھ جانور خریدنے کی غرض سے جا رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ واپسی میں قندہار شریف میں حضرت حاجی سعیدالدین سرور سیاح رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر بھی حاضر ہوں۔ حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر سفر کی اجازت چاہی تو آپ نے انھیں اجازت دی اور فرمایا کہ "جس وقت تم حضرت حاجی سرور سیاح رح کے مزار مبارک پر حاضر ہوں تو ہماری جانب سے بھی سلام کہنا"۔ وہ بلدہ سے نکلے اور خرید و فروخت سے فارغ ہو کر حضرت حاجی سرور سیاح رح کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ جس وقت میں پہنچا اس وقت گنبد شریف میں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ اور اطراف میں بھی کوئی نظر نہ آتا تھا۔ میں نے اندر حاضر ہو کر فاتحہ گزرانی اس کے بعد عرض کیا کہ "حضرت! میرے پیر و مرشد قبلہ نے بھی سلام فرمایا ہے"۔ ادھر میری زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ادھر بہ آواز بلند جواب ملا "وعلیہ السلام" میں حیران و پریشان ہوا کہ گنبد شریف میں تو اس وقت سوائے میرے کوئی موجود نہیں یہ آواز کیسی؟ فوراً میں باہر نکلا اور اطراف پھر کر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا میں سمجھ گیا کہ غالباً صاحب گنبد علیہ الرحمہ ہی نے ہمارے حضرت کے سلام کا جواب ادا فرمایا ہے۔ خیر۔ قدمبوس ہو کر میں وہاں سے رخصت ہوا۔ اور اپنے مکان آیا۔ یہاں آنے کے بعد جو جانور خرید کر لایا تھا اس کی دیکھ بھال اور انتظامات میں مصروف رہا۔ دو تین روز تک حضرت کی خدمت میں حاضری کا موقع نہ مل سکا۔

اس کے بعد ایک پیر بھائی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ دو تین روز سے حضرت پیرو مرشد قبلہ یاد فرما رہے ہیں تم آئے نہیں؟ میں نے ان سے اپنی مصروفیات کا ذکر کیا کہ اس وجہ سے میں حاضر نہ ہو سکا۔ اس کے بعد مجھ سے رہا نہ گیا اسی روز حاضر خدمت ہوا اتفاق سے حضرت باہر ہی رونق افروز تھے جوں ہی مجھے ملاحظہ فرمایا مسکراتے ہوئے ارشاد فرمانے لگے کہ "اجی! تم نے ہمارا سلام پہنچایا؟" میں نے عرض کیا پیرومرشد! جی ہاں! یہ یہ واقعہ ہوا۔" آپ نے پھر اسی طرح تبسم فرماتے ہوئے جواب دیا کہ ہاں! "ہمارے سلام کا جواب ہم کو مل گیا!"

بزرگانِ متاخرین پر اثر

مولانا مفتی میر اشرف علی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت دلہن بی صاحبہ مجذوبہؒ جو حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب مجذوبؒ کے خاص دیکھنے والوں میں سے تھیں اور موجودہ دور میں بہت ممتاز حیثیت رکھتی تھیں ان کے پاس اکثر و بیشتر میں جایا کرتا تھا اور وہ بھی مجھ پر بڑی عنایت کرتیں جب جاتا تو مٹھائی پان وغیرہ سے میری تواضع فرماتیں اور "چھوٹے شائق" کے لقب سے یاد کرتیں۔ میں اکثر ان سے اِدھر کی اُدھر کی باتیں کیا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ میری باتوں کو بہت خوشی سے سنتی تھیں اور جو کہتا اکثر منظور بھی فرمایا کرتیں۔ ایک دفعہ میں نے ان سے خاندانی حضرات یعنی حضرت احمد علیشاہ صاحب قبلہ و حضرت مکی میاں صاحب قبلہ و حضرت سید عمر صاحب قبلہ علیہم الرحمہ کے حالات دریافت کئے کہ یہ حضرات کیسے تھے تو ہر ایک کے متعلق جواب دیتی تھیں کہ بہت اچھے لوگ تھے۔ خدا کے محبوبین میں سے تھے وغیرہ سب کے آخر پر میں نے حضرت سیدی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہٗ کا ذکر چھیڑا کہ حضرت خواجہ میاں صاحب قبلہ کیسے بزرگ تھے انہوں نے

سنکر تھوڑی دیر سکوت اختیار کیا اور اپنی پیشانی پرانگلی سے ملتے ہوئے غور کرنے لگیں اس کے بعد کہا کہ" وہ بڑی شان کے بزرگ تھے ان کی حکومت جن وانس پر ہی نہیں بلکہ فرشتوں پر بھی تھی"۔

سبحان اللہ۔ ان واقعات سے حضرت کی شان وکیفیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ کیا شان تھی۔ ع

کون سمجھے گا تمہیں کس کی مجال

جنات وشیاطین پر اثر

جنات وشیاطین پر آپ کی حکومت تھی اور یہ سب آپ کے زیر اثر تھے جس کسی پر آسیبی کوئی اثر ہو آپ دم فرما دیتے تو فوراً چلا جاتا۔ آج تک بھی آپ کا نام پڑھ کر جس کسی آسیب زدہ پر دم کیا جاتا ہے اکثر فوراً صحت ہو جاتی ہے۔ آپ کے معالجات کا بیان علیحدہ تفصیل سے آئیگا۔ یہاں ہم صرف وہ واقعات پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ جنس غیر خاکی بھی آپ کی والہ وشیدا تھی اور آپ کی غلامی کا طوق ان کی گردنوں میں بھی پڑا تھا۔

زہرہ بی صاحبہ پروردہ بیان کرتی ہیں کہ مدینہ طیبہ میں اپنے قیام گاہ پر حضرت وعظ فرمایا کرتے تھے محفل وعظ میں اکثر اہل مدینہ ومہاجرین شریک رہتے حضرت مکان کے نچلے حصہ میں مقیم تھے بالاخانے خالی تھے۔ جب وعظ شروع ہوتا تو اکثر میں دیکھتی کہ بالاخانہ کی کھڑکیوں سے بعض عورتیں سفید چادریں اوڑھی جھانک رہی ہیں۔ چونکہ میری کمسنی کا زمانہ تھا اکثر ایسا ہوتا کہ ان کے دیکھنے پر میں دوسرے لوگوں سے کہتی کہ دیکھو! وہ دیکھ رہی ہیں یہ آواز سنتے ہی وہ ہٹ جاتیں اور پھر جب سب لوگ مشغول ہو جاتے تو پھر اسی طرح دیکھا کرتیں۔ آخر جب حضرت کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے مجھے "ڈانٹا" اور فرمایا کہ

وہ لوگ وعظ سننے آتے ہیں تو کیوں ان کو تاتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عبداللہ صاحب نامی ایک جن تھے جن کو حضرت سے بیعت حاصل تھی وہ اجازت سے آپ کے مکان کے ایک حصہ میں مقیم تھے۔ یہ ایک عرصہ تک یہیں مقیم رہے راتوں میں جب سب لوگ سو جاتے یہ مکان میں پہرہ دیتے رہتے متعدد دفعہ ایسا ہوا کہ پیر بہنوں میں سے بعض پیشاب وغیرہ کو اُٹھتیں تو ان کو کبھی پیش دالان میں کبھی صحن میں بیٹھا پاتیں چونکہ سب واقف تھے اس لئے سب ان کو پیر بھائی کہکر پکارتیں آواز سے کہدیتیں کہ "پیر بھائی ہٹ جاؤ" تو وہ فوراً وہاں سے ہٹ جاتے کبھی کوئی نادانی سے بلا آواز دئے آجاتا تو یہ خود اشارہ سے ہٹا دیتے اور پھر خود وہاں سے چلے جاتے۔ ایک عرصہ تک یہ یہیں رہے بعد میں ان کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

یہ روایت متعدد اصحاب سے اسی طرح ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ایک خادم مغل صاحب حوالی بلدہ میں کسی قریبی گاؤں میں اپنے سسرال کو جایا کرتے تھے ایک دفعہ وہ تنہا گاؤں کی طرف ذکر خفی کرتے چلے جارہے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ بیچ جنگل میں ان کو ایک صاحب ملے۔ اور کہا کہ آپ کو ہمارے سرکار یاد کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے چلئے۔ انہوں نے کہا کہ "کہاں؟" تو جواب ملا کہ "یہیں" جب یہ آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک نہایت عالیشان محل ہے۔ یہ حیران تھے کہ اس راستہ سے میں مدتوں آتا جاتا رہا ہوں لیکن کبھی اس محل کو نہیں دیکھا۔ یہ کس کی ڈیوڑھی ہے؟ کون نواب یہاں رہتے ہیں؟ خیر چلے تو دروازہ پر شاہانہ پہرہ چوکیاں دیکھ کر اور حیرت ہوئی۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک

تخت بچھا ہوا ہے اس پر بڑے کر و فر کے ساتھ ایک صاحب بیٹھے ہیں۔ انہوں
نے سلام کیا تو جواب دیا گیا اور ان کو بڑی عزت و احترام سے اپنے بازو
بٹھالیا۔ انہوں نے بلانے کی وجہ دریافت کی تو صاحب مذکور نے کہا کہ غالباً
آپ نے مجھے نہیں پہچانا مغل صاحب نے جواب دیا کہ معاف فرمایئے میں
واقعی اب تک نہیں پہچان سکا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں جنات کا بادشا
ہوں۔ یہ کہتے ہیں کہ اس کے سنتے ہی میرے حواس گم ہو گئے۔ میں حیران تھا
کہ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے میں کدھر آ کر پھنس گیا۔ جب ان کے چہرہ وغیرہ سے
انہوں نے خوف محسوس کیا تو بہت تسلی دی اور کہا کہ آپ کچھ فکر نہ کیجئے میں نے
آپ کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ میری ایک لڑکی ہے اور وہ آپ پر
فریفتہ ہو گئی ہے اس کی درخواست ہے کہ آپ اُسکو اپنے نکاح میں قبول کریں
یہ کہتے ہیں کہ میں اور پریشان ہوا کہ یہ کہاں کی بلا میرے سر آئی میں نے کہا کہ
میں صاحب اولاد ہوں گاؤں میں میری بی بی بچے ہیں تو اس کے جواب میں
پھر انہوں نے کہا کہ کیا ہرج ہے رہنے دیجئے۔ وہ وہاں رہیں گے یہ یہاں
رہیں گی۔ اب مجھ سے کچھ جواب بن نہ پڑا تو میں نے اچھا اس بارہ میں میں
اپنے پیر و مرشد قبلہ سے عرض کروں گا۔ اگر حضرت اجازت دیں تو میں تیار
ہوں انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کس سے بیعت ہیں مغل صاحب نے
حضرت کا نام مبارک لیا کہ حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ سے تو انہوں
نے کہا کہ وہ ہمارے بھی آقا ہیں۔ آپ بخوشی جا کر حضرت سے عرض کیجئے اگر
حضرت اجازت دیں تو پھر ارادہ فرمانا یہ بہت اچھا کہہ کر رخصت ہونے لگے

تو انہوں نے کہا کہ اب آپ کدھر جا رہے ہیں ہیں نے کہا کہ میں اپنے اہل وعیال سے ملنے گاؤں جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں اب تو آپ پہلے سیدھے حضرت پیرو مرشد قبلہ کی خدمت مبارک میں ہی حاضر ہو کر عرض کیجئے اس کے بعد مجھے جواب دے کر پھر آپ جا سکتے ہیں یہ بہت خوب کہکر حیران و پریشان وہاں سے لوٹے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت دولت سرا کے دروازہ پر ہی انتظار کرتے کھڑے تھے جوں ہی ملاحظہ فرمایا مسکرانے لگے انہوں نے تمام ماجرا عرض کیا تو فرمایا کہ ڈرتے کیوں ہو نکاح کرلو کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کرسکتا یہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے مجھے تسلی ہوئی خوف دل سے دور ہوگیا پھر تو میں شاداں وفرحاں واپس ہوا اور جا کر جواب دیا کہ میرے پیرومرشد قبلہ نے مجھے اجازت دے دی ہے اس لئے اب میں تیار ہوں چنانچہ ایک عرصہ تک انہوں نے اس جنیہ کے ساتھ زندگی گزاری لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

یہی مغل صاحب بیان کرتے تھے کہ میں نے اس لڑکی سے دریافت کیا کہ تو نے مجھے کیوں پسند کیا حالانکہ میں سن رسیدہ ہوں۔ اور ایسا خوب رو بھی نہیں تو اس لڑکی نے جواب دیا کہ اس روز تمہارے چہرہ پر ایسے انوار الٰہی تھے کہ چہرہ آفتاب سے زیادہ چمک رہا تھا پس اسی سبب میرا دل تم پر آیا۔ لیکن اب وہ بات میں تمہاری صورت پر نہیں پاتی۔

یہ واقعہ متعدد اصحاب سے مروی ہے لیکن جناب شاہ شرف الدین صاحب

اس ترمیم سے بیان فرماتے ہیں کہ اس جنیہ نے گاؤں کے راستہ میں نہیں بلکہ پنج محلہ کے نیچے مغل صاحب کو دیکھا تھا۔

جناب غلام محی الدین صاحب بیجاپوری مرحوم (جو حضرت ہی کے خادموں سے تھے) بیان کرتے تھے کہ ہم اکثر مغل صاحب سے فرمائش کرکے چکیٹی منگوایا کرتے تھے کیونکہ انکے پاس کی چکیٹی بڑی اچھی ہوتی تھی۔ بعض بعض حضرات نے ان سے عطر بھی منگوایا جب سے مغل صاحب نے اس لڑکی سے نکاح کیا تھا بہترین خوشبو کے تیل سر میں ڈالتے تھے۔ بہترین عطر ملا کرتے تھے کہ جس کی وجہ محفل میں آتے ہی محفل مہک جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان خوشبودار تیل اور بہترین عطر کی وجہ ان کی سابقہ بی بی سے پہلے پہل جھگڑے ہوتے رہے جب ان کو یہ تمام تفصیلات معلوم ہوئیں تو وہ خاموش ہوگئیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ سے شاہ جن بھی بیعت تھا چنانچہ اسی نے آپ کی خدمت میں ایک حاضرات کا نقش پیش کرکے معروضہ کیا تھا کہ جب کبھی حضرت کو مجھے یاد فرمانے کی ضرورت ہو، اس نقش کے ذریعہ طلب فرمالیں۔

چنانچہ متعدد دفعہ اس نقش کے ذریعہ طلب کیا گیا۔ اور احکام دے گئے اس نقش کا استعمال حضرت کے بعد بھی ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ کاتب الحروف بھی اس کو استعمال کرتے دیکھا ہے۔

حضرت کے پاس کی مجالس

حضرت کو سماع سے بہت دلچسپی تھی۔ پہلے آپ کے سلسلہ میں محافل سماع منعقد نہیں ہوتی تھیں آپ ہی نے اس کی ابتدا فرمائی۔ لیکن وہ بھی باالتزام کسی معینہ وقت یا مقررہ تاریخ پر نہ ہوتیں، جیسا کہ عام طور پر مشائخین کرام کے پاس مجالس سماع منعقد ہوا کرتی ہیں بلکہ جب کبھی حضرت کی طبیعت چاہتی قوال بلوائے جاتے بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ قوال آئے مگر گانا نہ ہوا۔ البتہ آپ کے بھائی حضرت ملّی میاں صاحب قبلہ رحمۃ نے باجازت اپنے پاس گیارہویں شریف کی ماہواری مجلس مقرر فرمائی تھی۔ جس میں آپ بھی تشریف فرما رہتے مگر آپ نے خود باالتزام ایسے مجالس منعقد نہیں فرمائے۔ البتہ اپنے والد ماجد کے عرس شریف کے موقع پر قوالوں کو بلوا لیا کرتے اور قوالوں میں بھی خواجہ بخش نامی قوال کا (جو پہلے بھانڈ تھا بعد میں انہوں نے اس پیشہ کو ترک کر کے قوالی گانا شروع کیا تھا) گانا بہت پسند تھا۔ اگرچہ ان کا گانا کوئی باقاعدہ نہ ہوتا مگر حضرت اس کو بہت پسند فرماتے اور "ہمارے قوال" کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر انھیں سے سنا کرتے۔

محافل سماع کا خاص رنگ رہتا جہاں بلدہ کے مشہور قوال آتے تھے وہاں بھی مجالس کا ایسا رنگ نہ رہتا جیسا کہ آپ پاس اس معمولی قوال کے گانے پر مجلس پر کیفیت طاری ہوتا۔ اکثر دفعہ ایسی حالت رہتی کہ سامعین میں کسی کو ہوش تک

باقی نہ رہتا۔ حضرت کو قوالی میں جب کبھی کیفیت طاری ہوتی تو اپنے چوبغلہ کے بند کو حرکت دینے لگتے اور آنکھ سے آنسو رواں ہو جاتے وبس۔ دوسروں کی طرح چیخنا، پچھاڑیں کھانا، یا وجد میں رقص کرنا آپ کی عادت نہ تھی۔ البتہ بعض اوقات شدت کیف میں بیچ مجلس میں تشریف رکھ کر دونوں پیر لانبے فرما دیتے۔ متعدد اصحاب روایت کرتے ہیں کہ جب کبھی آپ کیف میں اپنے چوبغلہ کے بندوں کو حرکت دینا شروع کرتے ادھر مجلس پر بھی ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ ہر شخص آپے سے باہر ہو جاتا کسی کو کسی خبر نہ رہتی۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ بندوں کی حرکت سے اہل محفل کے قلوب ہل رہے ہیں بعض بعض مجالس تو ایسی خاص ہوتیں کہ عقل حیران رہ جاتی۔ حضرت قبلہ مدظلہ بروایت حضرت کی میاں صاحب قبلہ رح فرماتے ہیں کہ حضرت اپنے والد ماجد کے عرس شریف میں اکثر خواجہ بخش قوال کو یاد فرمایا کرتے جیسا کہ ابھی اوپر ذکر کیا گیا۔ ایک دفعہ آپ کے برادر حضرت احمد علی شاہ صاحب قبلہ رح نے عرض کیا کہ "حضرت! عرس شریف کے موقع پر چند اچھی چوکیاں بھی بلوائی جائیں تو مناسب ہوگا۔" اس پر آپ نے جواب دیا کہ "اگر تمھارا جی چاہتا ہے تو بلواؤ۔ کیا میں نے منع کیا ہے جیسا میں بیٹا ہوں ویسے تم بھی ہو"۔ اس حکم پر حضرت کی اجازت سے برادر موصوف نے بلدہ کی مشہور و معروف چند چوکیوں کو بلوایا۔ حضرت کی طرف سے حسب عادت خواجہ بخش قوال حاضر تھا جب مجلس شروع ہوئی تو ابتداءً وہی مشہور و معروف چوکیاں بٹھائی گئیں جو بطور خاص بلوائی گئی تھیں۔ یکے بعد دیگرے تمام چوکیاں گا چکیں لیکن مجلس خاموش رہی کوئی ٹس سے مس تک نہ ہوا جب تمام چوکیاں ختم ہو چکیں تو آپ نے برادر موصوف

سے مخاطب ہو کر فرمایا، "کیا منجھلے میاں!" (حضرت احمد علیشاہ صاحبؒ کو آپ اسی نام سے پکارتے تھے) "تمہاری بلوائی ہوئی چوکیاں ہو چکیں" جواب میں عرض کیا کہ "جی ہاں" تو آپ نے فرمایا کہ "اچھا ہمارے خواجہ بخش کو بلواؤ۔" خواجہ بخش تو پہلے ہی سے حاضر تھا۔ گانا شروع کیا ادھر آپ نے چوبغلہ کے بندوں کو حرکت دینی شروع کی ادہر مجلس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ تمام مجلس لوٹ پوٹ گئی۔ سب پر ایک کیف بیخودی طاری تھا۔ سامعین نے حالت وجد میں اتنے کپڑے نذر کئے کہ خواجہ بخش کو بعد ختم مجلس تنہا اٹھا کرلے جانا مشکل ہو گیا۔ بعد اختتام محفل آپنے بھائی صاحب سے فرمایا کہ "تم نے دیکھا ہمارا خواجہ بخش کیسا گاتا ہے۔" بھائی صاحب نے عرض کیا کہ "یہ سب حضرت کی توجہ کا نتیجہ تھا۔" فرمایا کہ "ہاں" اچھی چوکیاں کیا کرتی ہیں؟ مجلس کا بنانا ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

اس عرس شریف کا ایک اور واقعہ حضرت قبلہ مدظلہٗ ہی سے مروی ہے کہ حضرت ملی میاں صاحب قبلہ رحمہ نے شجرہ سلسلہ قادریہ کو نظم کیا تھا اور اس کی اصلاح حضرت نے فرمائی تھی چراغوں کے روز حضرت نے حضرت ملی میاں صاحب قبلہؒ سے ارشاد فرمایا کہ "تمہارا نظم کیا ہوا شجرہ پڑھو۔" تعمیل حکم میں حضرت ملی میاں صاحب قبلہ رحمہ نے چبوترۂ درگاہ شریف پر مزار مبارک کے قریب بیٹھکر شجرہ پڑھنا شروع کیا۔ حضرت پر کیفیت طاری ہوئی اس کے ساتھ ہی مجلس پر وہ کیف طاری ہوا کہ ہر ایک از خود رفتہ تھا۔ مجالس سماع میں بھی ایسی کیفیت کبھی نظر نہیں آئی جیسی کہ اس مجلس میں تھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ عرس شریف کی مجلس میں حضرتؒ بھی تشریف فرما تھے اور آپ کے جسم مبارک پر سرخ رنگ کی چادر تھی جو غالباً

کسی پیر بھائی نے اٹھائی تھی۔ قوال نے ایک غزل شروع کی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

خون سب کا میری گردن پر سہی　　اے نگاہ یار قتل عام کر

اس شعر پر آپ کو کیفیت ہوئی چادر سر سے گر گئی اور بار بار اس شعر کو دہراتے ہوئے اٹھے۔ حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی مدظلہ فرماتے ہیں کہ اس تکرار کے ساتھ ہی مجلس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ ہر شخص مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا جدھر سے حضرت کا گزر ہوتا وہ بیخود ہو جاتا۔ آج تک بھی اس مجلس کا سماں آنکھوں میں ہے اور اس کے خیال سے بھی ایک کیف محسوس ہوتا ہے

یہ واقعہ حضرت مولانا حسرت و حضرت مولانا فضل مدظلہما سے اسی طرح مروی ہے حضرت کو حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ رح سے بہت محبت تھی حضرت موصوف کی اکثر تعریف فرماتے اور "محمد شاہ ولی" فرماتے آپ پاس کی مجالس میں اکثر و بیشتر تشریف لے جاتے (حضرت ممدوح بھی آپ کا بیحد احترام فرماتے تھے۔ جب کبھی آپ تشریف لے جاتے اور حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ رح کو اطلاع ملتی تو فوراً سرو قد تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے اور بڑھ کر آپ کو لے جاتے لیکن چونکہ آپ کو تکلفات پسند نہ تھے اس لئے اکثر اس سے بچنے کی کوشش فرماتے چنانچہ آپ کے ارشادات کے باب سے معلوم ہو گا کہ تعظیماً بار بار اٹھنے اور پیر کو ہاتھ لگانے ان تمام باتوں سے آپ نے مریدین کو بطور خاص منع فرمایا ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھے یاد فرمایا کہ "یحییٰ" چلتے ہو کہ مسجد کے پیچھے خانقاہ میں قوالی ہے جائیں گے،" میں نے بہت اچھا،

کہکر ساتھ ہوگیا مقام مجلس پر پہنچکر آپ نے فرمایا کہ یحییٰ تم اپنا جوتا لے لو میں اپنا لے لیتا ہوں۔ اور جھکے ہوئے نظر بچا کر چپکے سے قوالوں کے پیچھے جا کر تشریف رکھے مگر پھر بھی صاحب مجلس یعنے حضرت محمد شاہ صاحب قبلہؒ کی نظر پڑ ہی گئی۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو آگے تشریف لانے کے لئے توجہ دلائی۔ مگر چونکہ آپ نیچی نظر کئے تشریف رکھے تھے۔ اس لئے مریدین کے ذریعہ آگے آنے کہلوایا۔ مریدین دوڑے اور آپ کو آگے چلنے پر اصرار شروع کیا۔ مگر آپ نے اس جانب التفات ہی نہیں کیا نیچی نظر کئے بیٹھے رہے بالاخر جب اصرار حد سے زیادہ ہوا تو حضرت وہاں سے اٹھے اور تیزی کے ساتھ اپنا جوتہ لے مکان کا رخ فرمایا۔ بعض دفعہ حضرت محمد شاہ صاحب قبلہؒ کے اصرار پر مجلس میں آگے جا کر بھی تشریف رکھے ہیں۔ جب کبھی آپ تشریف لے جاتے مجلس میں عجیب کیف رہتا۔ چنانچہ ایک وقت کا واقعہ ہے کہ اسی خانقاہ کی مجلس میں آپ حسب عادت نظر بچا کر قوالوں کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے۔ اور مجلس خوب گرم ہوئی مکہ مسجد کے عقبی حصہ میں منڈیر پر خلق اللہ کا ہجوم تھا۔ اس میں ایک مجذوب صاحب بھی تھے انہوں نے چیخنا شروع کیا کہ "ارے دل جلا آیا اور مجلس میں آگ لگادی" تھوڑی دیر اسی طرح آپ مجلس میں تشریف رکھے رہے اس کے بعد مراجعت فرمائی کیپٹن جلیب علی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت لالہ میاں صاحب قاضی پیٹھ والے سے سنا۔ فرماتے تھے کہ اس وقت میں مکہ مسجد کے عقبی حصہ میں خانقاہ کی مجلس دیکھتا کھڑا تھا میرا شباب کا زمانہ تھا۔ میرے بازو ہی وہ مجذوب موجود تھے جنہوں نے حضرت کے متعلق یہ الفاظ فرمائے اسی وقت سے

مجھے حضرت کی عظمت وشان کا علم ہوا۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ مجھے کم سنی ہی میں عم محترم حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ نے تجوید پڑھائی تھی آواز بھی کچھ اچھی تھی متعدد مقامات پر میری قرارت ہوئی۔ ایک دفعہ حضرت دادا پیر صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے ختم شریف کے روز حضرت نے مجھے 'اٰمَنَ الرَّسُوْلُ' پڑھنے کا حکم دیا میں حضرت کے بازو ہی بیٹھا تھا بہ تعمیل حکم میں نے 'اٰمَنَ الرَّسُوْلُ' کی تلاوت کی مجلس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ حاضرین مجلس سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس کے آنکھ سے آنسو نہ رواں ہوگئے ہوں، حتیٰ کہ باوجود کمسنی کے میں خود بھی متاثر ہو کر رو رہا تھا۔ اب بھی جب غور کرتا ہوں ایک لطف آتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سے جس کسی محفل میں عم مکرم حضرت سید احمد علیشاہ صاحب قبلہ رح تشریف رکھتے اور میں بھی ہوتا تو ختم کے موقع پر چچا حضرت ممدوح 'امن الرسول' پڑھنے کے لئے مجھ ہی کو ارشاد فرمایا کرتے اور غالباً اس وقت کے کیف سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے عبدالحلیم صاحب مرحوم (جنکو حضرت سے بیعت تھی) بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ قوال موجود نہ تھے تو آپ نے نعت پڑھنے کیلئے مجھے حکم دیا میں اور میرے ساتھ دو اور صاحب نے ملکر نعت خوانی شروع کی مجلس پر وہ کیف طاری ہوا کہ سب لوٹ پوٹ گئے۔ لوگوں نے بہت کپڑے نذر کئے۔ جب محفل برخاست ہوئی تو میں ان تمام کپڑوں کو لے جاکر حضرت کے سامنے پیش کیا کہ ان کپڑوں کو کیا کروں حضرت ہی اس کا انتظام فرما دیں تو آپ نے تھوڑے سکوت کے بعد جن کے کپڑے تھے انھیں کو واپس فرمادئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ربعین میں آپ وعظ بھی فرمایا کرتے تھے وعظ کی

محفل بھی بہت خاص ہوتی۔ گو آپ کا طریق وعظ فرمائی عام واعظین کی طرح نہ ہوتا تھا بلکہ کتاب کی عربی عبارت پڑھکر صرف لفظی ترجمہ فرماتے تھے لیکن اس ترجمہ میں بھی ایسا اثر ہوتا کہ ہر شخص کا دل پگھل جاتا تھا۔

مولوی سید احمد صاحب مرحوم (جن کو حضرت ہی سے بیعت تھی) بیان کرتے تھے کہ میرے ایک عزیز قادر علیصاحب وکیل قوالی پر بہت اعتراض کرتے اور کہتے کہ وجد میں جو لوگ لوٹتے اور رقص کرتے ہیں یہ سب سوانگ ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں حقیقی وجد یہ ہے کہ انسان پر کیف طاری ہوا کچھ رو لیا آنکھ سے آنسو نکلے بس۔ اس طرح چیخنا چلانا، ہچکیاں کھانا، ناچنا، کودنا سب بیہودگی میں داخل ہے۔

سید احمد صاحب مرحوم کہتے تھے کہ ان کے اس قسم کے اعتراضات پر اکثر مجھ سے بحث وتکرار رہتی بحث میں وہ تجاوز کر کے بعض دفعہ مرشدین پر بھی اعتراض کر جاتے تھے۔

ایک دفعہ میں اور وہ ملکر ایک مقام سے چلے آرہے تھے اس روز حضرت دادا پیر صاحب قبلہ قدس سرہٗ یعنے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے والد ماجد کا عرس شریف تھا میں نے قادر علیصاحب سے کہا کہ آج قاضی پورہ میں ہمارے حضرت قبلہ کے ہاں عرس شریف ہے چلئے تھوڑی دیر شرکت کر کے چلینگے تو انہوں نے پہلے تو تامل کیا کیونکہ ان کو ایسی مجالس سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی جب میں نے اصرار کیا تو راضی ہوئے مگر اس شرط سے کہ زیادہ نہ ٹھیریں گے غرض وہ اور میں ملکر حاضر ہوئے اس وقت چبوترۂ درگاہ شریف پر مجلس ہو رہی تھی

حضرت قبلہ تشریف فرما تھے۔ ہم دونوں ایک جا بیٹھ گئے۔ جوں ہی حضرت کی نظر پڑی آپ نے غور سے قادر علی صاحب کو ملاحظہ فرمایا اس کے ساتھ ہی قادر علی صاحب پر کیفیت طاری ہوئی اور اس شدت کی کہ بری طرح پٹکیاں کھا رہے تھے قادر علی صاحب کے جسم میں باریک ململ کی شیروانی اور ململ ہی کا کرتہ تھا۔ تمام کپڑے پھٹ گئے اور وہ لوٹتے لوٹتے چبوترہ کے بازو جو حوض ہے اس میں جا گرے لوگ دوڑے اور ان کو نکالا۔ چونکہ جسم میں کپڑے باریک اور پانی سے بھیگ کر چمٹ گئے تھے اس لئے لوگوں نے رومال باندھ دیا تاکہ بے ستری نہ ہو۔

جب ان کو سکون ہوا تو وہاں سے وہ اور میں ملکر چلے اثنا راہ میں میں نے ہنستے ہوئے اُن سے کہا کہ بھائی! آپ تو سب پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ لوٹنا، چیخنا، پٹکیاں کھانا بُری بات ہے۔ آج آپ تو ایسا لوٹے کہ ستر تک کا خیال نہ رہا تو انہوں نے توبہ کی اور کہا کہ بھائی! بیشک آپ کے پیر بڑے زبردست ہیں میں اپنے بیہودہ خیالات سے توبہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ بھی حضرت کے زمرۂ غلامان میں شامل ہو گئے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ سید دلدار حسین صاحب سے مروی ہے کہ ان کے والد سید عبدالقادر صاحب مرحوم (جو حضرت ہی کے سلسلے کے تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے حضرت آغا داود صاحب قبلہ رح کے پاس مجلس سماع میں شریک ہونے کا موقع ملا تو دیکھا کہ حضرت آغا صاحب قبلہ رح تمام مریدین کو سینہ سے لگا کر توجہ دے رہے ہیں جس کسی کو حضرت سینہ لگا کر چھوڑے وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ جب یہ رنگ دیکھا تو مجھے بید ملال ہوا کہ ہمارے حضرت ہم کو کبھی ایسی توجہ

توجہ نہیں دیتے۔ لہٰذا اب چلکر حضرت سے عرض کرنا چاہیئے کہ ہمارے پاس بھی ایسا ہو تو بہتر ہے تاکہ ہم کو بھی کبھی کیف سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔ چنانچہ اس خیال کے تحت بجائے گھر جانے کے میں سیدھے حضرت کے دولت سرا پر ہی پہنچا اس وقت میں بحد متاثر تھا آپ اندر دیوان خانہ میں تشریف فرما اور مطالعہ فرمارہے تھے جوں ہی میرے آنے کی اطلاع ملی آپ نے یہ فرماتے ہوئے کہ آج میر صاحب بہت بگڑے ہوئے آئے ہیں مجھے اندر یاد فرمالیا۔ جب میں نے شرف قدمبوسی حاصل کی تو مطالعہ فرماتے فرماتے کچھ اس انداز سے ملاحظہ فرمائے کہ میں بیتاب ہوگیا روتے روتے ہچکیاں کھانے لگا۔ میرے سر کی دستار ایک طرف جا گری تھوڑی دیر بعد جب سکون ہوا تو بغیر میرے کچھ عرض کئے کہ ارشاد ہوا کہ "تمھارے پیر کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی زیادہ سرفراز فرمایا ہے۔ مگر اس سے کیا فائدہ؟" اس ارشاد کے بعد میں نے اپنے خیال سے توبہ کی۔

کرامات

حضرت کے کرامات کا بیان لکھنے سے قبل اس کی تھوڑی سی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کرامت و معجزہ میں کیا فرق ہے اور استدراج کس کو کہتے ہیں؟ یہ تینوں خرق عادات ہی کا نام ہے لیکن امتیازی فرق ہے کسی نبی برگزیدہ سے اگر کوئی خرق عادت فعل سرزد ہو تو اس کا نام معجزہ ہے کسی ولی سے ہو تو اس کو کرامت سے یاد کریں گے اور کسی غیر مسلم سے ایسی حرکت سرزد ہو تو اس کو استدراج کہا جاتا ہے۔

خرق عادت خلاف عادت کا نام ہے تو اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسانی عادات کے خلاف کسی فعل کے سرزد ہونے کا نام خرق عادت ہے اگر یہی ہے تو ایسے خوارق عادات تو ہم سے بھی بیسیوں ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم کو دن میں تین وقت کھانا کھانے کی عادت ہے ہم جب چاہیں ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ انسان کے لئے رات کی نیند ضروری ہے مگر احباب کی خاطر رات رات بھر جاگتے گزر جاتی ہے کیا اسی کا نام خرق عادت ہے؟ نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ کی عام عادت کے خلاف کسی فعل کے ظہور کا نام خرق عادت ہے جیسے کہ ایک درخت کہ اپنی عمر طبعی کو پہنچنے سے قبل بار آور نہیں ہو سکتا لیکن سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کے ایک اشارہ سے مہینوں کی کیفیت منٹوں میں ظہور پذیر ہوگی۔

کوئی ذی روح مرنے کے بعد زندہ نہیں ہو سکتا مگر سرکار دو جہاں صلعم و

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور لخت جگر رسول مقبول حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہٗ نے بحکم ربانی بیسیوں مردے زندہ کر دکھائے۔

کوئی انسان کسی کے مافی الضمیر سے تا وقتیکہ وہ اس کا اظہار نہ کرے باخبر نہیں ہوسکتا لیکن حضرت سلطان الاولیاءؒ فرماتے ہیں کہ تمہارے قلوب کی مثال میرے سامنے زنگ بھرے شیشیوں کی ہے کہ تمہاری ہر قلبی کیفیت سے باخبر رہتا ہوں۔

عوج بن عوق کو جس کا خوراک سیروں کا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے آدھی روٹی میں شکم سیر کر دیا اہنی کیفیات کا نام خرق عادت ہے۔

یہ بعض وقت بلا ارادہ منجانب اللہ سرزد ہوتے ہیں جس سے مخلوق خدا میں ان کی شان و عظمت کا اور محبوب بارگاہ الہی ہونے کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور بعض وقت بالارادہ بھی منکرین کو قائل کرنے اس کا ظہور عمل میں آتا ہے۔

بندہ جب خدا کی محبت میں اپنی سینکڑوں عادتیں قربان کر دیتا ہے تو ایک وقت یہ بھی آتا ہے کہ اس کی خاطر ظاہری سلسلۂ اسباب و علل کو توڑ دیا جاتا ہے اس کا منشاء پورا کیا جاتا ہے یا دوسری صورت یہ ہے کہ جو بندہ اپنے آپ کو ذات واحد میں فنا کر دیتا ہے تو خدائی صفات اس کی ذات سے ظہور پذیر ہوتی ہیں یہ تو محبوبین خدا کے کیفیات ہیں لیکن جو دوسروں سے ایسے واقعات کا ظہور ہو جس کو استدراج کہا جاتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ خداوند عالم کسی کی محنت کو رائگاں نہیں کرتا۔ چونکہ وہ بھی محنت کرتے مشقت اٹھاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ اس کا صلہ ملنا ضروری ہو جاتا ہے اس لئے بعض اوقات ان سے بھی ایسے کیفیات کا ظہور ہو ہی جاتا ہے۔ مگر محبوبین بارگاہ الہی کے اور ان کے واقعات

میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان کا جہاں بے تکلف گزر ہو سکتا ہے وہاں ان کو پر مارنا دشوار ہے۔

حضرت کے کرامات کے بیان کے لئے یہ چند صفحات قطعاً کافی نہیں۔

ع داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

خلق جب دن سے ہوے بانکے میاں کے ذکر
ہر اشارہ میں کرامات نکل آئی ہے

اور یہ مبالغہ یا شاعری نہیں بلکہ واقعہ ہے روزمرہ اس قسم کے صدہا واقعات نظر آتے تھے اور اب بھی بہت سی ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں۔

بچوں سے کھیل

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں اور بھائی فقیر میاں صاحب دونوں کمسن تھے اکثر ایسا ہوتا کہ ہم آپ کے پاس بیٹھے رہتے تنخواہ وغیرہ کی رقم آتی تو ان روپیوں کو آپ زمین پر پھیلا دیتے اور ہم سے ارشاد ہوتا کہ "تم دونوں ملکر ان روپیوں میں سے کسی روپیہ کو سوچ لو تو ہم اسے نکال دیں گے" ہم دونوں ملکر آپس میں مشورہ کر لیتے کہ فلاں روپیہ جو حضرت کے سامنے ہے یا اس جانب وغیرہ اور حضرت سے عرض کرتے کہ ہم نے سوچ لیا ہے اب آپ پہچانیے تو آپ فوراً وہی روپیہ جس کو ہم نے سوچا تھا نکال کر ہمارے ہاتھ میں دیدیتے ہم کہتے کہ نہیں آپ نے ہماری گفتگو سن لی ہے۔ اس پر آپ فرماتے کہ اچھا اب

آہستہ کہہ لو یا دور جا کر مشورہ کر لو ہم اس مقام سے فاصلہ پر جا کر آپس میں گفتگو کر کے آتے۔ تو بھی ہم کو ہمارا ہی روپیہ برابر ملتا ہمیں بے حد حیرانی ہوتی تھی کہ ہماری گفتگو کا آپ کو کس طرح علم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ معمہ حل نہ ہوتا۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ ہم عرض کرتے کہ ہم بھی پہچان لیتے ہیں آپ سوچ لیجئے تو ہم نکال دیں گے آپ بہت تبسم فرما کر فرماتے کہ اچھا ہم نے سوچ لیا ہے تم نکال دو۔ جب ہم نکالتے تو غلط نکلتا۔ پھر ہم آپ سے خواہش کرتے تو پھر ہمارا سوچا ہوا روپیہ آپ فوراً حوالہ فرما دیتے۔ اس طرح کا کھیل اکثر و بیشتر ہوتا رہتا

چائے کی تقسیم

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ پاس ایک چھوٹی کیتلی تھی جب کبھی آپ کو چائے پینے کا خیال ہوتا تو اس کیتلی میں چائے دم دلواتے، خود بھی پیتے اور سب کو اپنے دست مبارک سے ایک ایک پیالی عطا فرماتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مکان میں پیر بہنیں، قرابت دار، آجاتے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ہمیشہ گھر میں رہنے والے لوگوں میں سے بھی بعض نہیں رہے لیکن حیرت اس کی ہے کہ اس کیتلی کی چائے برابر سب کو تقسیم ہوتی کبھی ایک پیالی بچتی نہ کم ہوتی۔ اگر کبھی کوئی پیالی بچ رہتی تو آپ دریافت فرماتے کہ دیکھو کوئی باقی تو نہیں رہا۔ دریافت سے معلوم ہوتا کہ واقعی ایک صاحب باقی رہ گئے ہیں۔ آپ فرماتے کہ یہ انہی کا حصہ ہے دیدو۔ اور بچار کی تقسیم ختم ہونے تک مجھے اور میرے چھوٹے بھائی (سید محمد باقر حسینی صاحب) کو یا برکۃ النبی یسر یا کریم یسر کہنے حکم فرمایا کرتے تھے۔

پیر بہنوں کے خواب

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اکثر ناشتہ کے بعد آپ حقہ پیتے تشریف رکھتے تمام پیر بہنیں حاضر رہتیں کبھی آپ ان سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ آج تم لوگوں نے کیا کیا خواب دیکھے ہم بیان کرتے ہیں سنو۔ اس کے بعد ہر ایک سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ آج رات تم نے یہ خواب دیکھا اور تم نے یہ۔ اس ارشاد پر سب کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہتی کہ بلا کسی کے کچھ عرض کئے حضرت کو ہمارے خواب کا کیونکر علم ہوا۔

مریدین کی یاد فرمائی

آپ کے خادمین سے اکثر حضرات سے روایت ہے کہ جب کبھی آپ کسی کو یاد فرماتے تو وہ بے چین ہو کر خود حاضر ہو جاتا۔ متعدد دفعہ ایسا ہوا کہ آپ نے فرمایا کہ فلاں صاحب بہت روز سے نہیں آئے ادھر آپ نے یاد فرمایا تھوڑی دیر نہ گزری کہ وہ صاحب از خود حاضر ہو گئے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آج کیسے آنا ہوا تو جواب دیا کہ یکایک حضرت کے پاس حاضر ہونیکا خیال پیدا ہوا اور چلا آیا کبھی حضرت خود ہی مخاطب ہو کر فرماتے کہ "جب ہم نے بلایا تو آئے"۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ دروازہ سے باہر نکلکر انتظار میں ٹہلتے اور دریافت فرماتے کہ "فلاں صاحب نہیں آئے"؟ تھوڑی دیر نہ گزرتی کہ وہ حاضر ہو جاتے۔

جناب مولنا شاہ شرف الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ یکایک صبح کے وقت مجھے حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہونیکا خیال آیا جب میں حاضر ہوا تو حضرت میرے ہی انتظار میں تھے مکان میں تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے تھے جوں ہی مجھ پر نظر پڑی پلٹے۔ جب میں نے بڑھ کر قدمبوسی حاصل کی تو مسکرا کر ارشاد فرمائے کہ

"اجی! تم سے کس نے کہا کہ میں نے بلایا ہے۔ چوہا بولا یا کوا؟"

سبحان اللہ۔ ع باتوں میں تیری جو ہے مزہ اور میں نہیں۔

اسی طرح کی ایک اور روایت جناب ممدوح سے مروی ہے کہ میین عبداللہ صدیق میوہ فروش مرحوم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ اپنے تمام تجارتی کاروبار سے فارغ ہو کر میں اب بستر پر لیٹنے کا قصد کر رہا تھا کہ یکایک حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا مجھے خیال پیدا ہوا۔ اور اس قدر شدت کے ساتھ ایک منٹ ٹھیرنا بار تھا۔ اس وقت تخمیناً رات کے بارہ بجے ہوں گے۔ میں فوراً اٹھا اور کپڑے پہن کر نکلنے کا ارادہ کیا تو میری بی بی نے مجھ سے کہا کہ آدھی رات گزر چکی یہ کوئی وقت ہے، حضرت بھی غالباً آرام فرما رہے ہوں گے ایسا ہی ہے تو صبح میں حضرت کی قدمبوسی حاصل کی جا سکتی ہے لیکن چونکہ میری طبیعت بیچین تھی اس لئے میں نے بی بی کی ایک نہ سنی میری اور میری اہلیہ کی حجت و تکرار میں دس پانچ منٹ گزر گئے میں گھر سے نکلکر جب حضرت کے دولت سرا پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت احاطہ مسجد میں باولی کے قریب تشریف فرما ہیں جوں ہی حضرت کو دیکھا، دل کو سکون ہوا، فوراً بڑھ کر شرف قدمبوسی حاصل کی تو اسطرح

جیسے کسی کو بلائے جانے پر وجہ تاخیر دریافت کی جاتی ہے ارشاد ہوا "کیوں آنے میں بہت دیر ہو گئی؟"

واقعات حالیہ

اس وقت بھی باوجود اس عالم سے پردہ فرمانے کے ہر روز نئی نئی کرامتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں منجملہ ان کے یہ بات تو تقریباً تمام خاندان اور خادمین میں مشہور ہے کہ جب کسی کی کوئی شئے گم ہو جائے اور مالک شئے صدق دل سے آپ کو بیچ دے تو فوراً گم شدہ چیز مل جاتی ہے اس چیز کے مل جانے کے بعد جس قیمت میں وہ شئے بیچی گئی تھی اس کی نیاز گزرانی جاتی ہے اس کا اہل خاندان و خادمین احباب سے سینکڑوں ہی نے تجربہ کیا اور بعض دفعہ تو ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ عقل حیران ہو گئی چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہٗ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک میرے ملاقاتی نے کسی ضرورت کے تحت مجھ سے جیبی گھڑی کا مطالبہ کیا میں نے اپنی گھڑی انھیں دی اس کے دوسرے یا تیسرے روز وہ بہت رنجیدہ میرے پاس آئے اور دریافت کیا کہ آپکی گھڑی کس قیمت کی تھی میں نے دریافت کیا کہ آپ کس لئے استفسار کر رہے ہیں؟ اس پر انہوں نے بہت کچھ ٹالنے کی کوشش کی کہ ایسا اور ویسا مگر چہرہ سے ان کے ندامت کے آثار نمایاں تھے جب میرا اصرار بڑھا تو انہوں نے حقیقتِ حال کا اظہار کیا کہ میں نے آپ سے گھڑی لی اور شیروانی کے جیب میں رکھی۔ کسی ضرورت کے تحت باہر نکلا تھا راستہ میں نماز کا وقت ہو گیا تو وضو کے لئے شیروانی اتاری نماز سے

فارغ ہو کر پھر شیروانی پہنکر نکلا تو جیب میں گھڑی نہ پائی ہرچند تلاش کی مگر پتہ نہ چلا اس واقعہ سے مجھے سخت ندامت ہے اس لئے براہ کرم آپ اپنی گھڑی کے دام بتائیں تو میں دوسری گھڑی لاکر گزرانتا ہوں میں نے جواب دیا کہ آپ فکر نہ کریں انشاءاللہ میری گھڑی کہیں نہیں جائے گی کہ میں نے گیارہ پیسے میں وہ گھڑی حضرت کو بیچ دی ہے مگر وہ مطمئن نہ ہوئے اور اس پر سخت نادم تھے اس کے دوسرے یا تیسرے ہی روز کا واقعہ ہے کہ وہ میرے پاس بحد مسرور آئے اور بیان کیا کہ واقعی آپ کی گھڑی مل گئی میں نے کہا کس طرح؟ تو کہنے لگے کہ میں راستہ میں جارہا تھا یکایک پولس کے تھانہ پر نظر پڑی کہ لوگوں کا جم غفیر ہے دریافت سے معلوم ہوا کہ ایک چور گرفتار ہوا ہے اور پولس مال مسروقہ برآمد کررہی ہے۔ مجھے بھی خیال ہوا کہ چلو اپنی گھڑی سے متعلق بھی پوچھیں چنانچہ میں وہاں پہنچا اور پولس کے جوان سے کہا کہ اس بدمعاش نے میری گھڑی بھی لی ہے اور اپنا واقعہ بیان کیا جوان پولیس نے اس چور سے میری گھڑی کے متعلق بھی ڈانٹ کر دریافت کیا۔ تو وہ فوراً قبول دیا کہ ہاں! فلاں ساہو کے پاس میں نے وہ گھڑی رہن کی ہے میں نے فوراً جوان پولیس کو ہمراہ لیا اور اس ساہو کو رقم دے کر گھڑی لے لی۔

اور ایک واقعہ عبداللہ خان صاحب جوکلی بیان کرتے ہیں کہ میری ہمشیر کے پاس گاؤں کی ایک ہندو عورت نے اپنے کان کے سونے کے گنٹیاں امانت رکھوائی تھیں وہ ایک چھوٹی سی ڈبیہ میں کپڑوں کے صندوق میں محفوظ رکھی گئی تھیں چند دن کے بعد اس عورت نے اپنی چیز طلب کی جب چیز واپس کرنے کے لئے دیکھی گئی تو ڈبیہ ہی لاپتہ تھی ہرچند تلاس کی گئی مکان کا چپہ چپہ

دیکھا گیا مگر وہ چیز نہ ملنی تھی نہ ملی بالآخر مجبور ہو کر اس کو جواب دیدیا کہ بہت کچھ تلاش کی گئی مگر اس وقت تمہاری چیز نہیں مل رہی ہے ہم دیکھ کر تمہیں دیں گے ورنہ اس کی قیمت ادا کردی جائے گی۔ مگر ہمیں سخت ندامت و پشیمانی تھی کیونکہ گاؤں میں ہم عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور سب کو ہم پر بھروسہ بھی تھا خیال یہ ہوا کہ ہم بہت کچھ کہیں مگر اس کے دل میں خدا جانے کیا کیا خیال آئیں گے اور دوسرے کیا کہیں گے۔ پھر اگر وہ چیز نہ ملے تو نہیں معلوم وہ اس کی قیمت کیا بتاتی ہے۔ یکے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ کا مضمون ہے پھر ایک دفعہ تلاش کی گئی مگر ناکام رہے۔ چھپر بندے تمام مکان کی کو یلوا لٹ وائی گئی اس خیال سے کہ شائد اس ڈبیہ کو چوہے اٹھالے گئے ہوں مگر پتہ نہ چلا۔ آخر کار ہمشیر نے حضرت کو پکارا کہ اس وقت آپ کی امداد کی ضرورت ہے میں یہ گنٹھیاں آپ کو نیچ دی ہوں اب وہ گنٹھیاں دلوائیے۔ خیر واقعہ رفت و گزشت ہار مان کر بیٹھ گئے چند دن کے بعد ایک روز دوپہر کے وقت سب عورتیں بیٹھی ہیں مرد لوگ گھر میں موجود نہ تھے کھیتی باڑی معروف تھے مکان کے باہر سے ایک آواز آئی اور گولی کی طرح ایک شئے دالان کی دیوار پر لگی جس کی وجہ دیوار کی مٹی بھی گری عورتیں گھبرا کر باہر نکلیں چوطرف دیکھا کہ بندوق کس نے چلائی۔ مگر پتہ نہ چلا۔ آخر کار اس مٹی کو اٹھا کر گھر کے باہر پھینک دیا۔ مغرب کے قریب جب مرد لوگ واپس ہوئے تو یہ تمام واقعہ بیان کیا۔ مرد لوگوں نے کہا کہ اس مٹی میں کیا گولی تھی؟ دیکھنا تو تھا۔ تو جواب دیا گیا کہ وہ مٹی باہر فلاں مقام پر پھینکی گئی ہے۔ مرد لوگوں نے جا کر جب اس مٹی کی تحقیق شروع کی تو اس میں ایک ڈبیہ

دکھائی دی جو زنگ آلود تھی اس ڈبیہ کو پتھر سے کچل کر کھولا گیا تو اس کے اندر سے وہی گھنٹیاں برآمد ہوئیں جن کی تلاش گھر کے چپہ چپہ میں کی گئی تھی گھر کا گھر حیران تھا کہ یہ ڈبیہ کہاں سے آئی پھینکی کس نے یہ معمہ حل نہ ہو سکا

اسی قبیل کا ایک واقعہ بالکل حالیہ میجر سید افتخار احمد صاحب سکنڈ کمانڈنگ قلعہ محمد نگر کا ہے کہ موصوف کی قمیص کی سونے کی گنڈیاں چوری گئیں۔ انہوں نے حاضر ہو کر حضرت قبلہ مدظلہٗ سے عرض کی تو حضرت نے فرمایا کہ "ہمارے حضرت کو نیچ دیجئے انشاء اللہ ملجائیں گی"۔ چنانچہ انہوں نے نیچ دیں میجر صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں کسی ضرورت کے تحت موٹر میں نکلا۔ راستہ میں مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے کوئی چیز پھینکی، جو اندر آ کر گری، جس کا مار میرے سینے پر لگا، میں چونک کر جو دیکھا تو وہی میری سونے کی گنڈیاں تھیں جن کے لئے میں حیران تھا، عقل حیران رہ گئی کہ راستہ میں کس نے پھینکا۔ اور کدھر سے آگئیں۔

اور ایک واقعہ جناب شاہ شرف الدین صاحب قادری سے مروی ہے کہ ایک دفعہ مولوی ظہیر الدین احمد صاحب شریک معتمد فینانس کی بی بی کے سونے کے پازیب کی فرد تجوری سے غائب ہو گئی گھر میں تمام تلاش کی گئی کہیں پتہ نہ چلا۔ بالآخر ان کی بی بی نے پریشان ہو کر میرے پاس اطلاع کی کہ کوئی تعویذ یا نقش دیا جائے۔ تا کہ گم شدہ شئے ملجائے تو میں نے جواب میں دیا کہ "ہمارے حضرت کو نیچ دو انشاء اللہ ملجائے گی" انہوں نے حسب حضرت کو نیچ دیا۔ تھوڑے روز نہ گزرے تھے کہ ایک دفعہ ان کی بی بی نے کپڑے بدلنے کی غرض سے

الماری سے جب اپنے کپڑے نکالے تو ساڑی کی تہ سے پازیب کی فرد برآمد ہوئی۔ سب کے سب حیران ہو گئے۔ کہ ان کپڑوں میں یہ فرد کیسے آئی کون رکھا گر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

اسی طرح آپ کو جائدادوں کی وصول شدنی رقوم بھی بچی جاتی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ مقاصد پورے ہوتے ہیں ؎

خاصان خدا خدا نباشند   لیکن ز خدا جدا نباشند

جو امور محبوبین بارگاہ الٰہی سے عرض کئے جاتے ہیں خداوند عالم ان کو پورا فرماتا ہے کیا غائب کیا حاضر سب پر ان کی نظر کرم یکساں ہے حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے خداوند عالم میں اپنے آپ کو ایسا فنا کیا کہ اب بجز ذات الٰہی کچھ بھی باقی نہیں۔ تجلیات الٰہی کا مظہر بن گئے۔ اسی کیفیت کو کسی بزرگ ہستی نے اپنے اس شعر میں ظاہر فرمایا ہے ؎

میں نہیں ہوں میں نہیں ہوں میں نہیں   دیکھنے کو میں نظر آتا ہوں میں

واقعہ بھی یہی ہے کہ اس بےصورت کی تو کوئی صورت نہیں جس شکل میں چاہا تجلی فرمائی۔ جس نے آگ سے انی انا اللہ کی ندا فرمائی اگر صورت بشری کو اپنی تجلی گاہ خاص بنائے تو تعجب کی کیا بات ہے۔ خاصان خدا انھیں تجلیات کا مظہر ہیں جسکا بدیہی ثبوت ہر چشم بینا کو ملتا ہے اب جس ہستی کے اس عالم سے پردہ فرمانے کے بعد بھی یہ تصرفات ہوں تو تشریف فرمائی کے زمانے کے کیا حالات ہوں گے اس کا اندازہ خود ناظرین فرما سکتے ہیں۔ تاہم چند واقعات جو ہم کو مستند روایات کے ذریعہ پہنچے نقل کئے جاتے ہیں۔

برکتِ طعام

عبداللہ خاں صاحب ساکن جوکل بیان کرتے ہیں کہ ربیع الثانی شریف کا مہینہ اور حضرت کے والد ماجد کا عرس شریف تھا ختم کے روز ایک خادم تو تھلے عبدالرزاق نامی نے آکر عرض کیا کہ آج غلام نے نیاز کی ہے حضرت تشریف لے چلکر غلام کے پاس خاصہ تناول فرمائیں انہوں نے نیاز مختصر پیمانہ پر کی تھی اور شاید ان کا منشاء صرف حضرت اور آپ کے چند خاص خادمین کو بلانے کا تھا مگر اتفاق سے انہوں نے جس وقت آکر عرض کی تو ہم سب حاضر تھے، حضرت نے ہم سب کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ اس کے سنتے ہی عبدالرزاق صاحب حواس باختہ ہو گئے کیونکہ ان کے پاس اس قدر اہتمام نہ تھا۔ مگر جب حضرت تشریف فرما ہوئے۔ دسترخوان بچھا۔ کھانا شقابوں میں لاکر رکھا گیا، تو آپ نے اپنے دست مبارک سے سب کو سرفراز فرمایا۔ سب خوب شکم سیر ہو کر کھائے جب سب فارغ ہو گئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ دیکھو اب کھانا کتنا ہے؟ وہ دیکھ کر آکر قدموں پر گر پڑے اور عرض کیا کہ اس وقت تو حضرت کا تصرف معلوم ہوتا ہے کہ کھانا جیسے کا ویسا ہی ہے آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ "تم تو بہت پریشان ہو گئے تھے"

حضرت قبلہ گاہ مدظلہ، حضرت کی میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ سے ایک واقعہ اسی طرح کا بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت کی میاں صاحب قبلہ رح نے کچھ نیاز مختصر پیمانہ پر کی اور حضرت سے تشریف لے چلنے آکر عرض کیا

اس وقت آپ کی خدمت میں بہت سے خادمین حاضر تھے آپ نے سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ چلو محمود صاحب کے پاس تم سب کی دعوت ہے (حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ کو آپ محمود صاحب ہی فرمایا کرتے تھے) اس ارشاد سے حضرت مکی میاں صاحب قبلہ" فرماتے تھے کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ میں نے تیاری مختصر کی ہے اور حضرت سب کو دعوت فرما رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کمی واقع ہو لہٰذا کچھ کا کچھ اور انتظام کر دینا چاہیئے۔ اس خیال کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ "محمود صاحب تم جا کر دسترخوان بچھاؤ ہم ابھی آتے ہیں" اب تو کچھ عرض کرنے کی بھی گنجائش نہ تھی فوراً گیا، اور حسب الحکم دسترخوان بچھایا، کھانا لا کر رکھا آپ سب خادمین کے ہمراہ رونق افروز ہوئے کھانا شروع ہوا۔ مگر حضرت خود دو دو دانے تناول فرماتے۔ ہر ایک کو اچھی طرح کھانے کی ہدایت فرمائی۔ جب سب خادمین شکم سیر ہو گئے تو آپ نے ان کو برخاست کا حکم دیا اور خود اسی طرح دسترخوان پر بیٹھے رہے حکم دیا کہ زنانہ کے لوگوں کو بلاؤ سب حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ ہی زنانہ کے سب لوگوں نے بھی کھا لیا جب سب ہو چکے تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو اب کھانا کتنا ہے عرض کیا گیا کہ ابھی ایک آدمی کھا سکتا ہے فرمایا کہ کوئی باقی تو نہیں؟ جواب میں عرض کیا گیا کہ نہیں سب فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ دیکھو شاید کوئی باقی رہ گیا ہو گا! داعی صاحب فرماتے تھے کہ میں گھر کے باہر نکل کر دیکھا تو واقعی ایک پیر بھائی باقی ہیں عرض کیا حضرت فلاں صاحب باقی ہیں فرمایا کہ ہاں! یہ کھانا انھیں کے حصہ کا ہے چنانچہ ان کو بھی بلا کر کھانا کھلا دیا گیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے حضرت سے عرض کیا کہ میں فاتحہ دلانا چاہتا ہوں چند دوست احباب کو بھی مدعو کرنے کا خیال ہے دعوتیوں کی فہرست بھی دکھائی حضرت نے فرمایا مناسب ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے تھے کہ میں نے پخت سے متعلق دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ پندرہ سیر کی پخت کرو میں نے عرض کی کہ پندرہ سیر شاید کافی نہ ہوں پاؤ پلہ کی پخت کی جائے تو مناسب ہوگا اس کے جواب میں آپ نے پھر فرمایا کہ پندرہ سیر بہت کافی ہے اب میں کچھ زیادہ عرض نہ کرسکا خاموش ہوگیا مگر دل میں خیال کیا اب مکرر حضرت سے عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے پاؤ پلہ کی پخت کروانی چاہیئے بچ رہے گا تو دوسروں کے کام آئے گا۔ چنانچہ حسبہٗ پاؤ پلہ کی پخت کا انتظام کیا بوقت دعوت آپ پاس حاضر ہوا۔ آپ کو لے گیا، تمام دعوتی بھی آئے، کھانا شروع ہوا، آپ دسترخوان پر یہاں بھی آخر تک اسی طرح تشریف فرما رہے جب سب فارغ ہو چکے تو ارشاد ہوا تو دیکھو کھانا کتنا باقی ہے؟ میں نے دریافت کی تو معلوم ہوا کہ برابر آدھا کھانا بچ گیا ہے میں نے اس کی اطلاع دی تو فرمایا کہ تم نے کتنا کھانا پکوایا تھا میں نے عرض کی پاؤ پلہ۔ فرمایا کہ میں نے تم کو پندرہ سیر پکوانے کے لئے کہا تھا پھر تم نے پاؤ پلہ کی کیوں پخت کروائی بلا وجہ پندرہ سیر کا نقصان کرلیا۔

اور ایک واقعہ حضرت کی میاں صاحب قبلہ رح سے مروی ہے کہ حضرت کے خادمین سے ایک صاحب مسمی عاشق حسین صاحب چودھری سلطان شاہی میں رہتے تھے ایک دفعہ ان کے پاس دعوت میں آپ تشریف فرما ہوئے۔ دسترخوان

۲۵ یا ۳۰ آدمی تھے، تین سینیوں میں کھانا نکال کر رکھا گیا یہاں بھی آپ اسی طرح دو دو دانے تناول فرماتے بیٹھے رہے اور ہر ایک کو اچھی طرح لینے کی ہدایت فرماتے تھے یہاں تک کہ سب شکم سیر ہو گئے اور ان تینوں سینیوں میں جو کھانا نکالا گیا تھا ابھی تھوڑا تھوڑا باقی ہی تھا۔ جب دعوت کے مکان سے باہر تشریف فرما ہوئے تو حضرت کی میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے عرض کی کہ آج کھانے کے تصرف نے تو ہم کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ کھانے میں برکت کر دینا تو ایک چھوٹی کرامت ہے۔ البتہ مردہ کو زندہ کرنا بڑی کرامت ہے تو میں نے پھر عرض کیا کہ حضرت مردہ دل زندہ کرنا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! یہ بھی بڑی بات ہے۔

مولٰنا شرف الدین صاحب قادری فرماتے ہیں ایک دفعہ میرے پاس کی دعوت میں بھی اسی طرح حضرت نے تصرف فرمایا دو ڈھائی سو آدمی کھانا کھائے پھر بھی نصف دیگ کھانا بچ رہا۔

اور ایک واقعہ بھی مولٰنا موصوف سے مروی ہے کہ ایک دفعہ بروز عید تمام پیر بھائیوں کو حضرت کی ہم طعامی کا شرف حاصل ہوا۔ دولت خانہ میں دسترخوان بچھا، تمام پیر بھائی حاضر تھے تین یا چار رکابیوں میں کھانا نکال کر رکھا گیا۔ اسی کھانے میں سب کے سب شکم سیر ہو گئے۔

ایک اور واقعہ اس کے برعکس مولانا موصوف سے ہی مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت کے دولت خانہ پر کھانے کا شرف حاصل ہوا راوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں اور سید احمد صاحب ڈھکو نواز مرحوم ایک اور پیر بھائی تھے

ہم تینوں کے لئے اندر سے لگن بھر کھانا آیا، ہم تینوں نے کھانا شروع کیا اور اس قدر کھایا کہ پورا لگن صاف ہوگیا۔ کھانے کے بعد حیرت رہی کہ آخر اس قدر کھانا ہم نے کیونکر کھایا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

سبحان اللہ! جس کو جس قدر چاہتے ہیں کھلاتے ہیں کہیں تھوڑے سے کھانے میں شکم سیر کر دیتے ہیں تو کہیں ایسا تصرف دکھاتے ہیں بہرحال عقل وفہم سے ان کی ہر ادا بالا ہے۔

انشراح قلب

حضرت کی تعلیم میں کشف قلبی کو بہت اہمیت تھی چنانچہ آپ اپنے مریدین کے بارے میں سب سے پہلے اسی کی جانب توجہ فرمائی مگر جیسے انسان صورت وشکل میں مختلف ہوتے ہیں اسی طرح ان کی کیفیات بھی مختلف ہوتی ہیں کسی کو بہت جلد یہ نعمت مل جاتی تو کسی کو عرصہ کی محنت کے بعد نصیب ہوتی بعض خادمیں کو حضرت نے باوجود محنت شاقہ کے بھی جب اس نعمت سے سرفراز نہ ہونے کی وجہ ملول پایا تو اپنی توجہات خاص سے ان کو سرفراز فرمایا۔ چنانچہ دارالشفاء والی بی بی بیان فرماتی تھیں کہ میں ایک عرصہ سے اس میں کوشش کر رہی تھی لیکن اس سے محروم تھی جب کبھی آپ مجھ سے دریافت فرماتے تو میں عرض کرتی کہ اب تک مجھے انکشاف نہیں ہوا آخر ایک دفعہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اب مراقبہ کیجئے میں حسب الحکم اس کے طریقہ کے موافق آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔ اِدھر آپ نے اپنے منجھلے صاحبزادے کو اپنی تسبیح مبارک دیکر حکم فرمایا کہ میرے سر پر

رکھدیں چنانچہ تسبیح میرے سر پر رکھدی گئی مجھے اس کی خبر نہیں ادھر انکشاف ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے اس تسبیح کو سر سے نکال لینے کا حکم دیا تسبیح جونہی ہٹی وہ کیفیت جاتی رہی میں بہت خوش و خرم اٹھی آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ہاں کہو کیا دیکھا میں نے تمام کیفیت عرض کی آپ تبسم فرماتے رہے تسبیح رکھنے کی کیفیت مجھے دوسروں سے بعد میں معلوم ہوئی۔

اور بعض دوسرے اصحاب کے ساتھ بھی آپ نے اسی طرح عمل فرمایا کہ تسبیح سر پر رکھتے ہی انہیں انکشاف ہوگیا۔ چنانچہ ابراہیم سالار نامی آپ کے ایک خادم تھے ان کے ساتھ بھی آپ نے اسی طرح کا عمل فرمایا تھا جس کی وجہ وہ اس نعمت سے مالامال ہوئے۔

بعض اصحاب کے ساتھ اور کیفیت بھی رہی۔ چنانچہ حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ بیان فرماتے تھے کہ میں بھی ایک عرصہ تک اس میں کوشاں رہا لیکن انکشاف نہ ہوتا تھا، اس زمانہ میں مجھے کبوتروں کا شوق تھا، کچھ کبوتر میں نے پال رکھے تھے جب کبھی مراقب ہوتا تو کبوتر ہی نظر آتے آخر ایک دفعہ میں نے سخت ملول ہو کر آپ کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت میرے ساتھیوں میں سب کو انکشاف ہوگیا لیکن مجھ پر ایسی کیفیت کیوں گزر رہی ہے اس زمانہ میں آپ کے پاس بھی چند کبوتر کے جوڑے تھے آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ تم نے ہمارے کبوتروں کو دانہ نہیں ڈالا اس وجہ تم کو کبوتر دکھائی دیتے ہیں یہ سنتے ہی مجھے چین نہ آیا فوراً جا کر تھوڑی جوار اور چنا لا کر آپ کے پاس کے کبوتروں کو ڈالا اور اس کے بعد جب مراقب ہوا تو مقصود پا یا۔

برادرم مولانا اشرف علی صاحب مفتی اول بلدہ بیان فرماتے ہیں کہ جعفر صاحب نامی حضرت کے ایک خادم تھے جو تمام عمر ہمارے دادا حضرت سید احمد علیشاہ صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی خدمت میں گزارے وہ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ سے عرض کی کہ پیرومرشد سب کو انشراح قلب نصیب ہوا میری بھی تمنا ہے کہ اس دولت سے سرفراز کیا جاؤں تو ارشاد ہوا کہ اچھا تم بھی مراقب ہو کر بیٹھو حسب ارشاد میں نے تعمیل کی آنکھیں بند کر کے بیٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چارمینار سے بٹی ہاتھ میں لئے سودا لیتے چلا جارہا ہوں۔ جب آنکھیں کھولیں تو آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ کہو کیا دیکھا میں نے عرض کی کہ پیرومرشد! مجھے ایسا نظر آیا تو ارشاد ہوا کہ بس تمہارے تفویض یہی کام ہے۔

راوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت کا ارشاد مبارک پورا ہوا آخر عمر تک جعفر صاحب مرحوم کی اسی طرح گزری کہ ہمارے دادا حضرت یعنی حضرت احمد علیشاہ صاحب قبلہ رح کے پاس کے تمام خانگی کاروبار انہی سے متعلق رہے۔

اشراف علی الخواطر

آپ کے اشراف علی الخواطر یعنی دلی بات کے پہچاننے کی یہ کیفیت تھی کہ ادھر دل میں خطرہ گزرا ادھر آپ نے جواب ادا فرمایا جیسے کہ ٹیلیفون کے ذریعہ انسان کو بات معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ کے مریدین باتفاق جمیع یہ بیان کرتے

ہیں کہ بسا اوقات ایسے واقعات درپیش ہوئے کہ ہم نے دل میں کچھ خیال کیا کہ فلاں بات کے متعلق حضرت سے عرض کرنا چاہئے کہ فوراً آپ اس کا جواب ادا فرما دیتے۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے اماں بیگم صاحبہ عرف ندی پار والی بی سے سنا ہے کہ حضرت عموئیم سید عمر صاحب قدس سرہٗ اکثر علیل رہا کرتے تھے اطبا کی یہ رائے تھی کہ ان کی شادی جلد ہونی چاہئے کہ ان کے مزاج کی اصل خرابی کا سبب تجرد ہے چنانچہ حسب مشورہ اطباء حضرت نے آپ کی شادی جلد کرنے کا قصد فرمایا تو آپ کو بلا کر استفسار فرمایا کہ میرا ارادہ ہے تمہاری شادی کر دوں مگر نسبت کا تم خود انتخاب کرتے ہو یا مجھ پر چھوڑتے ہو۔ تو چچا حضرت نے عرض کیا کہ آپ جو نسبت مناسب تصور فرمائیں اس میں مجھے عذر نہ ہوگا تو پھر آپ نے فرمایا کہ جب تم مجھ پر چھوڑتے ہو تو اگر میں کسی معمولی عورت کا بھی انتخاب کروں تو تمھیں عذر نہ ہونا چاہئے عم محترم نے عرض کیا کہ حضرت کے حکم کی تعمیل میں مجھے کوئی عذر نہ ہوگا اس کے بعد آپ نے سید قاسم صاحب نامی خادم کو (جو مسجد میں آپ ہی کے پاس رہا کرتے تھے) بلا کر ارشاد فرمایا کہ ان کے لئے نسبت دیکھی جائے اس کے بعد ایک دفعہ سید صاحب موصوف نے عرض کیا کہ فلاں نسبت اچھی ہے آپ نے فرمایا کہ مناسب ہے پھر سید صاحب نے دوسری مرتبہ آکر عرض کی کہ دلہا کو دلہن والے دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ نے چچا حضرت (حضرت سید عمر صاحبؒ) کو بلوا کر ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کیساتھ دلہن والوں کے پاس جانا ہے تیار ہو کر آؤ چچا حضرت فرماتے تھے کہ میں بہت خوب،

کہکر ساتھ ہوگیا جب وہاں سے واپسی ہوئی اور میں نے اس بارہ میں دریافت
کی تو معلوم ہوا کہ اس نسبت کی قرارداد صرف سید صاحب کے بیان پر ہوگئی
ہے نہ یہاں سے کسی کو بھیجکر (جیسے کہ عام قاعدہ ہے) لڑکی کو دکھایا گیا نہ ان
کے خاندانی و گھر کے حالات سے متعلق کچھ دریافت ہوئی، مجھے بے حد فکر ہوئی
کہ آپ نے کس طرح اس نسبت کی قرارداد فرمادی اگرچہ کہ میں آپ سے پہلے
ہی وعدہ کر چکا تھا کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں سرمو عذر نہ ہوگا اس لئے اب کرر
کچھ عرض کرنے کی جراءت ہوئی کہ مبادا آپ کو ناگوار خاطر گذرے اور عتاب
کا سبب ہو۔ اس لئے میں نے امانی بیگم صاحبہ کو بلا کر کہا کہ حضرت نے میرے لئے
ایک نسبت کی قرارداد فرمائی ہے دریافت سے معلوم ہوا کہ وہاں کسی کو بھیجکر
لڑکی کو دکھایا گیا نہ کسی قسم کی دریافت کی گئی ہے نہیں معلوم کہ لڑکی کیسی ہے؟
خاندانی حالات کیا ہیں؟ اس لئے میں نے آپ کو تکلیف دی ہے کہ آپ حضرت
سے عرض کرکے کسی کو وہاں بھیجکر پہلے لڑکی کو تو دکھوائیے بیگم صاحبہ موصوفہ میرے
کہنے کے مطابق جب حضرت سے عرض کرنے کے لئے وہاں پہنچے تو قبل اس کے
کہ وہ کچھ عرض کریں آپ نے خود ان سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ آپ نے
سنا! ہم نے چنو میاںؑ کے لئے ایک نسبت کا قرارداد کیا ہے "لڑکی بے حد
اچھی، خاندان بھی ان کا اچھا ہے" اب یہ ششدر ہوکر سن رہی تھیں کہ میں جس
بات کے عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی قبل اس کے کہ عرض کروں جواب
ادا ہو رہا ہے اس کے بعد انہوں نے مجھ سے تمام حقیقت حال کا اظہار کیا تو
پھر میں نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ اچھا وہ لوگ کیسے ہیں؟ اور لڑکی کی

ؑ حضرت سید عمر صاحب قبلہ عمرکو آپ اسی نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

طبیعت کیسی ہے؟ اس کو بھی تو دریافت فرمائیے۔ وہ پھر حاضر ہوئیں اور اسی طرح قبل سوال جواب ملا کہ "وہ لوگ بہت اچھے ہیں ان کے گھر کا رویہ بھی بہت بہتر ہے لڑکی کی طبیعت بھی اچھی ہے پھر انہوں نے جملہ واقعات وارشادات مجھ سے بیان کئے اب تو کچھ آگے کہنے کی گنجائش نہ رہی اس لئے میں بھی خاموش رہا لیکن جب شادی ہوئی تو مجھے ان تمام باتوں کی تصدیق ہوئی جن کو حضرت نے بے دیکھے بیان فرمایا تھا

حضرت مولنا عبدالقدیر صاحب صدیقی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کی خدمت مبارک میں میں ایک اور پیر بھائی مسمی عبدالحمید صاحب حاضر تھے آپ نے مجھے ایک وظیفہ پڑھنے کے لئے بتایا کہ یہ پڑھا کرو اور اس طرح پڑھو میں بہت خوب کہکر خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد عبدالحمید صاحب کی جانب مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ تم بھی پڑھو تو عبدالحمید صاحب کہتے تھے کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ کیا میں بھی اسی طرح پڑھا کروں اس خیال کے ساتھ ہی آپ نے "ہوں" کہکر جیسا کہ کسی کے جواب میں کہا جاتا ہے فرمایا کہ نہیں تم ایسا نہیں ایسا پڑھو پھر وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں خیال ہوا کہ کیا چلتے پھرتے پڑھ سکتے ہیں یا ایک جا بیٹھ کر پڑھنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی پھر آپ نے "ہوں" کہکر فرمایا کہ نہیں ایک جا بیٹھکر پڑھو وہ کہتے تھے کہ پھر مجھے خیال ہوا کہ کیا وقت معین کر کے پڑھنا یا بلا تعین وقت تو پھر آپ نے اسی طرح "ہوں" کہکر فرمایا کہ نہیں وقت کا تعین کر کے پڑھا کرو۔

کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات[1] آپ مریدین کے ساتھ دسترخوان پر

[1] از مولانا شرف الدین صاحب قادری

تشریف رکھتے کسی مرید کے دل میں خیال گزرتا کہ میں حضرت سے فاصلہ پر بیٹھا ہوں اگر قریب ہوتا تو مجھے بھی آپ کے دست مبارک سے کھانا میسر آتا اس خیال کے ساتھ ہی آپ ان سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ تم ادھر آجاؤ میرا ہاتھ اتنا لانبا نہیں کہ یہاں سے بیٹھے ہوئے تمہیں کھانا ڈالوں۔

عبداللہ خاں صاحب جو کلی بیان کرتے ہیں کہ حاجی قاسم صاحب نامی ایک صاحب تھے جو حضرت کے مکان ہی میں رہتے تھے جن کو آپ کے والد ماجد قدس سرہٗ سے بیعت تھی ان کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ ان کے ورثا میں کوئی نہ تھا اس لئے ان کا سامان ہراج کروا کر وہ پیسے ان کی فاتحہ وغیرہ میں لگانے کا آپ نے حکم دیا تھا۔ سامان کچھ ہراج ہوا اور کچھ ہراج ہونے والا تھا اس سامان میں ایک دو صندوق لکڑی کے تھے جس کے متعلق مجھے خیال ہوا کہ اگر یہ ہراج ہوں تو میں لوں گا۔ لیکن اس خیال کا میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ میں نوکری میں تھا یہاں سامان کا ہراج شروع ہوا حضرت نے خود بڑھکر ان دونوں صندوقوں کو اپنے نام پر چھڑوا لیا اتفاقاً اسی روز شام میں میں نوکری سے واپس آیا تو حضرت نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ عبداللہ خاں ہم نے تمہارے واسطے دو صندوق لئے ہیں۔ میں حیران ہو گیا کہ حضرت کو اس کی کس طرح خبر ہوئی؟ پھر آپ نے فرمایا کہ صندوق لے جاؤ تو میں نے عرض کیا کہ گاؤں کی بنڈیاں تجارتی مال لے کر گنج کو آتی ہیں اگر وہ آجائیں تو میں ان صندوقوں کو لیجا کر ان کے ساتھ کر دوں گا تو ارشاد ہوا کہ صندوق اٹھا کر لے جاؤ شمشیر گنج میں گاؤں کی بنڈیاں آئی ہیں ان کے ساتھ کر دو میں نے عرض کیا کہ پیرو مرشد

اگر ہنڈیاں نہ آئیں تو مشکل ہوگی اس پر پھر آپ نے فرمایا کہ نہیں! آگئی ہیں اور مزدوروں کو لاکر ان صندوقوں کو لے جاؤ۔ جب میں شمشیر گنج جا کر دیکھا تو واقعی گاؤں کی ہنڈیاں موجود تھیں فوراً میں صندوقوں کو اس میں رکھوا کر روانہ کر دیا اس کے بعد جب میں نے حضرت سے اس کی قیمت دریافت کی تاکہ گزرانوں تو آپ نے فرمایا کہ نہیں! قیمت کی کیا ضرورت ہے ہم نے تمہارے ہی لئے یہ صندوق لئے تھے۔

عبدالحلیم صاحب نامی حضرت کے ایک خادم بیان کرتے تھے کہ میں ناس سونگھنے کا عادی تھا، رمضان شریف کا مہینہ، تراویح جماعت سے ہو رہی تھی، میں جماعت میں شریک تھا۔ اور حضرت جماعت میں شریک نہ تھے۔ میری عادت تھی کہ ناس کی ڈبیہ سامنے رکھتا سلام پھیرتے ہی ایک چٹکی ناس سونگھ لیتا۔ پھر نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ ایک روز اسی طرح حسب عادت ڈبیہ رکھی ہوئی تھی حضرت قبلہ تشریف لائے اور میرے سامنے سے ڈبیہ لی اور ایک چٹکی اس ڈبیہ سے ناس کی اٹھالی ساتھ ہی میرے دل میں بحالت نماز خطرہ گزرا کہ حضرت اکثر ہم کو یہ نصیحت فرمایا کرتے ہیں کہ کسی کی بلا اجازت کوئی چیز نہ لینی چاہیئے لیکن آج حضرت میرے بلا اجازت ناس کس طرح لئے ہیں اس خیال کے معاً آپ نے میری جانب مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ "عبدالحلیم! میں ناس لیتا ہوں" اس ارشاد کے ساتھ ہی مجھے ایسی ندامت ہوئی کہ نماز میں پسینہ پسینہ ہوگیا۔ کاٹو تو جسم میں لہو نہ تھا اور اپنے خطرہ پر پچھتاتا تھا۔

روشن علی صاحب نامی ایک صاحب ہیں جو حضرت احمد علی شاہ صاحب نقشبندی

سے بیعت ہے اور ان سے حضرت کی ایک پروردہ لڑکی منسوب ہے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بلدہ میں ہیضہ کی شدت تھی اموات کثرت سے واقع ہو رہے تھے سب کے قلوب پریشان تھے بالخصوص اس زمانہ میں سخت پریشان تھا، غذا کم کردیا تھا شب و روز اسی فکر میں گزرتے تھے ایک روز راستہ سے گزر رہا تھا کہ حضرت سے ملاقات ہوئی میں نے بڑھ کر قدمبوسی حاصل کی تو آپ نے مزاج پرسی کی اور فرمایا کہ تمہارا ایسا کیوں حال ہو گیا ہے؟ جواب میں عرض کیا کہ جی کچھ نہیں بحمد اللہ خیریت ہوں۔ فرمائے کہ "دیوانے ہو کھاؤ پیو بیکار افکار میں کیوں مبتلا ہو اس خیال کو دل سے نکالو" بس اس ارشاد کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ تمام پریشانیاں و وساوس یک لخت دل سے رخصت ہو گئے یا تو غذا ہی بہت سے چلتی ہی نہ تھی یا اسی روز مکان جانے کے بعد خوب پیٹ بھر کھایا اور پھر ایسا خیال نہ آیا۔

منشی شیخ مدار صاحب بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو حضرت سے بیعت تھی خالہ صاحبہ نے ایک دفعہ میرے پاس تین روپے یہ کہہ کر امانت رکھوائے کہ ماہ ربیع الثانی شریف میں شجرہ پڑھواتے وقت لونگی جب تک تم اس کو اپنے پاس رکھو" میں بہت خوب کہکر لے لیا اتفاقاً میرے پاس وہ پیسے صرف ہو گئے جب ربیع الثانی کا مہینہ آیا تو خالہ صاحبہ نے اپنی امانت کا مطالبہ کیا میں اس خیال سے کہ کہیں سے لاکر ان کو ان کی امانت واپس کروں مکان سے نکلا پنج محلہ کے قریب راستہ میں حضرت سے ملاقات ہوئی میں آگے بڑھ کر سلام و مصافحہ کیا تو ارشاد ہوا کہ ہمارے ساتھ آؤ میں بہت خوب کہکر ساتھ ہو گیا۔

آپ سیدھے مکان تشریف لے چلے دولت سرا پہنچ کر دروازہ پر مجھے ٹھیرا کر اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد اندر سے تین روپیے لئے ہوئے برآمد ہوئے۔ اور مجھے وہ روپیے سرفراز کئے میں نے عرض کی کہ جی اس کو کیا کروں تو حکم ہوا کہ لے جاؤ یہ روپیے پھر ہمارے پاس ہی آنے والے ہیں۔" میں نے ہر چند عرض کی لیکن آپ نے بہ اصرار وہ روپیے مجھے دیدے میں قدمبوسی حاصل کر کے مکان آیا اور خالہ صاحبہ کی امانت ان کے سپرد کر دی۔

غلام محی الدین صاحب بیجاپوری (جن کو حضرت ہی سے بیعت تھی) بیان کرتے تھے کہ آپ نے میرے چھوٹے برادر سید نظام الدین صاحب کو خلافت سے سرفراز فرمایا تو مجھے بے حد رنج ہوا کہ ہم تو جیسے کے ویسے ہی رہ گئے اور نظام الدین کو خلافت بھی مل گئی۔ چنانچہ اسی کوفت میں یہی خیال پکاتے احاطہ مسجد میں پائین کے دالان میں سست بیٹھا ہوا تھا اور حضرت دولت سرا میں رونق افروز تھے احاطہ مسجد میں اس وقت کوئی اور نہ تھا۔ مجھے یہ خیالات پکاتے دس منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی دیکھا تو حضرت مکان سے باہر رونق افروز ہوئے میں سہما ہوا کھڑا ہو گیا آپ قریب تشریف لائے اور میری جانب سے منہ پھیر کر قبلہ کی طرف رخ کئے کھڑے ہو گئے۔ چہرہ پر غضب کے آثار نمایاں رنگ متغیر تھا فرمانے لگے کہ

"لوگ کرتے تو کچھ نہیں مگر خیالات بڑے بڑے پکاتے ہیں۔

حاجی جان محمد صاحب میمن سے روایت ہے کہ حضرت اکثر اوقات لاڈ بازار میں ان کے ایک عزیز عبد الغنی صاحب میمن کی دوکان میں تشریف لے جاتے

اور تھوڑی دیر تشریف رکھتے تھے جب کبھی حضرت رونق افروز ہوتے تو ان کی عادت تھی کہ حضرت کی خدمت میں چائے پیش کیا کرتے حضرت تھوڑی سی چائے نوش فرمانے کے بعد بقیہ حصہ کبھی حاجی جان محمد صاحب کو اور کبھی حاجی نور محمد صاحب مہاجر کو عطا فرماتے اسیطرح ایک دفعہ حضرت رونق افروز ہوئے عبدالغنی صاحب نے حسب عادت چائے پیش کی آپ نے پیالی اٹھائی عبدالغنی صاحب کہتے تھے کہ اس روز میرے دل میں خیال آیا کہ آج بقیہ حصہ چائے مجھے سرفراز ہوجائے تو اچھا ہے مگر نہیں معلوم آج بھی جان محمد صاحب کو دیتے ہیں یا نور محمد صاحب کو۔ اس خیال کے ساتھ ہی حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ "جان محمد صاحب کو دیتے ہیں یا نور محمد صاحب کو نہیں ! ہم تم کو دیتے ہیں لو پیو"! اور پیالی مجھے سرفراز فرمائی میں نے نہایت مسرت سے آداب بجا لا کر پیالی لے لی۔

مولوی محمد حسین صاحب مدرس فنون سپہ گری جامعہ نظامیہ بیان کرتے ہیں کہ مولانا محمد رکن الدین صاحب صدیقی مرحوم (جن سے حضرت کی ہمشیرہ نسبتی منسوب تھیں) فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت کے پاس ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو میرے دل میں خیال آیا کہ بہت روز ہوئے کہ عربی وضع کا گوشت کھانے میں نہیں آیا۔ تیار کروا کر کھانا چاہئے۔ اس خیال کا میں نے کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا۔ حضرت کے پاس حاضر ہوا ملاقات کی واپسی کی اجازت چاہی تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ آپ عربی وضع کا گوشت کھانا چاہتے ہیں تو کھا کر جائیے میں حیران ہوگیا کہ میرے اس خیال کا آپ کو کیسے علم ہوگیا۔ پانچ منٹ نہیں گزرے تھے کہ ایک عرب بچی میں گرم گرم گوشت لا کر آپ کے ملاحظہ میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ لیجئے یہ آپ کی ضیافت کی گئی ہے۔

پیشین گوئیاں

حضرت مکی میاں صاحب قبلہ قدس سرہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت مکان میں تشریف فرما تھے اور تمام مریدین حاضر خدمت تھے کہ یکایک حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "مکان کا دروازہ بند کردو" اس کے بعد ارشاد ہوا کہ "اب جو شخص آکر دروازہ پر دستک دے گا وہ ہمارا سچا دوست ہوگا۔" ہم سب حیران تھے کہ یا اللہ وہ کون شخص ہوگا؟ اور اپنے میں آپ تخیلات بھی کر رہے تھے کہ کاش اس وقت ہم باہر ہوتے اور آکر دروازہ پر دستک دیتے۔ اتنے میں باہر سے دستک کی آواز آئی پوچھا گیا کون؟ جواب ملا "شجاع الدین" جو آپ کے ماموں زاد بھائی تھے اور آپس میں اس قدر خلوص تھا کہ اکثر آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ آپ کے پاس آتے باہمی خلوص کا اس سے اندازہ ملتا ہے کہ حضرت شجاع الدین صاحب ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کی جب شادی قرار پائی تو دلہن کے تمام جوڑے وغیرہ حضرت ہی کے پاس تیار ہوئے) اس جواب کے ساتھ ہی آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ "جاؤ دروازہ کھول دو۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کے بڑے برادر نسبتی یعنی حضرت سید غلام غوث صاحب شطاری قدس سرہٗ کے لڑکے کا مزاج ناساز تھا دورے ہوا کرتے تھے، عیادت کے لئے سب آئے لیکن آپ تشریف نہیں لے گئے، حالانکہ آپ کی عادت شریف تھی کہ ذرا بھی کسی کے مزاج ناساز ہونے کی اطلاع ملتی تو فوراً تشریف لے جاتے کیونکہ باہم محبت و مودت بہت تھی۔

اس طرح کئی روز گذر گئے بالآخر آپ کی بیلچ نے کہلوایا کہ اگر آپ تشریف لائیں
تو مناسب ہے کیونکہ تمام خاندان کے لوگ آپ کو بزرگ بھی جانتے تھے۔ اس
بلاوے پر آپ بادل ناخواستہ تشریف لے گئے جس وقت وہاں پہنچے تو تیوری پر
بل تھا، چہرہ سے مغموم نظر آتے تھے، آپ کی بیلچ نے عرض کیا کہ کئی روز سے
بچہ کا مزاج ناساز ہے دورے پڑ رہے ہیں۔ دن بدن طبیعت خراب ہوتی جارہی
ہے آپ کچھ پڑھ کر دم فرمائیے تاخداوند عالم شفا عنایت فرمائے آپ نے جواب
میں فرمایا کہ پریشانی کی بات کیا ہے جو دیا ہے وہ لینے کا بھی مجاز ہے اس میں ہمارا
کیا اجارہ ہے؟ ہم کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہیئے بس اس ارشاد پر بچہ
کی والدہ صاحبہ نے رونا شروع کیا اور آپ وہاں سے واپس ہوگئے۔ چنانچہ دوسرے
ہی روز اس بچہ کا انتقال ہوگیا اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد انھیں ایک اور
لڑکا تولد ہوا۔ اور چند ماہ بعد اس لڑکے کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ یعنے اسی طرح دورے
ہونے شروع ہوگئے چونکہ قبل ازیں اسی مرض سے ایک لڑکا جاتا رہا تھا اس لئے
والدین سخت پریشان تھے کہ نہیں معلوم اب اس لڑکے کو کیا ہوتا ہے۔ جب آپ کو
اس کی اطلاع ملی تو آپ فوراً بغیر بلائے خود ہی تشریف فرما ہوئے۔ سب لوگ
پریشان تھے کہ نہیں معلوم اب کیا ارشاد ہوتا ہے مگر آپ نے نہایت خندہ پیشانی
سے بچہ کو گود میں لیا اور والدین کو تسلی دی کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں انشاءاللہ
اب مزاج سنبھل جائیگا اور اپنا لعاب دہن بچہ کو چٹایا چنانچہ اسی روز سے خدائے
تعالیٰ نے شفا بخشی اور چند ہی روز میں بچہ کی طبیعت بالکل سنبھل گئی یہ وہی
صاحبزادے یعنی حضرت سید شاہ فضل الرحمٰن شطاری رح تھے جو بعد میں

حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے داماد ہوئے۔

حضرت کی بڑی سالی صاحبہ کے نسبت سے متعلق آپ سے ذکر کیا گیا۔ کہ سید امراللہ صاحب قاضی باسم کی نسبت آئی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر انھیں لڑکی دیجائے گی تو بعد میں پچتائیں گے مگر وہ نسبت مقسوم کی تھی طے ہو گئی۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ زندگی خوشگوار نہ گزری چھوٹی سالی صاحبہ کی نسبت سے متعلق تذکرہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ "قسمت کی یہی نسبت ہے اس کے سوا دوسری نہیں ہو سکتی" اگرچہ اس نسبت سے متعلق بہت کچھ تردد رہا مگر بالآخر وہی طے پائی اور ان ہی سے شادی ہوئی۔

مولانا شرف الدین صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ کو ایک عرصہ تک اولاد ہی نہیں ہوئی جب اس کے متعلق آپ سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں انھیں اولاد ہو گی میں نے ان کی اولاد کو عالم مثال میں دیکھا ہے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ حضرت کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا فرمائی۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ جب حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم نے کوٹھی کی تعمیر کی تو حضرت کو بلوایا آپ نے مکان ملاحظہ فرما کر بے حد تعریف کی اور فرمایا کہ "بھائی یہ دو دن کے واسطے آپ نے بے حد روپیہ لگایا" مفتی صاحب نے کہا کہ "آپ اپنی زبان مبارک سے اس طرح نہ فرمانا" آپ نے فرمایا کہ "نہیں خدا آپ کو مبارک کرے میں نے تو ایک بات جو ذہن میں آئی کہدی" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مفتی صاحب مرحوم کے انتقال کے

بعد تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کوٹھی کا مکان ہراج ہوگیا جس پر اس وقت غیر قابض ہیں۔

عبداللہ صاحب جو کلی بیان کرتے ہیں کہ میری ہمشیر زادی کی شادی گاؤں میں مقرر تھی میں ملدہ میں بوجہ ملازمت رہتا تھا ہمشیر نے دھوبی کے ذریعہ چیٹھی روانہ کی کہ اس ماہ کی ۲۵ تاریخ کو شب گشت ۲۶ کو جلوہ قرار پایا ہے۔ تم حضرت پیر و مرشد قبلہ سے عرض کرکے حضرت کو ساتھ لاؤ اور آتے آتے پھول وغیرہ بھی لاؤ جب وہ دھوبی یہ پیام لایا تو میں اس کو ساتھ لے کر آپ کے در دولت پر حاضر ہوا اور تمام واقعات عرض کئے آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ جلوہ ۲۶ تاریخ ہے یا ۲۷ کو میں عرض کیا کہ جی ۲۶ تاریخ کو تو آپ نے فرمایا کہ نہیں ۲۷ کو ہوگا۔ میں نے پھر ایک دفعہ آپ کے مواجہہ ہی میں اس دھوبی سے تحقیق کرکے عرض کیا کہ جی ۲۶ تاریخ ہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہم تو ۲۶ ہی کو آئیں گے اس پر اب زیادہ اصرار نامناسب خیال کرکے میں خاموش ہوگیا اور چونکہ مجھے ضروری سامان مہیا کرکے ایک روز قبل ہی جانا ضروری تھا۔ اس لئے میں ۲۵ تاریخ ہی کو یہاں سے نکل گیا جب شمس آباد کے قریب پہنچا تو گاؤں کے چند اصحاب سے ملاقات ہوئی۔ جن سے معلوم ہوا کہ بعض اہل برادری کے اصرار پر عقد کی تاریخ ایک روز بڑھا دی گئی ہے یعنی بجائے ۲۶ کے ۲۷ قرار پائی ہے اس خبر کے سنتے ہی مجھے حضرت کا ارشاد یاد آیا کہ آپ نے قبل از قبل اسی کی پیشین گوئی فرمائی تھی چنانچہ حسب وعدہ آپ برابر ۲۶ تاریخ کو رونق افروز ہوئے اور آتے ہی

مجھ سے دریافت فرمایا کہ آج کیا ہے؟ میں نے تمام واقعات عرض کئے تو مسکرا کر ارشاد ہوا کہ "ہاں! ہم تو پہلے ہی تم سے کہدئے تھے" اس کے بعد حضرت نے ایک رات وہاں قیام فرمایا اور دوسرے دن محفل عقد میں شرکت کی خطبۂ نکاح بھی خود ہی پڑھے۔

مولنا مفتی اشرف علیصاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت شائق علیہ الرحمہ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کے پاس ایک غیر ملکی مہمان آئے تھے جو اپنے آپ کو حضرت پیران پیر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے بتاتے تھے چونکہ مفتی صاحب مرحوم کو حضرت پیر مصطفی صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز سے شرف بیعت تھا اس لئے بھی آپ اس نو وارد مسافر صاحب کو بحد احترام سے اپنے ہاں رکھے تھے اوران کی پیشی پر مجھ کو متعین فرمائے تھے) ان مسافر صاحب نے کچھ عطر تقسیم فرمایا جس میں کی ایک شیشی میرے جیب ہی میں تھی یکایک میرے دل میں خیال آیا تو میں نے وہ شیشی نکال کر حضرت کی خدمت میں پیش کی کہ حضرت پیران پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی اولاد سے ایک صاحبزادے تشریف لائے ہیں اور مجھے یہ شیشی سرفراز فرمائی ہے، آپ نے اس شیشی کو لیا، ڈاٹ نکال کر کچھ عطر ہاتھ پر ملے اور سونگھتے ہی لاحول ولا قوۃ فرماتے ہوئے فرمائے کہ "اس میں تو تسخیر کی بو آتی ہے۔ اور وہ جھوٹا ہے میں نے ابھی حضرت پیران پیر رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ میں عرض کیا تو ارشاد ہوا کہ وہ ہماری اولاد سے نہیں ہے۔ میں اس ارشادِ مبارک کو سنکر خاموش ہوگیا اور یہاں سے جانے کے بعد تمام واقعات اپنے نانا حضرت مفتی صاحب مرحوم سے عرض کیا

تو حضرت موصوف بگڑ گئے کہ "خواجہ میاں تو جوجی میں آئے کسی کے متعلق کہہ دیتے ہیں وغیرہ" مگر میرے سامنے اس طرح کہے اور بصیغۂ راز اپنے پیر حضرت نقیب الاشراف پیر مصطفیٰ صاحب قبلہؒ کو خط لکھکر واقعات دریافت کئے تو وہاں سے جواب آیا کہ یہاں سے کوئی صاحبزادے حیدرآباد نہیں گئے اور نہ اس نام کا صاحبزادوں میں کوئی شخص ہے جو کہتا ہے جھوٹ کہتا ہے اس جواب کے آنے کے بعد حضرت مفتی صاحب مرحوم نے مجھے یاد فرمایا۔ اور وہ خط دکھا کر فرمایا کہ خواجہ میاں صاحب نے جو فرمایا تھا لفظ بہ لفظ صحیح نکلا۔ اس کے بعد اس مسافر صاحب کو اپنے ہاں سے رخصت کردیا۔

مولانا شرف الدین صاحب بھی اس روایت کو بیان فرماتے ہیں مگر تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ۔

حضرت کے ایک خادم عبدالحلیم صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ انکے چچا عبدالرزاق صاحب کو پائیگاہ خورشید جاہ مرحوم سے مشروط تنخواہ ملتی تھی (زمانہ قدیم میں یہ طریقہ راج تھا کہ جائدادیں وراثتاً اجرا ہوتیں اگر کسی کا کوئی وارث نہوتا تو معاشدار کی جانب سے جس کسی شخص کو پیش کیا جاتا اسی کے نام اس غرض سے کہ وہ مرحوم کے پسماندگان کی پرورش کا کفیل رہے گا جائداد اجرا کیجاتی کیونکہ قدیم زمانے کے امراء و نوابوں کی نیت بجز اس کی کسی صورت غرباء کی پرورش ان کے پیش نظر ہوتی تھی ان کا نظریہ یہ تھا کہ پروردگار عالم نے اپنی عنایت سے غرباء کی پرورش کا ہم کو ذریعہ بنایا ہے اور یہ کثیر معاش جو ہمکو ملتا ہے اس میں اس کے دوسرے بندوں کا بھی حق ہے۔ اس لئے

زمانہ موجودہ کی طرح ہر گنجائش محض اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے محفوظ کرنا نہ چاہتے تھے جیسی نیت ویسی برکت مشہور ہے اس لئے اس زمانہ کی فارغ البالی وخوش حالی بھی ویسی ہی تھی کہ آج بڑی بڑی معاش رکھنے والے بھی اتنے خوش حال نہیں ہیں جتنے اس زمانہ کے غریب تھے) چونکہ عبدالرزاق صاحب مرحوم کو کوئی اولاد نہ تھی عبدالحلیم صاحب کہتے تھے کہ میں بھی اسی جائیداد میں ایک مشروط جائداد پر مامور تھا اب دوسری مشروط جائداد تحت قانون میرے نام اجرا ہو سکتی تھی اس لئے میں اور میری چچی یعنے مرحوم کی بی بی نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس جائداد کو چھوڑ دینے سے بہتر یہ ہوگا کہ حضرت پیرو مرشد قبلہ کے کسی صاحبزادے کے نام اجرا کرا دیا جائے چنانچہ ہم دونوں ملکر حاضر خدمت ہوئے اور حضرت سے معروضہ کیا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم یہ جائداد آپ کے منجھلے صاحبزادہ صاحب کے نام اجرا کرنے درخواست کرتے ہیں۔ اس پر حضرت نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "عبدالحلیم تم اپنے بچہ کے نام اجرائی کی درخواست کرو" میں عرض کیا کہ پیرو مرشد مجھے تو کوئی اولاد ہی نہیں تو آپ نے فرمایا کہ "ہو جائے گی" میں پھر عرض کیا کہ حضرت میری بی بی حاملہ بھی نہیں ہے تو فرمایا کہ "تم درخواست تو دیدو اللہ دیدے گا۔" اس پر میں خاموش ہو رہا مگر مجھے بے حد فکر ہوئی کہ تعمیل حکم میں درخواست کردوں اور سرکاری طور پر تحقیقات کا آغاز ہو جائے بعد میں یہ معلوم ہو کہ اس کو اولاد ہی نہیں ہے تو بڑی ہنسی کی بات ہوگی اور مجھپر بڑا زبردست الزام عائد ہوگا کہ اس نے سرکار کو دھوکہ دیا اگر میری بی بی حاملہ بھی ہوتی تو میں یہ بات بتا سکتا تھا کہ میں نے بامید

آئندہ ایسی درخواست کی ہے مگر یہاں تو وہ صورت بھی نہیں۔ بالآخر میں نے اس پریشانی کا حضرت کے برادر حضرت کلی میاں صاحب قبلہؒ سے تذکرہ کیا تو موصوف فرمایا کہ حضرت کی زبان مبارک سے جب نکلا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور پورا کرے گا تم بلا کسی تردد کے فوراً درخواست تو کردو میں نے ڈرتے ڈرتے تعمیل حکم میں ایک فرضی نام رکھ کر درخواست کردی کارروائی کی ابتدا ہوئی ادہر میری بی بی کو حمل قرار پایا او تکمیل کارروائی تک جس کو ایک سال سے زائد عرصہ گزرا ہوگا۔ مجھے لڑکا تولد ہوا اور وہ معاش میرے بچہ کے نام اجرا ہوئی جو آج تک برابر جاری ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت چھوٹے چبوترے پر تشریف رکھے تھے منجھلے چچا حضرت قبلہؒ (یعنے حضرت احمد علیشاہ صاحب) تشریف لائے اور عرض کی کہ مولوی نورالحسنین صاحب کی نواسی کا پیام اعظم علی کے لئے آیا ہے مفتی محبوب نواز الدولہ کا منشاء ہے کہ نسبت بہت اچھی ہے۔ اس کا قرارداد ہو جائے تو بہتر ہے (کیونکہ اس زمانہ میں مولوی نورالحسنین صاحب کی مالی حالت بہت اچھی تھی اور بلدہ کے مشہور و معروف علماء میں ان کا شمار تھا۔ ادہر مفتی محبوب نواز الدولہ تھے جن کی مالی حالت بھی بہت بہتر تھی) اس نسبت کے تذکرہ پر آپ کا چہرۂ مبارک غضب آلود ہوگیا فرمائے کہ کیوں کیا قرابت کی کوئی لڑکی نہیں، کیا کلی میاں کی لڑکی نہیں ہے جو باہر کی لڑکی دیکھی جارہی ہے۔ آپ کے اس ارشاد پر منجھلے چچا حضرت (حضرت سید احمد علیشاہ صاحبؒ) نے پھر عرض کی کہ جی! مفتی صاحب بھائی کا اس طرف رجحان زیادہ ہے

اس لئے ان کی خاطر اس کی اجازت مل جائے تو مناسب ہوگا پھر آپ نے وہی فرمایا کہ "نہیں! یہ نسبت قطعاً مناسب نہیں ہے اگر کروگے تو پچھتاؤگے" اب اس کے بعد تو مکرر عرض کرنے کی جرأت نہ ہوسکی چچا حضرت موصوف خاموش ہوگئے۔ پھر حضرت کے وصال تک اس نسبت کا قرارداد نہ ہوسکا جب حضرت نے اس عالم سے پردہ فرمایا تب مفتی صاحب مرحوم نے اس نسبت کا قرارداد کیا شادی ہوئی اور شادی کے بعد حضرت کے ارشاد کی لفظ بہ لفظ تصدیق ہوئی

مولانا شرف الدین صاحب قادری بیان فرماتے ہیں کہ روشن علی خاں شاہی چتر بردار تھے ایک دفعہ صاحب موصوف نے میرے توسط سے حضرت کی خدمت مبارک میں معروضہ کیا کہ میں بھی غلامی میں داخل ہونا چاہتا ہوں اجازت مرحمت فرمائی جائے میں نے جب اس معروضہ کو پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ کون روشن علی"؟ میں عرض کیا کہ میرے ایک عزیز ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ " وہ جو کالے رنگ کے ہیں" میں عرض کیا جی ہاں! پھر فرمائے وہ جو ذرا سی بیچ میں ڈارھی منڈھواتے ہیں' میں عرض کیا جی ہاں! (حالانکہ حضرت نے ان کو کبھی ملاحظہ ہی نہیں فرمایا تھا) پھر فرمائے غالباً وہ محبوب علی خان کی پیشی میں رہتے ہیں؛ میں عرض کیا جی ہاں! تو فرمائے وہ تنبول خانہ کے داروغہ ہیں؟ میں عرض کیا جی ہاں! پھر فرمائے وہ کبھی چھتری بھی پکڑتے ہیں؟ میں عرض کیا جی ہاں! پھر فرمائے ان کے ساتھ ایک اور صاحب بھی رہتے ہیں جو ذرا جسیم ہیں کیا وہ ان کے بھائی ہیں؟ عرض کیا جی نہیں! ان کے ساتھی ہیں! اسکے بعد فرمائے کے تمہارے سسرے؟ میں حیران ہوگیا کیونکہ اس وقت تک نہ انکی

لڑکی مجھ سے منسوب تھی نہ ایسا کوئی تذکرہ تھا۔ میں نے اس وقت تو جی اکہکر سکوت اختیار کیا لیکن حضرت کے وصال کے دس سال بعد حضرت کی پیشین گوئی کی تکمیل ہوئی کہ روشن علی صاحب چتر بردار کی لڑکی مجھ سے منسوب ہوئی اور وہ میرے ہیں۔

مولانا شرف الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت سید عمر صاحب قبلہ کو ایک عرصہ تک اولاد نہ ہونے کی وجہ اکثر آپ ملول رہا کرتے تھے اگرچہ کہ حضرت نے متعدد دفعہ آپ کو دلاسا بھی دیا کہ "تم فکر نہ کرو تمھیں اللہ تعالیٰ اولاد سرفراز فرمائے گا" مگر حضرت موصوف کا ملال باقی تھا۔ ایک دفعہ حضرت نے اپنے ایک کمسن صاحبزادہ (صاحب پادشاہ نامی) کو جن کی عمر شائد چھ سات ماہ کی ہوگی جو شیر خوار تھے باہر گود میں لئے رونق افروز ہوئے اس وقت میں بھی خدمت مبارک میں حاضر تھا تھوڑی دیر بعد حضرت سید عمر صاحب قبلہ رح تشریف لائے تو آپ نے اپنے اس صاحبزادہ کو حضرت ممدوح کے سپرد فرمایا کہ "لو! یہ بچہ آج سے تمہارا ہے" ممدوح نے خوشی خوشی سے اس بچہ کو گود میں لیا اور فرط مسرت سے پھولوں نہیں سماتے تھے مسرت کے آثار ان کے چہرہ سے ظاہر تھے کیونکہ بالعموم جن کو اولاد نہیں ہوتی ہے کسی کا بھی بچہ ہو اس کے ملجانے سے ایک مسرت ہی ہوا کرتی ہے ایک تو اس لحاظ سے بھی اور پھر دوسرے حضرت کی سرفرازی پر زیادہ مسرت اس وجہ سے شائد ہوئی ہو کہ اس سرفرازی کی برکت سے خداوند عالم جلد مجھے اولاد سرافراز فرمائے گا۔ بہرحال بے حد مسرور ہو کر عرض کیا کہ حضرت مجھے اجازت ہے کہ اس بچہ کو میں اپنے پاس لے جا کر رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! پھر عرض کئے کہ حضرت مجھے اس کی بھی اجازت ہے

کہ میں انا کو مقرر کر کے اپنے ہی ہاں اس بچہ کے دودھ کا بھی انتظام کروں؟
آپ نے فرمایا کہ ہاں! تم جو چاہے انتظام کر سکتے ہو! اس ارشاد پر خوش ہو کر
سلام عرض کر کے حضرت مولوی صاحب قبلہؒ تشریف لے جا رہے تھے کہ حضرت
نے ارشاد فرمایا تم کچھ سمجھے؟ مولوی صاحب قبلہؒ نے عرض کیا جی کیا! تو ارشاد
ہوا کہ تم کو اولاد ہونے کی دلیل دیا ہوں۔ اس کرم آمیز ارشاد پر حضرت مولوی
صاحب قبلہ رہے حد مسرور ہو کر اس بچہ کو اپنے گھر لے گئے اور انّا کا بھی انتظام
فرمالیا اور اپنے ہی اولاد کی طرح ہر طرح خبر گیراں رہے۔ ایک عرصہ تک
بچہ وہیں پرورش پاتا رہا چلنے پھرنے لگا حضرت ممدوح اور آپ کے محل مبارک
کی آنکھوں کا نور دل کا سرور تھا۔ اس بچہ کو دیکھ دیکھ کر ہر دو باغ باغ ہوتے تھے
جب وہ سوا دو سال کے ہوئے تو ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بنگلہ کی کھڑکی سے اجہاں
حضرت مولوی صاحب قبلہؒ تشریف رکھا کرتے تھے، وہ صاحبزادہ نیچے کسی کو
دیکھ رہے تھے۔ یکایک بچہ کا جھوک نکلا اور بنگلہ سے نیچے جہاں اوپوں سے ٹوٹی
ہوئی کویلو پڑی تھی جا گرا چھوٹا سا بچہ اس کے قوا ہی کتنے پھر بنگلہ سے نیچے کی
جانب گرتا دماغ کو بیحد چوٹ آئی فوراً بچہ کی حالت دگرگوں ہو گئی نبض ساقط
ہو گئی، سانس موقوف ہو گئی، لوگ دوڑے ہوئے آئے بچہ کو الٹا پلٹا، ہر طرح
غور و فکر کی، موت کا یقین ہو گیا۔ تو گھر میں لے جا کر لٹا دئے گھر میں چیخ پکار واویلا
مچا، بالخصوص حضرت مولوی صاحب قبلہؒ اور آپ کی بی بی صاحبہ کو اس واقعہ
سے سخت صدمہ پہنچا کہ ہمیں خداوند عالم اولاد سرفراز نہیں فرمایا ایک بچہ کو
لے کر پالے تو وہ بھی اس طرح جاتا رہا اس واقعہ کے وقت بھی حضرت مکان

میں تشریف فرما تھے اور اتفاقاً میں بھی سامنے حاضر تھا گھر کے تمام لوگ
خبر پاتے ہی دوڑے ہوئے گئے۔ مگر حضرت اسی طرح خاموش تشریف فرما تھے۔
جب برہنہ صاحب نامی حضرت کے خادم نے اس کی اطلاع دی تو ارشاد
ہوا کہ اگر مر گیا تو دفن کر دو میں کیا کروں؟ میں ان کو دے دیا بس! تھوڑی
دیر بعد آپ مسکراتے ہوئے اٹھے اور سیدھے حضرت مولوی صاحبؒ کے
مکان کا رخ فرمایا میں بھی ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے تھا جب حضرت مولوی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ
کے مکان میں داخل ہوئے اور مولوی صاحب قبلہؒ کو آواز دی تو مولوی
صاحب قبلہؒ آتے ہی قدموں پر سر رکھ کر رونے لگے تو ارشاد ہوا کہ "کیوں
روتے ہو تمہارا بچہ اچھا ہے" راوی صاحب کہتے ہیں اسکے بعد حضرت اندر
زنانہ میں تشریف لے گئے۔ میں باہر ہی ٹھیر گیا تھوڑی دیر انتظار کے بعد
میں اپنے گھر چلا گیا چار بجے پھر جب حاضر ہوا تو حضرت ملی میاں صاحب
قبلہ رحمۃ نے فرمایا کہ آج تو حضرت نے عجیب و غریب تصرف دکھایا۔ جب
حضرت تشریف لائے اس وقت بچہ کو کپڑا اڑھا کر لٹا دیا گیا تھا کیونکہ ہم نے
ہر طرح کا اطمینان کر لیا تھا۔ حضرت تشریف لا کر بچہ کے منہ سے کپڑا ہٹائے
اور بچہ کی پیشانی پر دست مبارک رکھ کر رگڑتے ہوئے بچہ کا نام لے کر تین
مرتبہ صائب صائب پکارے جس کے ساتھ ہی بچہ نے آنکھیں کھول دیں
اور آپنے بچہ کو گود میں لے کر حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ کے حوالہ فرما دیا۔
جس کے بعد سب کی بالخصوص حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ اور آپ کے
محل محترم کی مسرت قابل دید تھی کہ خوشی سے پھولوں نہیں سماتے تھے۔ اور

خداوند عالم کا شکر بجا لا رہے تھے کہ خدا نے جان بخشی۔ خیر معاملہ رفت و گذشت اس واقعہ پر کامل ایک سال گذرا پھر وہ بچہ ہیضہ سے علیل ہوا اور ایک دو روز کی مختصر علالت کے بعد دوسرے سال اسی تاریخ اسی ماہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ جس وقت بچہ کا انتقال ہوا تو حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ روتے ہوئے بیخودی کے عالم میں دوڑے ہوئے حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت اس واقعہ کا میرے دل پر اس قدر صدمہ ہوا کہ اب میں عمر بھر نہیں ہنسوں گا تو آپ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ "نہیں! انشاء اللہ المستعان خدا تمکو ہمیشہ ہنستا رکھے گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ واقعی ایسا ہی ہوا کہ خداوند عالم نے حضرت ممدوح کو ہمیشہ خوش و خرم ہی رکھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچہ تو گزشتہ مرحلہ ہی میں ختم ہوگیا تھا لیکن خدا جانے کہ حضرت نے کیا دعا فرمائی کہ پروردگار عالم نے پھر اس بچہ کی عمر میں ایک سال کی توسیع فرمائی ورنہ یہ واقعہ اس وقت ہی پیش آتا تو خدا جانے نادان لوگ حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ سے متعلق کیا کیا کہتے۔ گو حضرت موصوف کو صدمہ اسوقت بھی ہوا اور اُس وقت بھی ہوتا مگر حضرت نے اپنی توجہات خاص سے نادانوں کی طعن سے محفوظ فرمایا۔

مولوی محمد حسین صاحب مدرس فنون سپہ گری جامعہ نظامیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کے ساڑھو مولانا محمد رکن الدین صاحب صدیقی مرحوم بیان کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ میں حضرت کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھوڑی دیر بیٹھا

بات چیت کی اس کے بعد اجازت چاہی تو آپ نے مجھے رخصت فرماتے ہوئے فرمایا کہ اب آپ کدھر سے جائیں گے میں عرض کیا جی شاہ علی بنڈہ سے براہ چارمینار گھر جاؤں گا تو آپ نے فرمایا نہیں! اب آپ لاڈ بازار سے جائیے میں اس وقت توجی! کہکر خاموش ہوگیا مگر دل میں خیال کیا کہ حضرت بلاوجہ مجھے چکر کاٹ کر جانے کی ہدایت فرمارہے ہیں مگر چونکہ میں حضرت کو بزرگ سمجھتا تھا اور ان کے حکم کے خلاف عمل کرتے ڈرتا بھی تھا۔ اس لئے مجبوراً لاڈ بازار ہی سے گیا جب چارمینار پہنچا تو راستہ پر کچھ گڑبڑ دکھائی دی دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پنچ محلہ کے پاس عربوں میں آپس میں کچھ تصادم ہوگیا تلواریں کھچ گئیں راستہ پر بھگدڑ مچ گئی۔ اس وقت حضرت کا ارشاد سمجھ میں آیا کہ آپ نے اسی وجہ مجھے اس راستہ سے نہ جانے کی ہدایت فرمائی تھی ورنہ خواہ مخواہ مجھے بھی پریشان ہونا پڑتا تھا۔

مولٰنا شرف الدین صاحب قادری بیان کرتے ہیں کہ بعض دفعہ رات میں میرے بھائی مولوی غلام محی الدین صاحب وخیرالدین صاحب گھر میں کسی معاملہ میں مشورہ کرتے کہ ایسا کرنا چاہئے۔ اور ایسا کہنا چاہئے۔ صبح کو جب میں حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتا تو آپ رات کی تمام گفتگو تفصیل سے اس طرح بیان فرماتے کہ گویا رات میں ہمارے ساتھ حضرت بھی موجود تھے

بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالقادر صاحب عرف چھٹکی نواب اورنگ آباد سے چند شروع کے تھان بغرض تجارت لائے تھے ان کا خیال تھا کہ امراء کی ڈیوڑھیوں میں اس کی قیمت معقول مل جائے گی اس خیال کے

تحت انہوں نے مختلف وزائع سے اپنے مال کے نکالنے کی کوشش کی رفتہ رفتہ یہ خبر مقدم جنگ کے ڈیوڑھی کے ملازمین کو بھی پہنچی اس زمانہ میں مقدم جنگ کا بہت زور تھا ان کے پاس کے سدیوں کے مظالم اب تک بھی زبان زد خاص وعام ہیں مگر چونکہ عبدالقادر صاحب بھی یہیں رہتے تھے اکثر اس ڈیوڑھی کے سدیوں وعربوں سے ملاقات بھی تھی اس ڈیوڑھی کے ایک سدی "امان" نامی نے نواب صاحب سے نہایت خلوص کے ساتھ آکر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اورنگ آباد سے ہمرو و مشروع کے تھان بغرض تجارت لائے ہیں۔ اگر یہ تھان آپ میرے سپرد کردیں تو ان کو میں جمعدار کی ڈیوڑھی میں معقول قیمت پر فروخت کروا دوں گا مگر مجھے سیکڑہ دس روپیہ کمیشن دینا ہوگا صاحب موصوف نے رات دن کی ملاقات اور ہم محلہ ہونے کے اعتبار کرتے اس پر اعتماد کیا اور اپنا تجارتی مال اس کے حوالہ کردیا۔ یہ مال لے کر روانہ ہوا تھوڑے روز موصوف نے انتظار کیا اس کے بعد اس سے دریافت کیا تو جواب ملا کہ آج کل میں رقم لادوں گا مال نکل گیا ہے اس کے بعد انہوں نے متعدد بار دریافت کی تو وہ امروز فردا پر ٹالنے لگا جس کی وجہ انھیں شبہ ہوا بالآخر ایک روز انہوں نے سختی سے مطالبہ کیا اس پر وہ سدی برہم ہو کر مال لینے اور رقم دینے سے صاف انکار ہی کردیا کہ نہ تم نے مجھے کوئی مال دیا نہ میرے ذمہ تمہاری رقم ہے تم جھوٹ کہتے ہو اسی بات پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا ہاتھا پائی کی نوبت پہنچ گئی۔ یہ بیچارے پریشان ہو گئے کہ مال بھی گیا اور رقم بھی، دوسرے اس بدسلوکی سے ان کے قلب پر سخت صدمہ پہنچا تھا روتے ہوئے

حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا بیان کیا جسکے سنتے ہی حضرت کا چہرہ مبارک غضب آلود ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ صبر کرو غیرت الہٰی جوش میں آگئی ہے دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ادھر یہ گفتگو ہی ہو رہی ہے، حضرت مسجد میں تشریف فرما ہیں، سمجھا رہے ہیں، کہ یکایک عقب مسجد سے ایک فیر کی آواز آئی تھوڑی دیر کے بعد باہر سے لوگ دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ "لو! عبدالقادر صاحب تمہارا دشمن مر گیا" دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ سدی امان مقدم جنگ کی سواری کے گھوڑے پر قبوروں میں تفنچے رکھ رہا تھا کہ یکایک ایک تفنچہ سے فیر ہو گیا اور گولی سدی امان کے سینے سے توڑ کر نکل گئی سب دوڑے ہوئے باہر پہنچے دیکھے تو واقعی "امان" کی نعش بازو پڑی ہے اور سواری کا گھوڑا کھڑا ہوا ہے۔

عبدالحلیم صاحب بیان کرتے تھے کہ حضرت دولت سرا میں رونق افروز تھے میں اور چند خادمین نے بیٹھے بیٹھے آپس میں گفتگو کی کہ اعلیحضرت یعنی نواب میر محبوب علی خان مرحوم ادھر اُدھر جاتے ہیں ہمارے حضرت کے پاس نہیں آتے اگر یہاں حاضر ہوں تو ان کی بہبودی کا باعث ہوگا۔ (اعلیحضرت مرحوم کو بزرگان دین سے بیحد عقیدت تھی اور اسی زمانہ میں حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہؒ کے پاس بھی حاضر ہوئے تھے۔ اس لئے ہم کو یہ خیال پیدا ہوا) ساتھ ساتھ ہمارا یہ بھی خیال تھا کہ اگر اعلیحضرت یہاں حاضر ہوں تو رات دن جو خادمین حضرت کی پیشی میں حاضر رہتے ہیں ان کا بھی کچھ بھلا ہوگا ماہواروں میں اضافہ ہو جائیگا آمدنی بڑھنے کی وجہ آرام سے بسر ہوگی۔

اس گفتگو کے تھوڑے ہی دیر بعد حضرت باہر رونق افروز ہوئے ہم سامنے ہی حاضر تھے۔ ہماری جانب مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ "ہاں کہو! کیا محبوب علی خاں کو بلوانا ہے؟" ہم نے نہایت مسرت کے ساتھ عرض کیا کہ "جی ہاں! پیرومرشد بلانا چاہیے" تو آپ نے فرمایا کہ "کیا اس لئے کہ ان کے آنے سے تمہاری ماہواروں میں اضافہ ہو جائے گا" ہم نے عرض کیا کہ جی پیرومرشد آپ کے صدقہ میں ہمارا بھی فائدہ ہوگا۔ فرمایا "اچھا تمہاری آمدنی میں کس قدر اضافہ ہو تو تمہارے لئے کافی ہے" میں نے عرض کیا کہ جی پیرومرشد اس قدر ہو تو بس ہے پھر دوسرے صاحب سے اسی طرح آپ نے دریافت فرمایا پھر تیسرے صاحب سے بہرحال اس وقت جتنے خادمین حاضر تھے ان میں سے ہر ایک سے آپ نے اسی طرح کا استفسار فرمایا جب سبھوں نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تمہاری آمدنی میں اسقدر اضافہ ہو جائے تو بس ہے تو ہم نے عرض کیا کہ جی حضرت کافی ہے ارشاد ہوا کہ "اچھا ہم دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس آمدنی میں اتنی ہی برکت عطا فرمائے۔ مگر محبوب علی خاں کا آنا تم لوگوں کے لئے مفید نہیں وہ آئیں گے تو تم لوگ دور ہو جائیں گے۔"

چنانچہ عبدالحمید صاحب برادر عبدالحلیم صاحب (جو اس وقت حاضر تھے) کہتے کہ آپ کے اس ارشاد کے بعد سے ابتک میں اپنے گھر کے ماہواری اخراجات میں غیر معمولی فرق محسوس کرتا ہوں۔ جب حساب دیکھتا ہوں آمدنی سے زیادہ خرچ آتا ہے عقل حیران رہ جاتی ہے کہ یہ زائد خرچ کہاں سے ہوا۔

عبداللہ خاں صاحب جو کلی سے بھی ایک واقعہ اسی طرح کا مروی ہے

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حاضر ہو رہا تھا۔ جب آپ کے دولت سرا کے قریب مسجد کے پیچھے پہنچا تو یکا یک یہی خطرہ دل میں آیا کہ اعلیٰحضرت ادھر اُدھر جاتے ہیں مگر ہمارے حضرت کے پاس نہیں آتے۔ جب یہاں پہنچا تو اتفاق سے حضرت باہر ہی رونق افروز تھے میں نے بڑھ کر قدمبوسی حاصل کی تو ارشاد ہوا کہ "اجی عبداللہ خاں تم کیا کہہ رہے تھے"؟ میں حیران ہو گیا کہ میں نے تو کوئی معروضہ ہی نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا جی کیا؟ تو حکم ہوا کہ "اجی ابھی مسجد کے پیچھے تم کچھ کہہ رہے تھے نہ کہ حضور ادھر اُدھر جاتے ہیں یہاں نہیں آتے" میں عرض کیا کہ جی ہاں پیرو مرشد! میرے دل میں ایسا خیال آیا۔ تو ارشاد ہوا کہ "محبوب علی خاں کی مثال ہمارے ساتھ ایسی ہے جیسی کہ پتنگ کی ڈور پتنگ اُڑانے والے کے ہاتھ جس طرف چاہا پھیر دیا۔ اگر میں بلانا چاہوں تو وہ آج دوڑے ہوئے آتے ہیں۔" اس کے بعد حضور کا رنگ متغیر ہو گیا جذبہ کی حالت میں فرمائے کہ "ابھی بلاتا ہوں دیکھو۔ تم بیٹھ جاؤ" تو میں نے گھبرا کر قدموں پر سر رکھدیا۔ اور عرض کیا کہ جی نہیں! حضرت کی مرضی مبارک تو ارشاد ہوا کہ "ان کے آنے سے فائدہ نہیں نقصان ہے"

عبداللہ خاں صاحب جو کلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے زمانہ کمسنی میں حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہ رح سے بیعت کی تھی مگر میری قرابت کے تمام لوگ حضرت سیدی خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے خاندان ہی سے نسبت غلامی رکھتے تھے۔ جب میں سنِ شعور کو پہنچا تو ایک دفعہ حضرت سے معروضہ کیا کہ میں بھی غلامی میں داخل ہونا چاہتا ہوں اجازت عطا فرمائی جائے تو آپ نے

فرمایا کہ تم کو تو سکین شاہ صاحب رحمۃ سے بیعت ہے پھر مکرر بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت یہ بیعت بہت صغر سنی کی ہے اس پر آپ نے تھوڑی دیر سکوت اختیار فرما کر فرمایا کہ میں نے ابھی حضرت خواجہ نقشبند قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی تو حضرت نے فرمایا کہ عبد اللہ خاں ہمارے سلسلہ کا نہیں ہے پھر تم نے حضرت سکین شاہ صاحب سے کس سلسلہ میں بیعت کی تھی؟ میں نے عرض کی پیر و مرشد میں چھوٹا تھا اس وقت اور بھی لوگ مرید ہو رہے تھے میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا نہیں معلوم کہ حضرت سکین شاہ صاحب قبلہ نے کس سلسلہ میں بیعت لی تب آپ نے مجھے داخل سلسلہ ہونے کی اجازت عطا فرمائی

حکومت سے متعلق پیشین گوئیاں

حضرت نے بعض پیشین گوئیاں حکومت سے متعلق بھی فرمائی تھیں جو لفظ بہ لفظ پوری ہوئیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتی معاملات میں بھی حضرت ہی کا دخل تھا۔ چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "عثمان علی خاں بڑا ذی اقبال پادشاہ ہوگا" اس ارشاد کو متعدد خادمین نے متعدد اوقات سنا ہے۔

ایک دفعہ آپ صحن مسجد میں تشریف فرما تھے ایک خادم نے عرض کی کہ حضرت! افواہ پھیلی ہے کہ عثمان علی خاں کی ولیعہدی منسوخ کی جا رہی ہے اور اعلیحضرت (غفران مکان) اپنے چھوٹے صاحبزادہ کو ولیعہد مقرر کرنا چاہتے ہیں اس کے سنتے ہی آپ کا چہرۂ مبارک غضب آلود ہو گیا ارشاد ہوا کہ ہرگز

ایسا نہیں ہو سکتا محبوب علیخاں کے بعد ان کا جانشین عثمان علیخاں ہی ہوگا" پھر انہوں نے با دب عرض کیا کہ سنا جا رہا ہے کہ اس لڑکے کی ولیعہدی سے متعلق کارروائی چل رہی ہے توقع ہے کہ عنقریب منظور ہو جائے تو آپ نے فرمایا کہ "اگر ایسا ہو تو وہ بچہ نہ رہے گا۔" حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری بھی اپنے والد ماجد حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ سے یہ روایت اسی طرح اس اضافہ کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ "عثمان علیخاں کی تلوار میرے ہاں رکھی ہوئی ہے"۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ "یہ معذور لڑکا چند دن کا مہمان ہے" (بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صاحبزادہ جن کی ولیعہدی سے متعلق حضرت غفران مکان کو خیال پیدا ہوا تھا ان کے ایک پیر میں لنگ تھا) چنانچہ وہی ہوا کہ اس ارشاد کے دو تین روز بعد ہی خبر ملی کہ اس لڑکے کا انتقال ہو گیا اور اعلیٰحضرت مرحوم کے بعد ان کے جانشین وہی "میر عثمان علی خاں بہادر خلد اللہ ملکہٗ ہوئے جنکی جانشینی کا مسئلہ قطعیت کے ساتھ طے کر دیا گیا تھا اور جنکی تلوار حضرت نے اپنے پاس محفوظ ہے فرمایا تھا گو مخالفین نے کافی مخالفت کی لیکن کسی کی ایک نہ چلی ارشاد مبارک پورا ہو کر رہا۔ اور آج اس کے اقبال کا آفتاب جس طرح چمک رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت کے ایک خادم فیضو میاں منصبدار محلہ قاضی پورہ ہی میں رہتے تھے، اکثر حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر رہتے۔ ان سے اور سر کشن پرشاد یمین السلطنت سے بیحد یارانہ تھا، جس کی وجہ سے یمین السلطنت آنجہانی نے ان کے ذریعہ حضرت کی خدمت میں

معروضہ کرتا یا کہ حضرت ان کے یعنی مہاراجہ بہادر کی مدار المہامی کے لئے دعا فرمائیں متعدد دفعہ فیضو میاں صاحب نے آپ کے بحالی کا وقت دیکھکر اپنے اس معروضہ کو پیش کیا کہ "حضرت! کشن پرشاد کی مدار المہامی کے لئے دعا فرمانا" لیکن آپ اکثر اس پر کچھ التفات نہ فرماتے ہمیشہ کچھ نہ کچھ جواب دیکر ٹال دیا کرتے ایک روز حضرت کی طبیعت بحال تھی موقع کو غنیمت جان کر انہوں نے پھر وہی اپنا قدیم معروضہ پیش کیا' دریائے رحمت جوش پر تھا' مقصد دلی بر آنے کا وقت آچکا تھا' نظر عنایت ہو گئی حکم ہوا "اچھا جاؤ ہو جائے گا"۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ نواب وقار الامرا مرحوم کے بعد قلمدان وزارت مہاراجہ بہادر ہی کے گھر آیا۔

مُریدین کی امداد

حضرت کو اپنے مریدین کا بیحد خیال رہتا تھا۔ ان پر اپنی اولاد کی طرح شفقت فرماتے ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے' ان کی بھلائی کی فکر ہمیشہ رہتی' ان کے لئے دعائیں فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولنا فضل مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ حضرت کلی میاں صاحبؒ کے گھر میں مجلس سماع میں رونق افروز تھے۔ اور آپ پر رقت کی کیفیت طاری تھی یکایک آپ نے سر مبارک سے ٹوپی نکال کر آسمان کی جانب کی آنکھ سے آنسو رواں تھے بیحد بیقراری کیساتھ دعا مانگنے لگے اس بیقراری سے تمام حاضرین بیقرار ہو گئے کہ نہیں معلوم آج کس کے لئے حضرت نے اس بیقراری سے دعا مانگی بعد برخاست مجلس

صاحب مجلس اور خاص خادمین و بھائیوں میں سے بعضوں نے عرض کیا کہ حضرت آج آپ اس قدر بیقراری سے کس کیلئے دعا مانگ رہے تھے کیا آپ نے ہمارے لئے دعا فرمائی تو پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈ با ئے گئے ارشاد ہوا کہ تم لوگ تو خیر کچھ کرتے ہو مجھے ان کی زیادہ فکر ہے جو برائے نام مرید تو ہیں لیکن عمر ان کی لہو ولعب ہی میں گزرتی ہے صوم وصلوٰۃ کی بھی پابندی ان سے نہیں ہوتی مثلاً بعض بوڑھی عورتیں کہ صبح سے شام تک لغویات ہی میں انکی گزرتی ہے میں ان ہی کے لئے آج خداوند عالم کی بارگاہ میں معروضہ کیا۔

حضرت مولٰنا فضل مدظلہٗ فرماتے ہیں جب اس ارشاد کی حضرت کے چھوٹے برادر حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ کو اطلاع ہوئی تو سخت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ کاش میں بھی کچھ نہ کیا ہوتا تا کہ حضرت اسی طرح بیقراری سے میرے لئے بھی دعا فرماتے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آج جن جن لوگوں کے لئے آپ نے دعا فرمائی ہے بخدا وہ دعا مستجاب ہوگئی۔

مریدین کا حضرت کو ایسا خیال رہتا کہ ان کی ذراسی تکلیف میں بھی آپ امداد فرماتے تھے چنانچہ دار الشفاء والی بی صاحبہ فرماتی تھیں کہ میں ہمیشہ آپکی خدمت میں حاضر رہا کرتی تھی میں نے گھربار کو خیرباد کرکے در دولت پر سہارا لیا تھا، صبح سے شام تک پیشی ہی میں حاضر رہتی، جب حضرت آرام فرمانے کمرہ میں تشریف لے جاتے اس وقت تک میں سامنے ہی رہتی تھی، ایک روز کا واقعہ ہے کہ شام میں حسب عادت حاضر تھی، آپ بہت دیر تک تشریف رکھے رہے، اس کے بعد نعمت خانے میں آرام فرمانے تشریف لے گئے ،

دروازہ بند فرمالیا، میں بھی اب اپنے بچھونے پر سونے کا ارادہ کر رہی تھی کہ یکایک زور سے "ہاں" کی آواز دیئے جیسے کہ کسی کے پکارنے پر آواز دی جاتی ہے، اور ساتھ ہی آپ بستر سے اٹھے نعمت خانے کا دروازہ کھول کر تھوڑی دیر چوکھٹ کو ہاتھ لگائے کھڑے رہے آنکھیں بند کرلیں، میں حیران تھی کہ آج آپ نے یہ کس کو آواز دی حالانکہ باہر سے کسی نے پکارا ہی نہیں تھوڑی دیر بعد آپ نے آنکھیں کھولیں اور پھر واپس ہونے لگے تو میں عرض کی کہ حضرت آپ نے اس طرح کس کو جواب دیا تو فرمایا کہ "ہاں! تو بھلے عبدالرزاق کی بیوی کو میں نے عرض کی وہ کہاں ہیں۔ تو جواب ملا کہ وہ گاؤں میں ہیں میں یہ سنکر خاموش ہوگئی، اور اس تاریخ و دن وقت کو یاد رکھ لیا، چند دن بعد جب[1] پیر بہن حضرت سے ملنے کے لئے آئیں، تو میں نے ان سے پوچھا کہ فلاں روز فلاں وقت تم نے حضرت کو کیوں پکارا تھا تو وہ کہنے لگیں کہ اس روز میرے کان میں اس قدر شدت کا درد تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب دم نکلا جاتا ہے اس لئے میں نے بیقراری سے حضرت کو پکارا کہ "وہ میرے پیر اس وقت میری امداد کیجئے"۔ دس پندرہ منٹ میں بحمد اللہ مجھے آرام ہوگیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کو کس طرح اطلاع ملی تو میں نے یہاں کا تمام واقعہ سنایا۔

بیان[2] کیا جاتا ہے کہ حضرت کے ایک خادم وجیہ الدین صاحب رسالہ نے ایک ملازم لڑکے کو حالت غصہ میں ایسی زدوکوب کی وہ جان سے جاتا[3]

---

[1] از مولانا شرف الدین صاحب قادری

پولیس نے بعد تحقیقات مقدمہ دائر کیا یہ ماخوذ ہوئے حراست میں لے لئے گئے
کہا جاتا ہے کہ اُن سے حضرت کے بعض خلفائین بالخصوص حضرت سید عمر صاحبؒ
سے بہت گہرا یارانہ تھا حضرت موصوف کو اس واقعہ سے بہت صدمہ پہنچا زمانہ
حراست میں آپ اکثر ان کے گھر کی خبر گیری فرماتے جیل خانہ کو تشریف لے جاکر
ان کی خبر لیتے اور ان کو دلاسا دیا کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا۔
تحقیقات میں جرم ثابت ہوا عدالت نے فیصلہ کر دیا، قصاص کی رائے ظاہر
کردی، اس کے بعد یہ کارروائی اعلیٰحضرت کے ملاحظہ میں بغرض منظوری روانہ
کی گئی، کیونکہ قصاص میں فرمان کا حاصل کرنا ضروری تھا عدالت کے فیصلہ
کے بعد جب کہ قصاص طے ہو چکا تو منجانب عدالت ملزم سے استمزاج کیا گیا کہ
اگر تم اپنے عزیز و اقارب سے ملنا چاہتے ہو تو مل سکتے ہو عدالت کی اس اجازت
پر سرکاری نگرانی میں یہ اپنے اہل و عیال سے ملنے گھر آئے بال بچوں کو دیکھا،
سب کو آخری سلام کیا، وصیت نصیحت کی گھر میں ایک کہرام مچا تھا، اس کے
بعد انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں اپنے پیر و مرشد قبلہ کی بھی قدمبوسی کر لینا
چاہتا ہوں اس پر انھیں اس کی بھی اجازت ملی حضرت کی خدمت مبارک
میں حاضر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت کا منظر بھی عجیب دردناک تھا، ان کے
عزیز و اقارب دوست احباب ساتھ لپٹے ہوئے تھے، اور ان کی آنکھ کے
آنسو سوکھتے نہ تھے۔ جس وقت یہ حاضر ہوئے تو حضرت مسجد میں منڈیر سے لگے
ہوئے تشریف فرما تھے یہ آتے ہی قدموں پر سر رکھ کر چیخنا چلانا شروع کئے
تمام حاضرین بھی رونے لگے حضرت کی میاں صاحب قبلہؒ بھی حاضر تھے۔

اور سخت متاثر تھے ان کی گریہ وزاری سے حضرت بھی متاثر ہوئے۔ ہر چند ان کو قدموں سے اٹھانے کی کوشش فرمائی لیکن وہ اپنا سر نہ اٹھائے تو آپ نے فرمایا کہ "اجی اچھا ہوگا کہ دنیا کا بدلہ دنیا ہی میں ملجائے تاکہ تم پر آخرت میں مواخذہ نہ رہے" ان الفاظ نے ان کے قلب پر تیر کا کام کیا' ان کی گریہ وزاری اور بڑھ گئی پہلے سے زیادہ چلانے لگے' ان کی اس بیقراری اور بے تابی کو دیکھ کر حضرت کی میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بڑھ کر معروضہ کیا کہ "حضرت! کیا آپ چاہے تو یہاں اور وہاں بھی نہیں بچا سکتے" حالاں کہ اس سے پیشتر حضرت موصوف نے متعدد دفعہ ان کے متعلق حضرت کی خدمت میں معروضہ کیا اور توجہ دلائی تھی لیکن قبول نہیں ہوا تھا مگر اب چونکہ حضرت خود بھی متاثر ہو چکے تھے۔ دریائے کرم جوش میں آگیا ارشاد ہوا کہ "ہاں اچھا جاؤ چھوٹ جاؤ گے" اس ارشاد سے نا امیدی امید سے بدل گئی' سب کے دم میں دم آیا بیقراری سکوں سے تبدیل ہوگئی انہوں نے قدموں سے سر اٹھایا۔ اور پھر اسی طرح سرکاری نگرانی میں واپس ہوئے۔ ادھر کیفیت سنئے کہ مثل پیش ہوئی اعلیحضرت مرحوم نے مثل کی ورق گردانی کی' عدالت کے فیصلہ کو بغور ملاحظہ فرمایا' مگر دستخط نہیں فرماتے بار بار الٹتے پلٹتے اور مثل کو رکھدیتے حالانکہ اعلیحضرت مرحوم کی عادت تھی عدالتی معاملات بالخصوص ایسے معاملات میں بالکلیہ عدالت کی تجاویز پر بھروسہ فرماتے تھے اس لئے کہ یہ معاملات حقوق سے متعلق ہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت میں اس کی ذمہ داری خود پر عائد ہو مگر اس کارروائی کو کئی بار ملاحظہ فرمایا بالآخر کرنل نواب سرافسر الملک بہادر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "علی بیگ مجھے یہ کارروائی فرضی معلوم ہوتی ہے۔ شہادت جو قلم بند کیگئی ہے

اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہ بنائے ہوئے ہیں۔ ملزم بے قصور ہے۔ بالآخر شاہانہ اختیارات کے تحت رہائی کی تجویز فرمادی، پیشگاہ سے مثل واپس ہوئی۔ حسب فرمان مبارک ملزم عزت کے ساتھ بری کیا گیا۔

بیان[1] کیا جاتا ہے کہ نواب عبدالقادر صاحب عرف چھنگلی نواب جو حضرت کے خادمین سے تھے ان کے لڑکے کا مزاج سخت علیل تھا اس وقت تک موصوف کو سوائے ایک فرزند کے کوئی اولاد نہ تھی بچہ کی حالت خراب دیکھکر سخت بیچین تھے بالآخر حضرت کے پاس حاضر ہوئے اس وقت حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے قدموں پر گر کر رونا شروع کیا ہر چند حضرت نے انھیں سمجھایا مگر ان کی بیقراری کم نہ ہوئی تو آخر پر ارشاد فرمایا کہ "اچھا جاؤ تمھارا بچہ اچھا ہوجائے گا جب یہ مکان جاکر دیکھے تو بچہ کی حالت نسبتاً پہلے کے ٹھیک نظر آئی ان کے دل کو ایک گونا سکون ہوا کہ حضرت کے زبان مبارک سے جو نکلا تھا اس کی تصدیق ہوئی رفتہ رفتہ مزاج سنبھلتا گیا اور تھوڑے روز میں بچہ اچھا ہوگیا اس واقعہ کے چند ہی روز بعد حضرت کے ایک صاحبزادہ نے انتقال فرمایا لوگ جب پرسہ دینے لگے تو آپ نے فرمایا کہ ہمکو خدا نے کئی بچے دئیے ہیں اگر ان میں سے ایک گیا تو کیا۔ البتہ چھنگلی نواب کو ایک ہی لڑکا تھا اگر وہ جاتا رہتا تو انھیں سخت صدمہ ہوتا تھا۔" کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ شائد حضرت نے دعا فرمائی تھی کہ پروردگار تو ان کے بچہ کو صحت عطا فرما اگر ایسا ہی ہے تو میری اولاد سے کسی کو اٹھالے" جسکا یہ ظہور ہوا

[1] از مولانا شرف الدین صاحب قادری۔

خواجہ محمود صاحب نامی ایک حضرت کے خادمین سے تھے بیان کرتے تھے کہ وہ ایک دفعہ پیدل گاؤں کو جارہے تھے اس روز بادل گھرے ہوئے تھے بجلیاں بھی چمک رہی تھیں، راستہ میں مغرب ہوگئی، اور یہ راستہ بھول کر چکر کھانے لگے۔ ایک دوسری طرف جانکلے پہلے ہی سے اندھیرا اس پر پھر رات کی تاریکی طرفہ تھی، راستہ سجھائی نہیں دیتا تھا یہ ایک ٹیلے پر چڑھے اس کے بعد ادھر سے اترنا چاہتے تھے کہ یکایک بجلی چمکی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت عمیق غار ہے کہ ایک قدم ان کا آگے بڑھتا تو اس گڑھے میں جا گرتے اب یہ سخت پریشان ہوئے کہ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" کا مصداق ہے جاؤں تو کدھر اگر ٹھیرو ں تو کہاں؟ جنگل کا مقام، راستہ کا یہ حال، تاریکی کا یہ عالم ہے اس پریشانی میں اسی مقام پر ٹھیر کر بیساختہ حضرت کی جانب توجہ کرکے پکارنا شروع کئے کہ المدد یاسیدی المدد یا مرشدی میں سخت پریشانی میں مبتلا ہوں اس وقت آپکی امداد درکار ہے کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال کرکے پانچ سات منٹ سے زائد عرصہ نہ گذرا ہوگا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ اسی ٹیلہ کے نیچے سے ایک صاحب گزر رہے ہیں میری نظر جب ان پر پڑی تو دم میں دم آگیا میں فوراً ٹیلہ سے اتر کر انکے ساتھ ہوگیا دو چار سو قدم کا راستہ طے کیا نہ تھا کہ چراغ نظر آنے لگے میں دل میں خیال کیا کہ نہیں معلوم یہ کونسی بستی ہے اور یہ صاحب کدھر جارہے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی دل میں ٹھان لیا کہ کونسی بھی بستی ہو اسی جائے ٹھیر جاؤں گا اور جس طرح بھی ہو رات گزار کر صبح اپنے گاؤں کا قصد کروں گا۔ کہ اب اس اندھیرے میں آگے کا قصد کرنا خطرات میں مبتلا ہونا ہے۔ جب بستی قریب آگئی اور گاؤں کے

مکان دکھائی دیے تو مجھے بالکل اپنے گاؤں کی طرح دکھائی دیا جب اور قریب ہوا تو واقعی اپنا گاؤں پایا۔ اس کے بعد مجھے ان صاحب کا خیال ہوا جو آگے آگے چل رہے تھے ہر چند ان کی تلاش کی مگر کسی کا پتہ نہ پایا اس وقت میں سمجھا کہ یہ سب میرے حضرت کا تصرف تھا جو اس طرح مجھے خطرہ سے بچا لائے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت قبلہ فرماتے ہیں کہ سید فخر الدین صاحب نامی حضرت کے ایک خادم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں بھی راستہ بھول گیا رات کا وقت تھا ہر چند جستجو کی مگر راستہ نہ ملا آخر ایک اونچے مقام پر چڑھ گیا اور وہاں سے راستہ کو غور کرتا رہا جب کچھ سجھائی نہ دیا تو میں نے بالکل مایوس ہو کر حضرت کی جانب توجہ کی اور عرض کیا کہ خواجہ محمود ہی کیا آپ کے غلام تھے میں نہیں ہوں؟ پھر مجھے کیوں رہنمائی نہیں کی جاتی اس خیال کے ساتھ ہی اس ٹیلے کے نیچے سے جس پر میں کھڑا تھا کوئی صاحب گزرتے نظر آئے میں نے خیال کہ چلو ان کے ساتھ ہو جائیں ممکن ہے کہ راستہ مل جائے فوراً ٹیلے سے نیچے اتر کر ان کے ساتھ ہو گیا وہ تیز رفتاری سے چلے جاتے تھے میں نے بھی تیزی سے ان کا تعاقب کیا تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ راستہ مل گیا راستہ پر پہنچکر میں نے اپنا اطمینان حاصل کیا اس کے بعد ان صاحب کی فکر کی جن کے پیچھے میں چلا تھا تو ان کو نظروں سے غائب پایا۔ بہت کچھ تلاش کی مگر معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھے کدھر سے آئے تھے تب مجھے یقین ہوا کہ یہ سب میرے حضرت ہی کا تصرف تھا۔

مولوی خواجہ علیم صاحب فرزند کیپٹن محسن علی صاحب مرحوم سے ایک عجیب واقعہ مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خاندان کے اکثر حضرات اہل حدیث اور بزرگوں کے تصرفات کے قائل نہ تھے۔ میری والدہ حضرت ہی سے بیعت تھیں میری والدہ کو مجھ سے پیشتر متعدد بچے ہوئے اور سب صغر سنی ہی میں جاتے رہے جس کی وجہ والدہ کو بہت سخت صدمہ پہنچا سب کے آخر پر جو بچہ مرا تو والدہ صاحبہ نے اس بچہ کی میت کا فوٹو لے کر رکھ لیا تھا۔ جب کبھی بچہ کی یاد آتی تو وہ اس میت کے فوٹو کو دیکھ کر دل کو تسلی دے لیتی تھیں۔ اس صدمہ کی وجہ ان کے دماغ پر بھی اثر ہو گیا تھا راتوں میں روتے اٹھتیں اور دروازہ کھول کر مکان کے باہر نکل جانا چاہتی تھیں۔ اس لئے والد صاحب رات میں مکان کے دروازہ کو قفل لگا دیا کرتے تھے۔

میرے والد قلعہ کی پلٹن میں کیپٹن ہونے کی وجہ قلعہ ہی میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ والدہ صاحبہ رات کے دو ڈھائی بجے اسی طرح روتی اٹھیں اور اس پریشانی میں اپنے پیرو مرشد قبلہ کو یاد کر کے کہا کہ دیکھو میرے پیرو مرشد قبلہ تشریف لائے ہیں۔ دروازہ کھولو۔ والد صاحب نے سمجھایا کہ حضرت اس وقت کہاں سے تشریف لائیں گے کیونکہ اس زمانہ میں قلعہ کے تمام دروازے رات کے بارہ بجے بند ہو جاتے اور پھر صبح ساڑھے چار بجے بعد کھلتے تھے مگر والدہ صاحبہ نے بہ اصرار کہا کہ دیکھو میرے پیرو مرشد کی آواز آرہی ہے جب دروازہ کھولا گیا تو واقعی حضرت دروازہ پر موجود تھے۔ والد صاحب نے حضرت سے قدمبوسی حاصل کی آپ کو اندر لائے۔ آپ تشریف لا کر والدہ صاحبہ کو دلاسا دیا، تھوڑی دیر

تشریف رکھے اس کے بعد مراجعت فرمائی۔

اس کے بعد بھی ایک دو مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ جب کبھی والدہ صاحبہ نے بحالت پریشانی حضرت کو یاد کیا، دروازہ پر حضرت کی آواز سنائی دی، دروازہ کھول کر دیکھا تو حضرت تشریف فرما تھے۔ والد صاحب حضرت کو اندر بلا لائے، آپ اندر تشریف رکھے اور میری والدہ کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ تم کو باعمر اولاد عطا فرمائیگا جب والدہ کو سکون ہوا آپ تشریف لے گئے۔

آپ کے اس طرح تشریف لانے پر سب کو حیرت تھی کہ قلعہ کے دروازے بند ہو جانے کے بعد پھر حضرت کدھر سے تشریف لاتے ہیں۔ میری والدہ تو اس کو حضرت کا تصرف سمجھتی تھیں۔ مگر اور حضرات چونکہ بزرگوں کے تصرف کے قائل ہی نہ تھے اس لئے ان لوگوں نے یہ تاویل کی کہ نہیں ! ممکن ہے راتوں میں حضرت یہیں رہتے ہوں گے۔ والدہ نے ان کے اس خیال کی تردید کی تو ان لوگوں نے کہا کہ اچھا آج ہم اس کی تحقیق کریں گے اگر آج بھی حضرت اسیطرح تشریف لائیں تب ہم سمجھیں گے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میرے عزیزوں میں سے بعض اصحاب اول شام ہی سے قاضی پورہ میں حضرت کے پاس حاضر ہوئے اور اس وقت تک حضرت سے باتیں کرتے بیٹھے رہے جب تک کہ قلعہ کے دروازہ بند نہ ہو گئے۔ (یعنے رات کے بارہ بجے تک) جب دروازے بند ہو جانے کا وقت ہو گیا تب ان لوگوں نے اپنا سلسلہ گفتگو ختم کیا حضرت تشریف لے گئے اور یہ لوگ وہیں حضرت کے پاس ہی احاطہ مسجد میں ٹھیرے رہے۔

ادھر کا واقعہ سنئے کہ رات میں وہی دو ڈھائی بجے حسب عادت والدہ کو

اختلاج کا شدید دورہ ہوا وہ چیختے چلاتے اٹھیں اور اپنے پیر کو یاد کرنا شروع کیا تو پھر دروازہ پر حضرت کی آواز سنائی دی والد صاحب نے جا کر دروازہ کھولکر دیکھا تو حضرت تشریف فرما تھے حسب عادت اندر تشریف لائے تھوڑی دیر ٹھیرے اس کے بعد جب والدہ کو سکون ہوا تب آپ واپس ہوئے۔

دوسرے روز جب ان لوگوں کو جو محض حضرت ہی کو دیکھنے قاضی پونہ جاکر ٹھیرے ہوئے تھے اطلاع ملی تو اولاً ان کو یقین نہ آیا جب اس کی تحقیق ہوئی تو ان سب کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ تھی کہ آخر حضرت کہاں سے اور کیسے تشریف لائے؟ کیونکہ وہ لوگ جو دروازہ ہی پر حاضر تھے حضرت کو دولت سرا سے باہر نکلتے دیکھا ہی نہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ چند دن کے بعد حضرت کی پیشین گوئی کے بموجب میں پیدا ہوا میرا نام بھی حضرت ہی نے خواجہ علی خاں رکھا۔

ایک اور واقعہ صاحب موصوف ہی سے مروی ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ میری والدہ کو ہر پہلی جمعرات کو حضرت باباشرف الدین صاحب قبلہ رح کے پاس جاکر فاتحہ گزرانے حضرت نے حکم دیا تھا والدہ کہتی تھیں کہ اکثر مجھے گھر کے کاروبار سے فارغ ہو کر نکلنے میں شام ہو جاتی متعدد دفعہ متعدد اصحاب نے مجھ سے کہا کہ جانا دور ہے پھر جنگل کا مقام، راستہ کی حالت بھی اطمینان بخش نہیں اس لئے سویرے ہی سے ہی جا کر آجایا کرو مگر میں ہر وقت جواب دیا کرتی تھی، کہ فکر کی کیا بات ہے میرا پیر بڑا زبردست ہے وہی میرے محافظ ہیں۔

والدہ کہتی تھیں کہ ایک دفعہ اسی طرح شکرم میں سوار ہو کر فاتحہ کی غرض سے

نکلی۔ چونکہ سواری بھی تیز رفتار نہ تھی راستہ ہی میں شام ہوگئی چاندنی رات تھی بسرگ کے پاس جب شکرم پہنچی تو چند ڈاکوؤں نے شکرم کو گھیر لیا۔ اور شکرم والے کو مار پیٹ کی، شکرم سے بیلوں کو جدا کر دیا۔ اس وقت اتفاق سے میرے ساتھ کوئی اور مرد بھی نہ تھا بلکہ چند عورتیں تھیں اور شیر خوار بچہ (یعنے راوی) گود میں تھا۔ میں پریشان ہوکر بچہ کو گود میں لے کر کود پڑی اور فرضی چند لوگوں کے نام لے کر پکارنا شروع کیا اور ادھر اپنے قلب کو اپنے پیر و مرشد قبلہ کی جانب متوجہ کر کے عرض کیا کہ حضرت اس وقت میری عزت، آبرو، جان سب خطرہ میں ہے آپ کی مدد چاہئے۔ اتنے میں کیا دیکھتی ہوں کہ اسی جنگل سے حضرت قبلہ مع چند خادمین کے جن کی ہاتھوں میں لٹ بھی ہیں، تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت کو دیکھتے ہی وہ تمام ڈاکو بھاگ گئے اور میرے دم میں دم آیا۔ حضرت نے مجھے شکرم میں سوار کروا کر اپنے سامنے رخصت فرمایا۔

مولانا شرف الدین صاحب قادری بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک دفعہ درد گردہ کا شدت سے دورہ ہوا جس کی وجہ سے میں بے حد پریشان تھا، زندگی سے مایوس ہو چکا تھا، ڈاکٹر لقمان الدولہ مرحوم کے زیر علاج تھا، ڈاکٹر صاحب نے بھی مایوسی ظاہر کی تھی، اس پریشانی میں مجھے حضرت کا خیال آیا کیونکہ اس وقت تک حضرت نے مجھے ملاحظہ نہ فرمایا تھا۔ دل میں خیال کیا کہ حضرت کو تکلیف دوں تو سوء ادبی ہوگی اور میرا یہ حال ہے کہ میں خود حاضر نہیں ہو سکتا۔ آخر کیا کروں؟ کس طرح حضرت کو دیکھوں؟ ادھر میرا خیال آپ کی جانب بندھا ادھر تھوڑی دیر نہ گزری کہ حضرت خود تشریف فرما ہوئے۔ واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس روز حضرت اپنے ماموں زاد بھائی حضرت مولانا شجاع الدین صاحب ثانی رحؒ کے ہمراہ گنبد تشریف

کو تشریف لے جارہے تھے زہرہ بی صاحبہ مجذوبہؒ کی قبر تک پہنچ چکے تھے کہ یکایک آپ ٹھیر گئے اور واپس ہونا چاہا۔ آپ کے ماموں زاد بھائی صاحب نے فرمایا کہ "کیوں"؟ تو آپ نے فرمایا کہ شرف الدین بیمار ہیں اس لئے میں پہلے جاکر ان کو دیکھ آتا ہوں" آپ کے بھائی صاحب نے کہا کہ اب درگاہ شریف قریب آچکی ہے فاتحہ سے فارغ ہوکر آپ جاسکتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ "نہیں! میں پہلے جاکر ان کو دیکھوں گا۔ اس کے بعد فاتحہ کے لئے حاضر ہوں گا۔ اور وہاں سے سیدھے میرے مکان کو تشریف لائے، جوں ہی آپ تشریف فرما ہوئے میں نے بےچینی سے آپ کے قدم مبارک پر سر رکھ کر رونا شروع کیا، آپ نے مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ "کیوں پریشان ہوگئے کیا تم خیال کرتے ہو کہ اب مرجاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کہ پیر و مرشد! تکلیف ناقابل برداشت ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ "اب درد نہیں ہوگا۔ اور تم ابھی بہت روز جیو گے۔" اس کے بعد آپ بہت دیر تک ٹھیر کر برخاست فرمائے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے اب تک پھر مجھے گردہ کے درد کی شکایت نہ ہوئی۔

دیگر

مولوی محمد حسین صاحب مدرس فنون سپہ گری جامعہ نظامیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت یکّہ ساز مولانا محمد رکن الدین صاحب صدیقی مرحوم بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت ہمارے پاس تشریف لائے، تھوڑی دیر ٹھیرے، گفتگو کی، اس کے بعد واپس ہونے لگے تو میں بھی ساتھ ہی نکلا سواری پر سوار

ہوتے ہوئے آپ نے مجھ سے فرمایا کہ "آیئے میرے ساتھ چلئے۔ قلعہ کو جائینگے"
تو میں نے عرض کی کہ جی! مجھے دفتر جانا ہے اگر میں دفتر نہ جاؤں تو غیر حاضری
کا عمل ہوگا۔ ادہر میری اہلیہ بھی پریشان رہینگی کیونکہ میرے آپ کے ساتھ جانے کی
کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اسپر آپ نے فرمایا کہ "آیئے سب کچھ ہو جائے گا۔" اس
ارشاد پر میں مجبور ہو گیا مگر دل میں خیال کیا کہ آج خوامخواہ حضرت نے مجھے مجبور کر رہے
ہیں۔ میرے دفتر نہ جانے کی وجہ اُدھر غیر حاضری کا عمل ہوگا۔ اودھر اہلیہ
پریشان رہیں گی اگر پہلے ہی حضرت مجھ سے فرماتے تو میں کچھ انتظام کر لیتا
خیر۔ مجبوراً ساتھ چلا گیا دوسرے روز قلعہ سے واپسی ہوئی جب گھر پہنچا تو
اہلیہ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ قلعہ سے ابھی آرہے ہیں؟ میں نے حیرت
سے ان سے پوچھا کہ تمھیں اس کی کیسے اطلاع ہوئی اہلیہ نے جواب دیا کہ
کل آپ ہی جاتے جاتے کہلوا گئے کہ میں دولھے بھائی (حضرت خواجہ محبوب اللہ)
کے ساتھ قلعہ کو جا رہا ہوں کل آؤں گا اور اب ایسا پوچھ رہے ہیں؟ اس
جواب کے سننے کے بعد میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ تھی کہ میں نے تو کسی کے
ذریعہ ایسی کوئی اطلاع نہیں دی اور نہ حضرت نے میرے سامنے کسی سے مکان
میں اطلاع دینے فرمایا پھر یہ اطلاع کیسے ہوئی؟ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے بعد
جب دفتر پہنچا تو اپنے منتظم متعلقہ سے کل کی غیر حاضری کی معافی کی درخواست
کی اور کہا کہ میں ایک موقتی ضرورت کے تحت قلعہ چلا گیا تھا اس لئے حاضر
نہ ہو سکا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! کل ہی آپ نے جو درخواست بھیجی تھی
وہ منظور ہو چکی ہے۔ اس کے سننے کے بعد میری اور حیرانی میں اضافہ ہو گیا

کہ میں نے کسی کے ذریعہ درخواست بھیجی نہ کسی سے ایسی درخواست دینے کہا
پھر یہ درخواست کیسے آئی؟ کون دیا؟ مگر یہ معمہ حل نہ ہوا۔

سبحان اللہ! کیا انتظام ہے ؎

عالم ہے دنگ یار کے حسن و جمال میں   حیراں ہے شگاف ترے بال بال میں

مولانا شرف الدین قادری فرماتے ہیں کہ حضرت کے پاس ایک بکری تھی جو اکثر مکان کے صحن میں بندھی رہتی ایک دفعہ وہ بکری پکار رہی تھی، اس کا اس وقت کا پکارنا آپ کو ناگوار خاطر گذرا، آپ نے اس کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ "کیوں چیختی ہے خاموش رہ" اس کے ساتھ ہی وہ بکری خاموش ہو گئی اور اس کے بعد سے پھر کبھی اس کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔

حضرت کے معالجات

حضرت کو فن طب میں بھی خاص دخل تھا جیسے کہ ہم نے پہلے صراحت کی ہے۔ مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس فن میں آپ کو کس سے تلمذ حاصل تھا۔ نسخہ جات میں آپ نے ایک کتاب بھی تالیف فرمائی ہے جو غیر مطبوعہ ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام نسخے کسی قرابادین وغیرہ سے نہیں لئے گئے بلکہ آپ کو بذریعہ کشف باطنی معلوم کرائے گئے ہیں کیونکہ اکثر نسخہ جات پر "فرمودہ حضرت سرور عالمیان صلعم" بعض پر "فرمودۂ حضرت غوث الاعظم دستگیرؒ" لکھا ہوا ہے بہرحال یہ تالیف بھی ایک خاص اور اس کے نسخہ جات بھی خاص ہیں۔ متعدد نسخہ جات کا متعدد اصحاب نے تجربہ کیا بیحد مجرب و مفید ثابت ہوئے۔ چنانچہ حکیم مولانا عبدالجبار صاحب صدیقی (جو افسر الاطبا حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا کے خاص تلامذہ سے ہیں) بیان فرماتے ہیں کہ حضرت کے نسخہ جات سے سرمہ مقوی بصر کا ایک نسخہ میں نے نوٹ کر کے اپنے استاد کے پاس پیش کیا جو دو چار مفردات پر مشتمل تھا۔ حکیم صاحب نے اس نسخہ کو سن کر فرمایا کہ "یہ کس کا مرتبہ نسخہ ہے" میں نے حضرت کا اسم گرامی آپ سے عرض کیا۔ اور کہا کہ یہ نسخہ حضرت کو بذریعہ کشف معلوم ہوا ہے آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ بینائی کے لئے بیحد مفید ہے چونکہ حکیم صاحب موصوف بھی ایک عرصہ تک بلدۂ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں قیام فرماتے تھے۔ یہاں کی مشہور ہستیوں بالخصوص حضرت کے

حالات سے بخوبی واقف تھے۔ آپ کا اسم گرامی سنتے ہی خاموش ہو گئے۔ نسخہ تیار کرایا گیا جب تجربہ کیا گیا تو بیحد مفید ثابت ہوا اس سرمہ کے استعمال سے آنکھ کا پھولا یا جالا بھی کٹ جاتا ہے ایک عورت کو فالج کا اثر ہو گیا تھا میں نے علاج کیا تو صحت تو ہو گئی مگر آنکھ سے ہر چیز دوہری دکھائی دیتی تھی میں نے اسی سرمہ کا استعمال کروایا جس سے یہ شکایت جاتی رہی۔

اسی طرح حکیم مولانا عبدالجبار صاحب فرماتے ہیں کہ دوسرا ایک نسخہ تیل کا حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ دردوں وغیرہ کے لئے بیحد مفید ہے میں نے اس نسخہ کا متعدد مرتبہ تجربہ کیا۔ بیحد مفید ثابت ہوا آپ نے تو اس کو دردوں وغیرہ کے درد کے لئے استعمال کرنے تحریر فرمایا ہے لیکن میں نے ہر درد کے موقع پر حتیٰ کہ کان کے درد کے لئے بھی استعمال کرایا تو بیحد مفید پایا اس کے علاوہ میں نے اور بہت سے حضرت کے مرتبہ نسخہ جات کا تجربہ کیا ہر ایک کو اسی طرح مفید پایا

آپ نے اپنی تالیف میں ماراللحم کا بھی ایک نسخہ تحریر فرمایا ہے جس کی بہت تعریف بھی کی ہے۔ گو ماراللحم کے قرابادین میں کئی نسخہ پائے جائیں گے جس میں کئی کئی دوائیں شامل کی جاتی ہیں لیکن حضرت نے جو نسخہ تحریر فرمایا ہے وہ بہت کم ادویات پر مشتمل ہے۔ اس نسخہ کو ایک دفعہ حکیم سرفراز حسین خاں صاحب مرحوم کو (جو دہلی کے مشہور و ممتاز اطباء میں شمار کئے جاتے تھے اور خاندانی طبیب ہونے کے علاوہ خاص معلومات کے حامل تھے) دکھایا گیا حکیم صاحب موصوف نے بہت دیر تک اس کے اجزاء کو دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کس کا مرتبہ ہے۔ جب حضرت کا اسم گرامی ان سے کہا گیا تو خاموش ہو گئے۔ (کیونکہ موصوف حضرت کے حالات سے واقف تھے اور

خاص عقیدت بھی رکھتے تھے) اس کے بعد اجازت چاہی کہ اس کو تیار کر کے دیکھیں گے
جب حکیم صاحب ممدوح نے اس کا تجربہ کیا تو بیحد تعریف کی چنانچہ حکیم صاحب موصوف
نے اس مارالحم کی تیاری کے بعد دو شیشے راقم الحروف کو بھی عنایت فرمائے تھے
جو استعمال سے بہت مفید و بے ضرر ثابت ہوا۔

بہرحال اسی طرح حضرت کے مجوزہ نسخہ جات کے منجملہ متعدد نسخوں کا
متعدد اصحاب نے متعدد مرتبہ تجربہ کیا اور ہر ایک نسخہ کو اسی طرح غیر معمولی زود اثر
و مفید پایا۔

آپ نے ایک زمانہ میں خدمت خلق کے خیال سے ادویات کے ذریعہ
عامۃ الناس کا علاج بھی فرمایا ہے جو بہت کامیاب رہا۔ چنانچہ بعض واقعات جو
ہمکو ملے ہیں ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

زہرہ بی صاحبہ (جو حضرت کی پروردہ ہیں) بیان کرتی ہیں کہ
وہ شادی کے بعد سخت علیل ہو گئی تھیں، بخار کا سلسلہ تھا متعدد حکما کا علاج
رہا، لیکن بخار کا سلسلہ جاتا نہ تھا، حالت دن بدن لاغر ہوئی جارہی تھی، بالآخر
حضرت نے ایک روز ایک آدمی کو ساتھ لے کر جنگل سے مختلف درختوں کے پتے
اور مختلف جڑیاں لے آئے، اس کا جوشاندہ تیار کیا، سب دوائیں موقوف
کر کے اپنا علاج شروع فرمایا۔ چند روز میں خدا کا فضل ہو گیا، بخار کا سلسلہ جاتا رہا
توانائی پیدا ہوئی۔

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی انہی سے مروی ہے کہ حضرت سید عمر رضا قبلہ رح
کو بھی شادی سے قبل بخار کا سلسلہ تھا، کمزوری بیحد ہو گئی تھی، بعض اطبا نے

تپ دق کا شبہ ظاہر کر دیا اور بعضوں کی رائے ہوئی کہ فوراً شادی کر دی جائے ورنہ جان کا اندیشہ ہے۔ جب بہت سے علاج ختم ہو چکے فائدہ کی صورت نظر نہ آئی، تو پھر حضرت نے خود اپنا علاج شروع کیا تھوڑے ہی روز میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہو گیا صحت بالکل اچھی ہو گئی۔

حضرت مولانا فضل مدظلہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے ایک وقت بخار کا سلسلہ شروع ہوا جو ایک عرصہ تک جاری رہا، جس کی وجہ طبیعت پر بیحد پستی ہو گئی تھی حضرت عیادت کے لئے تشریف لائے مزاج پرسی کی، اس کے بعد فرمایا کہ نارنگیاں کھاؤ انشاء اللہ المستعان فضل ہو جائے گا۔ حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً بازار سے نارنگیاں منگوائیں تو میرے والد ماجدؒ نے ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ "خواجہ میاں بچپن میں سنکھیا کھائے تھے جس کی حدت ان کی طبیعت میں ابھی تک ہے وہ اپنی طبیعت پر قیاس کر کے تمہیں بھی کہے ہیں" میں اس وقت تو خاموش رہا مگر چونکہ حضرت کے ارشاد کی تعمیل فرض سمجھتا تھا۔ اور یقین تھا کہ مجھے اسی سے صحت ہو گی۔ اس لئے میں نے بعد میں حکم کی تعمیل کی اور خوب جی بھر کر نارنگیاں کھالیں اسی روز سے بخار موقوف ہو گیا طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی۔

آپ نے ایک عرصہ تک باضابطہ ادویات کے ذریعہ بھی علاج فرمایا ہے اس کے بعد آپ کو بذریعہ کشف تعویذات بتائے گئے اور اس کے ذریعہ علاج کا طریقہ سمجھایا گیا یہ تعویذات بھی دوسروں کے تعویذات سے بالکل علیحدہ ہیں۔ اور اس میں بھی اکثر نسخہ جات کی طرح آپ نے فرمودہ حضرت سرور عالمیان ﷺ

فرمودۂ حضرت پیران پیرؒ تحریر فرمایا ہے۔ ان تعویذات میں علاوہ سحر آسیب وغیرہ کے جملہ امراض کیلئے تعویذات موجود ہیں تقریباً ہر کام کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ تعویذ تحریر فرمائے ہیں، سوائے محبت و عداوت کے کہ آپ کے تعویذات کی خاص خصوصیت ہے کہ ان میں محبت و عداوت کے لئے کوئی تعویذ نہیں البتہ محبت زوجین کا نقش موجود ہے ہر قسم کا نقش ہو لیکن محبت و عداوت کا کوئی نقش نہ ہو یہ بھی مصلحتاً معلوم ہوتا ہے تاکہ لوگ کسی وقت اس کے ذریعہ ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

حضرت کے تعویذات کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے تعویذ پر اگر کسی دوسری جگہ کا نقش رکھا جائے تو فائدہ ہی نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اس کا برعکس نتیجہ بھی نکلا ہے تعویذات میں بعض اسمار الہٰی ہیں بعض میں اعداد ہیں لیکن بعض تعویذات ایسی بھی ہیں جسمیں نہ تو کوئی اسم ہی ہے نہ کوئی عدد مثلاً دودھ کے لئے آپ نے ایک نقش تحریر فرمایا ہے جسمیں صرف چند لکیریں ہیں اور چند نقطے تعویذ کے دیکھنے سے حیرانی ہوتی ہے لیکن ایسا قوی الاثر ہے کہ عقل حیران ہو کر رہ جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ صرف کسی غیر معمولی قوت کا کرشمہ ہے وبس۔

اسی طرح آسیب کا بھی ایک نقش تحریر فرمایا ہے۔ جو صرف ایک خط ہے لیکن اثر کا یہ عالم ہے کہ ادھر نقش استعمال کیا گیا ادھر فائدہ شروع ہو گیا۔ جو آج تک آپ کے سلسلہ میں چلے آرہے ہیں حضرت کے فیض سے صدہا مریض شفا پاتے ہیں جس سے بلدہ کا ہر فرد بشر بخوبی واقف ہے۔

حضرت کے معالجات تو اور بھی خاص انداز کے ہوتے تھے تعویذ فرمان کا حکم رکھتا تھا کیونکہ ایک تو ان اسمار الہٰی کے نقوش کا، دوسرے حضرت کے دست فیض اثر سے لکھے جانے کا اثر شامل تھا چنانچہ دار الشفار والی بی بی صاحبہ

فرماتی تھیں کہ ایک دفعہ میرا بچہ علیل ہوگیا تھا، جس کی وجہ میں پریشان تھی،
آپ نے میری پریشانی کو ملاحظہ فرما کر کاغذ پر چند نقوش تحریر فرما کر مجھے سرفراز
فرمائے کہ ان نقوش کو دھو کر بچہ کو پلاؤ۔ حسب الحکم میں نے تعمیل کی، فوراً بچہ کو صحت
ہوگئی۔ لیکن دھونے کے بعد بھی کاغذ پر نقوش موجود تھے تو میں نے ان کاغذات
کو اپنے پاس محفوظ کر لیا، اور جب کبھی کسی کی طبیعت بگڑتی ہوئی دیکھی فوراً ان
میں سے ایک نقش کو پانی میں دھو کر مریض کو پلا دیا۔ اللہ نے صحت عطا فرمائی۔

راقم الحروف نے بھی بعض اوقات بی صاحبہ موصوفہ کو ان نقوش کا استعمال
کراتے دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس مریض کو صحت عطا فرمائی۔

اور بعض وقت خود راوی صاحب کو بھی استعمال کرتے دیکھا ہے (مؤلف)

حضرت کے بعض معالجات تو ایسے بھی رہے کہ جہاں نہ تعویذ استعمال فرمایا
گیا نہ کوئی دوا، حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو حضرت کا تصرف ہی سمجھنا چاہیئے۔

دار الشفا والی بی صاحبہ فرماتی تھیں کہ مجھے بواسیر و نواسیر کی شکایت
ایک عرصہ تک رہی جب کبھی اس مرض کو زور ہوتا بیحد تکلیف رہتی طبیعت پر
بہت پستی ہو جاتی تھی ایک دفعہ اس مرض کا غلبہ ہوا۔ خون شدت سے نکلنے
لگا۔ میری حالت دیکھ کر حضرت پیرانی بی صاحبہ قبلہ نے دریافت فرمایا تو میں
نے تمام کیفیت عرض کی اس پر پیرانی بی صاحبہ قبلہ نے فرمایا کہ جب ایسی شکایت
ہے تو پھر آپ حضرت سے عرض کر کے کوئی تعویذ وغیرہ کیوں نہیں لیتے حالانکہ آپ
روزانہ صبح سے شام تک بیٹھی میں حاضر رہتے ہیں میں نے جواب دیا کہ بی!
شرمندگی سے معروضہ کرنے میری طبیعت نہیں بڑھتی اس پر حضرت پیرانی بی صاحبہ قبلہ

نے فرمایا کہ اچھا میں کہتی ہوں چنانچہ ایک وقت حضرت خاصہ پر تشریف رکھے تھے طبیعت پر بحالی دیکھ کر پیرانی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ جی! دارالشفا والی بی صاحبہ آجکل بہت پریشان ہیں ایسی شکایت ہے مگر شرم سے اب تک آپ سے عرض نہیں کئے یہ سنکر آپ بہت متاثر ہوئے اور مجھ سے تمام کیفیت دریافت فرمائی میں نے تمام واقعات عرض کئے۔ جس کو حضرت سماعت فرماکر خاموش ہو گئے۔ نہ کوئی تعویذ ہی سرفراز فرمایا نہ دوا اور نہ کچھ پڑھنے پڑھانے کی ہدایت فرمائی میں بھی خاموش رہی کہ حضرت کی جیسی مرضی ہو وہی بہتر ہوگا لیکن اس روز سے تکلیف میں کمی ہوگئی۔ تیسرے روز پھر جب خاصہ کو تشریف رکھے تو مجھ سے کیفیت پوچھی میں نے عرض کیا کہ کل سے تو ذرا سکون ہے آپ ہاں! کہکر خاموش ہو گئے اس روز سے اور زیادہ سکون رہا۔ پانچویں روز پھر خاصہ کے وقت آپ نے دریافت فرمایا کہ اب آپ کی بواسیر وتواسیر کیسی ہے؟ میں نے عرض کی کہ جی!! اب تو بہت آرام ہے پھر آپ نے ہاں! کہکر سکوت اختیار فرمایا اس کے بعد سے بالکل صحت ہوگئی۔

راوی صاحبہ فرماتی ہیں کہ اس تاریخ سے اب تک پھر مجھے وہ شکایت ہی نہیں رہی حالانکہ بیس بائیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔

نہیں معلوم کہ اس استفسار میں کیا جادو تھا کہ جوں جوں استفسار فرمایا جاتا صحت ہوتی جاتی تھی اور صحت بھی ایسی ہوئی کہ مرض کے اثرات بالکل جاتے ہی رہے ورنہ بالخصوص یہ ایسا سخت مرض ہے کہ اسکے علاج میں بڑے بڑے ماہر اطبا بھی عاجز آجاتے ہیں

دارالشفا والی بی سے ایک اور واقعہ بھی اسی طرح کا مروی ہے راوی صاحبہ مرحومہ

کہتی تھیں کہ ایک دفعہ میرا نواسہ سید احمد مغربی جل گیا تھا، تمام جسم پر آبلے آگئے تھے جب میری لڑکی نے اس کی اطلاع دی تو میں حضرت سے اجازت لیکر اپنی لڑکی کے گھر گئی، اور بچہ کی تیمارداری میں معروف رہی، بچہ اکثر میرے پاس ہی رہتا، راتوں میں بھی میرے ہی گود میں سوتا، چونکہ اس کو تکلیف زیادہ تھی اس لئے جب کبھی نیند سے بیدار ہوتا تو روتا، تلملاتا چیختا، اور اس بے چینی میں پیر مارتا اکثر اس کا پیر میری بائیں بغل پر پڑتا، نہیں معلوم کہ اس طرح مسلسل پیر مارنے کی وجہ رگوں پر اس کا کیا اثر ہوا کہ چند دن کے بعد میرا بایاں ہاتھ چھوٹا ہو گیا۔ اب اس سے کوئی وزنی چیز اٹھائی نہیں جاتی اگر کوئی چیز اٹھانا بھی چاہتی تو ہاتھ میں لرزہ پیدا ہوتا۔ اور وہ شئے ہاتھ سے چھوٹ جاتی، ہاتھ برابر اٹھتا بھی نہ تھا۔

جب بچہ کو صحت ہوئی تو میں حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوگئی ایک دفعہ حضرت کے وضو کے لئے لوٹے میں میں پانی بھرنا چاہی تو اسی طرح ہاتھ میں لرزہ ہو کر لوٹا ہاتھ سے چھوٹ گیا جب آپ نے اس کو ملاحظہ فرمایا تو مجھ سے فرمایا کہ کیا آپ نے نواسہ کی تیمارداری میں ہاتھ کو نذر کر دیا؟ تو میں نے تمام واقعہ سنایا آپ اس کو سماعت فرما کر خاموش ہو گئے۔ پھر ایک روز کے فصل سے آپ نے مجھ سے میرے ہاتھ کی نسبت دریافت فرمایا کہ "اب آپ کا ہاتھ کیسا ہے؟" میں نے اپنے ہاتھ پر جب غور کیا تو قدرے قوت محسوس کی اور ہاتھ ذرا اٹھ رہا تھا میں نے ہاتھ اٹھا کر آپ کو دکھایا اور عرض کیا کہ اب قدرے فرق محسوس ہو رہا ہے تو آپ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد پھر ایک روز کے فصل سے آپ نے مجھ سے ہاتھ کے نسبت استفسار فرمایا کہ "آپ آپکا ہاتھ کیسا ہے"؟ تو میں نے

عرض کیا کہ نسبتاً پہلے کے میں اب زیادہ فرق محسوس کر رہی ہوں پھر آپ خاموش ہوگئے اس کے بعد تو میرا ہاتھ بالکل درست ہوگیا اب نہ وہ کمزوری ہی تھی نہ کسی شئے کے اٹھانے میں تکلف عقل حیران تھی کہ آپ نے کیا تصرف کیا۔

ان ہی بی بی سے ایک اور واقعہ بھی مروی ہے۔ بیان کرتی تھیں کہ حضرت کے وصال کے بعد ایک دفعہ میں سخت علیل ہوگئی علالت کے بعد میرا بایاں پیر سوکھ گیا تھا میں حضرت کی مزار مبارک پر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ جب تک آپ تشریف فرما تھے ہماری مدد فرماتے اور اپنے تصرفات خاص سے ہماری مشکلیں آسان فرمایا کرتے تھے آپ میرے پیر کو اچھا کر دیجئے۔ چنانچہ مزار مبارک کے پائیں میں ایک گڑھا کھود کر میں نے اپنا پاؤں اس میں رکھدیا اور دس منٹ بعد جب پاؤں نکالا تو بحمدہ تعالیٰ میرا پاؤں بالکل اچھا تھا کوئی شکایت باقی نہ رہی۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شاہ علی بنڈہ سے گزر رہے تھے آپ کے ہمراہ حضرت کی میاں صاحب قبلہؒ بھی تھے راستہ میں آپ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو آپ کے خادمین سے بھی نہ تھا، مگر نوجوان تھا چہرہ پر اس کے بدحواسی طاری تھی، پان والے کی دوکان سے پان خرید رہا تھا۔ آپ نے اس کی جانب اشارہ کر کے خادمین سے فرمایا کہ "اس لڑکے کو یہاں بلالو" چنانچہ ایک صاحب بڑھے اور جا کر اس سے کہا کہ چلو! تمھیں ہمارے حضرت یاد فرما رہے ہیں تو اس نے آنے سے انکار کیا اور کہا کہ مجھے معاف فرمائیے میں اس وقت ٹھیر نہیں سکتا جلد مجھے جانا ہے لیکن جو صاحب بلانے گئے تھے وہ اصرار کئے کہ حضرت یاد فرما رہے ہیں اور تم انکار کرتے ہو بزرگوں کے احکام کی تعمیل

نہ کرو گے تو پریشان ہو جاؤ گے کیونکہ آپ راستہ ہی پر اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ خیر۔ وہ لڑکا گھبراتا ہوا حاضر ہوا۔ تو آپ نے مسکرا کر اس سے فرمایا کہ کیوں تم اس قدر بدحواس کیوں ہو؟ اس پر اس لڑکے نے کہا۔ کہ خیر۔ حضرت میری قسمت کی خرابی ہے اب آپ پوچھکر کیا کریں گے اب یہ فرمائیے کہ آپنے مجھے کیوں یاد فرمایا ہے؟ کیونکہ میں مجبور ہوں زیادہ دیر تک نہیں ٹھیر سکتا اس جواب پر پھر آپ نے اس کو سمجھا کر استفسار فرمایا کہو تمھیں کیا پریشانی ہے؟ تو پھر وہ ٹالنا چاہتا تھا۔ لیکن آپ کے ساتھ کے خادمین نے بھی اصرار کیا کہ کہو حضرت کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھاری پریشانی دفع کر دے گا تب اس نے اپنا دکھ بھرا ٹکڑا شروع کیا کہ کیا عرض کروں میں نے حال ہی میں شادی کی ہے میری بی بی بہت حسین اور خوبصورت ہے لیکن عقد کے دوسرے ہی روز سے یہ واقعہ ہے کہ ایک ہندو گورے رنگ کا جس کے سر پر چوٹی ہے دھوتی باندھے نمودار ہے اور میری بی بی کے پاس ہی بیٹھا رہتا ہے مجھ سے ایک نوکر کی طرح تمام خدمت لیتا ہے بازار کو بھجواتا ہے سودا منگواتا ہے اگر میں نے ذرا سی تاخیر کی تو مجھے مارتا ہے چنانچہ اس وقت بھی اس کے کہنے پر میں پان لانے کے لئے نکلا ہوں نکلتے وقت ہی اس نے تاکید کی تھی کہ دس منٹ میں فوراً واپس آنا اس لئے میں جلد جانا چاہتا ہوں اب اگر تاخیر ہو گی تو پھر مجھے مارے گا۔ آپ نے اس کی تمام پر درد داستان کو بغور سماعت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اچھا تم۔ یہ تو کہو کہ تمھیں بی بی چاہتے یا دولت؟ تو اس نوجوان نے عرض کیا کہ حضرت مجھے مال و دولت کی پروا نہیں مجھے میری بی بی ملجائے تو بس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ!

اور اس سے کہدو کہ "خواجہ میاں قاضی پورہ والے نے تجھ کو حکم دیا ہے کہ تو
چلے جا" اس پر وہ بہت اصرار کرے گا اور تم کو روپے پیسے کی بہت لالچ بتائیگا
مگر خبردار! تم اس کی ایک نہ سننا اور یہی کہنا کہ تو چلے جا" یہ لڑکا اس ارشاد
کو سنکر بہت خوش خوش لوٹا۔ مگر ابھی اس کے دل میں دل نہ تھا کہ دیکھیں کیا
واقعہ پیش آتا ہے۔ خیر جب مکان پہنچکر گھر میں داخل ہوا تو چونکہ اس کو یہاں کافی
تاخیر ہو چکی تھی۔ اس خبیث نے دیکھتے ہی بری صورت بنائی، اس پر کڑکنا شروع
کیا، اس نے فوراً حضرت کا حکم پہنچایا وہ لڑکا بیان کرتا تھا کہ جوں ہی اس حکم کو
سنا تمام اس کا کس بل جاتا رہا اور تحکمانہ شان سے اتر کر منت سماجت شروع
کردی، کہنے لگا کہ مجھے اس لڑکی سے بچپن سے محبت ہے، میں اس کی صورت
کا دیوانہ ہوں، تم جو چاہے کہو، لیکن اس کو چھوڑ دینا میرے امکان سے باہر
ہے اگر تم چاہتے ہو تو میں تمھیں کافی رقم دیتا ہوں، تم کسی دوسری عورت سے
شادی کرلو، لیکن مجھ پر رحم کرو، یہ کہکر اس نے آسمان کی جانب ہاتھ دراز کیا
اور روپیوں سے بھری تھیلیاں اس کے سامنے رکھنا شروع کیا وہ بیان کرتا
تھا کہ اس نے اتنی تھیلیاں لاکر ڈالدیں کہ زمیں سے مکان کی چھت تک روپیوں
کی تھیلیوں سے ڈھیر لگ گئی مگر چونکہ مجھے حضرت نے جو تاکید کی تھی یاد تھی میں
آخر تک یہی کہتا رہا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں بس تو چلے جا؟ اس پر وہ بھی
مجبور ہو گیا، ہار مان لی، اور وہاں سے اٹھ کر اپنا لوٹا لیا اور چلتا بنا، اس دن
سے مجھے آرام ملا، اور میری بی بی کو بھی، ہم دونوں اب آرام کی زندگی بسر کرتے
ہیں۔ ظاہر تو ظاہر خواب میں بھی اب اس کی پرچھائی نظر نہیں آتی، ان معاملات پر

عقل حیران ہے کہ نہ تو تعویذ ہے نہ فتیلہ، نہ تشتری نہ کوئی وظیفہ نہ عمل نہ کچھ پڑھا، پھونکا نہ دم کیا، نہ کوئی نقش دیا، صرف ایک حکم دیا گویا کہ شاہی فرمان نافذ ہوا، جس کی تعمیل میں کسی چون وچرا کی گنجائش ہی نہ رہی بقول شخصے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، بجز تعمیل کے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ دوسروں سے مہینوں میں جو کام ہونا دشوار تھا یہاں سکنڈوں میں ہوا۔ سبحان اللہ۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ نظام الدین صاحب بیجاپوری کی (جن کو حضرت سے بیعت وخلافت تھی) بچپن میں ایک عجیب کیفیت تھی کہ جہاں ان کے سامنے سونے کا علم چاندی کا علم بی بی کا علم، ان جملوں کو کسی نے دو تین مرتبہ دہرایا کہ ان پر ایک بیخودی کا عالم طاری ہوتا اور اس قدر شدت کے ساتھ کہ ہوش باقی نہ رہتے لوٹنا شروع کرتے تھوڑی دیر یہی کیفیت رہتی اس کے بعد کہیں ان کو ہوش آتا۔

ایک دفعہ وہ حضرت کے پاس حاضر ہوئے کسی نے آپ کے سامنے ان کی اس حالت کا ذکر کیا اور ان جملوں کو آپ کے سامنے دہرایا جیسے ہی وہ جملے دہرائے گئے نظام الدین پر بیخودی کا عالم طاری ہوا وہ لوٹنا شروع کئے آپ نے ان کی اس حالت کو بغور ملاحظہ فرما کر ان پر کچھ دم کیا جس کے بعد ان کو ہوش آگیا۔ اور اس کے بعد سے وہ کیفیت جاتی رہی۔

متفرقات

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت سید شیخن احمد صاحب شطاری علیہ الرحمہ کے پاس ہر سال نیاز یازدہم شریف بڑے تکلف سے ہوتی جس میں بلدہ کے اکثر مشائخین، علما، عہدہ دار مدعو کئے جاتے تھے ایک دفعہ اس دعوت میں حسب عادت آپ بھی تشریف فرما ہوئے، اس روز نہیں معلوم کہ حضرت پر کیا کیفیت طاری تھی، ریش مبارک کے بال کتر کر چھوٹے کر دئے تھے اور جو لباس گھر میں زیب تن تھا اسی لباس سے مقام دعوت پر تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد وسط دالان میں دیوار سے ٹیکا لگا کر تشریف رکھے اب جس قدر دعوتی اصحاب بھی آئے آپ نے ان کی جانب توجہ ہی نہ کی نہ کسی سے سلام نہ مصافحہ، آنے والے اصحاب آپ کو حیرت سے دیکھ رہے تھے بعضوں نے آپس میں چہ میگوئیاں بھی کیں کہ آج کا کچھ عجیب تماشہ ہے، بعض وہ حضرات جن کو حضرت سے خلوص تھا بہت رنجیدہ و متاثر تھے اور خیال کر رہے تھے کہ اگر ایسی باطنی کوئی کیفیت طاری تھی تو بہتر ہوتا کہ حضرت یہاں تشریف فرما ہی نہ ہوتے تا کہ عوام کو نکتہ چینی وغیرہ کا موقع نہ ملتا۔ بہرحال محفل کا عجیب رنگ تھا۔ اور ہر شخص حیرت و استعجاب سے آپ کو دیکھ رہا تھا۔ آپ بہت دیر تک اسی طرح تشریف فرما رہے اس کے بعد وہاں سے واپس ہوئے۔

دوسرا ایک اور واقعہ بھی حضرت قبلہ مدظلہ العالی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت کے پھوپی زاد برادر مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کے پاس بھی ہر سال یازدہم شریف کی نیاز بڑے تکلف واہتمام سے ہوتی تھی مشائخین کرام، وعلماء عظام کے علاوہ عہدہ دار، قرابت دار، احباب، اہل محلہ وغیرہ سینکڑوں کی تعداد میں مدعو کئے جاتے تھے۔ آج تک بھی مفتی صاحب مرحوم کے پاس کی نیاز شریف زبان زد خاص وعام ہے۔ یہاں بھی ایک سال آپ حسب عادت تشریف لے لئے اور مقام دعوت پر پہنچتے ہی جہاں سب دعوتی اصحاب کے جوتے رکھے تھے ان جوتوں پر لوٹنا شروع کیا۔ سارے حضرات پریشان اور ہر شخص آپ کی اس حرکت کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

خواہش نفس کا خلاف، لومۃ لائم کی پروا نہ کرنا حضرت کا رنگ خاص تھا جس کی تفصیل دوسرے اور واقعات سے جو ہم نے آگے پیش کیا ہے تصدیق ہوسکتی ہے

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور میرے چھوٹے برادر سید محمد باقر حسینی صاحب۔ احاطہ مسجد میں کھیل رہے تھے۔ آپ برآمد ہوئے تو ہم آپ کو دیکھتے ہی چھپ گئے کیونکہ زیادہ کھیل کود سے آپ خفا ہوتے تھے مگر جونہی آپ کی ہم پر نظر پڑی آپ نے ہم کو آواز دی، اب تو ہم چھپ نہ سکے فوراً نکل پڑے ارشاد ہوا کہ چلو! حضرت شاہ راجو حسینی صاحب قدس سرہٗ کی درگاہ شریف کو جائیں گے ہم اس وقت بے تکلف کھیل رہے تھے، پیر میں جوتا بھی نہ تھا۔ اس لئے ہم نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ہم جوتا پہن لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جوتا نہیں تو نہ سہی ایسے ہی چلو! اب تو کچھ مزید عرض کرنے کی جرارت نہ ہوسکی فوراً ساتھ ہوگئے، آپ نے مجھے ایک طرف اور بھائی

سید محمد باقر حسینی صاحب کو ایک طرف لے لیا۔ ہم دونوں ساتھ تھے۔ اس وقت میرا سن آٹھ یا نو سال کا ہوگا۔ یہاں سے غازی بنڈہ پہنچنے تک مجھے کچھ زیادہ بار نہ گذرا لیکن اس کے بعد مجھے اپنی برہنہ پائی شاق گزرنے لگی اور بار بار خیال آتا تھا کہ غازی بنڈہ پر بعض قرابت کے لوگ ہیں اگر وہ اس وقت مل جائیں تو کس قدر تکلیف کی بات ہے چونکہ میرے پیر میں جوتہ نہیں ہے اس لئے وہ لوگ دیکھ کر کیا کہیں گے۔ مگر اتفاقی بات ہے کہ ان لوگوں سے کوئی ملا نہیں۔ آپ اسی طرح ہم دونوں کو ساتھ لے کر گئے اور واپس تشریف لائے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں اس واقعہ پر غور کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے دل کی بات ہے کیونکہ انسان اپنی ذات کے لئے ہر طرح کی سبکی پسند کر سکتا ہے مگر اولاد کے ساتھ ایسا طرز مشکل ہے۔ اس واقعہ سے نتیجۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہم کو اوائل عمری میں یہ پہلا سبق دیا تھا کہ اہل دنیا کی باتیں اور لومۃ لائم کا خیال ناقابل التفات ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ حضرت قطب الہند مولنا شجاع الدین حسین قبلہ قدس سرہٗ کے گنبد شریف کو فاتحہ کے لئے رونق افروز ہوئے میں بھی ہمراہ رکاب تھا واپسی میں جب سجلہ کے تالاب کے کنارے پر پہنچے تو کٹے کے نیچے بعض شوقین مزاج اپنے اشغال میں مصروف دکھائی دیئے جو شدت سرور میں گاتے بجاتے بیٹھے تھے وہ لوگ اس وقت یہ گا رہے تھے۔ ع۔

جی چاہتا گنوار کی پھلی کھاتا

ان کا اس وقت کا گانا آپ کو بہت پسند آیا چلتے چلتے ٹھہر گئے بار بار

فرماتے جاتے تھے کہ کیا اچھا کہا کہ "جی چاہتا گنوار کی پہلی کھانا" تھوڑی دیر توقف فرمانے کے بعد وہاں سے واپس ہوئے راستہ میں بھی بار بار اس کو دہراتے اور فرماتے تھے کہ کیا خوب کہا ہے۔ حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اس جملہ "گنوار کی پہلی" سے غالباً حضرت نے دیوانگان دنیا کی باتوں کا مفہوم لیا کیونکہ عوام میں جو "گنوار" دیوانہ کو کہتے ہیں۔ اہل اللہ کی باتوں کو یہ بیچارے دیوانے کیا سمجھیں۔ خواہ مخواہ زبان درازی کر کے ان پر اعتراض کرنے کی جسارت بیجا کر جاتے ہیں اور ان خاصان خدا کو دیوانہ سمجھتے ہیں حالانکہ خود دیوانے ہیں ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد   اوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

اور خاصان خدا کو ان کا برا بھلا کہنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ بروایت حضرت کمی میاں صاحب قبلہؒ بیان فرماتے ہیں کہ توتلے عبدالرزاق نامی حضرت کے ایک خادم تھے جو آپ کے ہم عمر اور بچپن کے ساتھی تھے ان کا جب انتقال ہوا تو حضرت تشریف لے گئے اور میت کے پاس تشریف رکھکر تبسم فرمائے۔ حالانکہ آپ کی بلا وجہ تبسم فرمانے کی عادت نہ تھی اور پھر میت کے مقام پر اس طرح کے تبسم نے حاضرین محفل کو حیرت زدہ کر دیا حضرت کمی میاں صاحب قبلہ رح فرماتے تھے کہ میں نے دریافت کیا کہ آج حضرت نے خلاف عادت کیوں تبسم فرمایا تو فرمانے لگے کہ یہ میرے بچپن کے ساتھی اور کھیل کود کے شریک تھے ایک دفعہ زمانۂ طفلی میں کھیلتے کھیلتے میں نے ان کے سر پر ایک مار ماری تھی۔ اب مجھے حکم ہو رہا ہے کہ تمہارے اس مار کی وجہ ہم نے ان کے مدارج میں ترقی عطا کی۔

سبحان اللہ! بزرگوں کے ساتھ کھیلنا اور ان کا مار کھانا بھی کیا کام دیتا ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک اور واقعہ بھی حضرت قبلہ مدظلہٗ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک ضعیفہ حضرت کی خادمہ تھیں جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے ان کے مدارج میں ترقی عطا ہونے کے لئے بطور خاص دعا کی اور معروضہ کیا کہ اس بڑھیا نے میری بہت خدمت کی ہے تو حکم ہوا کہ خدمت تو ضرور کی لیکن ہمارا محبوب سمجھ کر نہیں۔ اس لئے اس خدمت کا کوئی صلہ نہیں ملسکتا۔

اس واقعہ سے نتیجہ معلوم ہوتا ہے بزرگوں کی خدمت اگر خداوند عالم کے خیال سے کی جائے تو موجب اجر و باعث فلاح دارین ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ انما الاعمال بالنیات۔

عبدالحلیم صاحب مرحوم کہتے تھے کہ ایک دفعہ بلدۂ حیدرآباد میں شدت سے ہیضہ پھوٹ پڑا کثرت سے اموات ہوئیں اسی زمانہ میں حضرت کے بعض مریدین بھی اس مرض سے انتقال کر گئے منجملہ ان کے لوہانی عبدالرزاق نامی ایک خادم جو حضرت کے مکان کے سامنے ہی کے مکان میں رہتے تھے وہ اور انکی والدہ اسی سے انتقال کر گئے پہلے والدہ کا انتقال ہوا اسکے بعد انکا جو وقت لوہانی عبدالرزاق صاحب کی میت کو غسل دیا جارہا تھا۔ حضرت نے آسمان کی جانب منہ کر کے ارشاد فرمایا کہ کیا ہیضہ ہمارے ہی مریدین کے لئے آیا ہے؟

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کے اس ارشاد کے بعد سے پھر آپ کے

کسی مرید کا مرض ہیضہ سے انتقال نہیں ہوا۔ آج تک بھی کوئی ایسا شخص جس کو حضرت سے شرف بیعت حاصل تھا اس مرض سے انتقال کرتا دکھائی نہ دیا۔ متعدد اصحاب اس مرض میں ضرور مبتلا ہوئے لیکن صحت یاب ہو گئے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت کی میاں صاحب قبلہ ؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ آپ پہاڑی شریف کو فاتحہ کے لئے جانے کے ارادہ سے نکلے پیادہ بنڈلہ گوڑہ تک پہنچے تھے کہ واپسی کا قصد فرمایا میں نے عرض کی کہ حضرت نے اپنے ارادہ کو کیوں ملتوی فرمایا؟ تو ارشاد ہوا کہ حضرت بابا صاحب علیہ الرحمہ خود ہمارے پاس تشریف لا رہے ہیں اس لئے اب جانا لاحاصل ہے۔

سبحان اللہ بزرگان دین کی باتیں ہماری عقلوں سے پرے ہیں ؎۔

دل کی باتوں کو جانے کیا بیدل زاغ کیا جانے باز کی باتیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ اپنے بھانجے مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کو بیحد چاہتے اور اپنا بیٹا فرمایا کرتے تھے اسی طرح مفتی صاحب کو بھی حضرت سے بیحد محبت و عقیدت تھی اور اپنے ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ بھی حقیقی بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم نے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر معروضہ کیا کہ میں اپنے شفیق و محترم ماموں علیہ الرحمہ کے چبوترۂ مزار مبارک پر چوکھنڈی بنوانا چاہتا ہوں اجازت دی جائے اس پر حضرت نے فرمایا کہ بھائی! بھلا حصہ اچھا معلوم ہوتا ہے

اب اس پر چوکھنڈی کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت کا یہ ارشاد مبارک مفتی صاحب کو بھی ناگوار گزرا ناگوارانہ انداز میں انہوں نے کہا کہ کیا مجھے اتنی خدمت کا بھی حق نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "میں آپ کو منع نہیں کرتا اگر آپ چاہتے ہیں تو بنوا سکتے ہیں"۔ اس پر مفتی صاحب نے تعمیری کام کا آغاز کیا پایہ کی کھدوائی ہوئی، بندش کی گئی۔ دیواریں اٹھنے لگیں ایک طرف کے پانچ کمان بننے تھے کہ یکایک بیٹھ گئے مفتی صاحب کو خیال ہوا کہ پایہ کی بندش برابر نہیں ہوئی۔ چنانچہ دوبارہ پہلے سے زیادہ مستحکم پایہ کی بندش کی گئی اور دیواریں اٹھیں ایک لائین پوری ہونے نہ پائی تھی کہ یکایک پھر بیٹھ گئی۔ اب تو مفتی صاحب پریشان ہوئے مستری پر بگڑنا شروع کیا کہ باوجود تاکید کے پھر کام ناقص کیا۔ دو دفعہ کمانوں کی دیوار کے بیٹھ جانے سے بلاوجہ نقصان ہو گیا۔

حضرت احمد علیشاہ صاحب رح نے مفتی صاحب سے فرمایا کہ بھائی صاحب آپ مستری پر بلاوجہ خفا ہو رہے ہیں۔ اس کے گرنے کے وجوہ پر افسوس ہے کہ آپ نے غور ہی نہیں فرمایا۔ مفتی صاحب نے کہا کہ وہ کیا وجوہ ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ آپ نے حضرت (یعنی حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ) کے منشاء کے خلاف اس کام کا آغاز فرمایا ہے اس لئے یہ صورت پیش آ رہی ہے تاوقتیکہ آپ کو حضرت اس کی بخوشی اجازت نہ دیں یہ تعمیر مکمل نہ ہو گی۔ مفتی صاحب نے جب اس پر غور کیا تو حقیقت سمجھ میں آ گئی دوسرے ہی روز حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اس تعمیر کے سلسلہ میں اب تک میری اتنی رقم صرف ہو چکی ہے۔ دو دفعہ اس طرح جو کمان بیٹھ گئے اس کی وجہ مجھے

اتنا نقصان پہنچا۔ آخر آپ کو کیا میرا نقصان گوارا ہے؟ جو بار بار میں بنوا تا جاتا ہوں اور آپ گراتے جاتے ہیں۔ اس پر آپ نے تبسم فرما کر فرمایا کہ "کیا میں نے آپ کو منع کیا ہے؟ آپ اپنے ماموں کے مزار پر عمارت بنوانے کے مجاز ہیں۔ اس لئے بنوائیے" پھر مفتی صاحب نے مخلصانہ انداز میں بگڑ کر کہا کہ نہیں! آپ اپنی خوشی سے اجازت دیجئے کہ بلا وجہ میرا نقصان ہو رہا ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ "اچھا جائیے اب نہ گریں گی"۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے اسی پایہ پر تعمیر کی بنیاد رکھی عمارت تیار ہو گئی جو آج تک بحمد اللہ تعالیٰ قائم ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مکی میاں صاحبؒ کی جب شادی قرار پائی تو حسب دستور قرار داد تاریخ سے قبل ہی تمام گفتگو طے کر لی گئی۔ بروز عقد جب دلہا دلہن کے گھر پہنچا اور سیاہہ کی تکمیل شروع ہوئی تو دلہن کے والد جناب میر ولایت علیصاحب رسالدار نے اضافہ مہر سے متعلق خواہش کی کہ مہر ایک لاکھ لکھا جائے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مہر دلہا کی آمدنی کی مناسبت سے ہوتا ہے اس لئے ایک لاکھ بہت زیادہ ہے۔ گیارہ ہزار ہونا چاہئے اس پر دلہن کے والد بہت بگڑ گئے اور کہا کہ میں تو ایک لاکھ سے کم پر ہرگز تیار نہیں ہوں اگر اس قدر مہر پر راضی ہوں تو خیر۔ ورنہ میں لڑکی دینا ہی نہیں چاہتا۔ بحث اس قدر طول ہوئی کہ فریقین میں ناراضی پیدا ہو گئی۔ بالآخر حضرت سید شیخن احمد صاحب شطاریؒ و مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم نے دلہن کے والد کو سمجھا کر پچاس ہزار پر راضی کیا۔ اس کے بعد ان حضرات نے حضرت سے کہا کہ جب وہ اس قدر اتر آئے ہیں تو اب آپ بھی پچاس ہزار پر راضی ہو جائیے۔ اس کے جواب میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب پانی سر سے

اونچا ہی ہوتا ہے تو ایک ہاتھ کیا اور ایک گز کیا؟ اگر ان ہی کی خواہش کی تکمیل کرنا ہے تو ایک لاکھ ہی رکھا جائے۔ چنانچہ یا یہ کی تکمیل ہوئی خطبہ پڑھا گیا۔ اس واقعہ سے دولہا یعنے مکی میاں صاحبؒ کو بہت بار گزرا کیونکہ وہ اس زیادتی مہر پر قطعاً آمادہ نہ تھے مگر حضرت کے حکم کی تعمیل میں مجبور رہے۔

معاملہ رفت وگذشت۔ حسب عمل درآمد جلوہ ہوا شب میں دلہن کو گھر لائے گھر آتے ہی دلہن نے معافی مہر کا اعلان کر دیا۔ حضرت مکی میاں صاحبؒ نے بےحد مسرور ہو کر حضرت سے اس کی اطلاع کی تو آپ نے سن کر تبسم فرمایا۔ جب اس واقعہ کی دلہن کے والد جناب میر ولایت علی صاحب کو اطلاع ملی تو اپنی لڑکی سے بہت ناراض ہوئے کہ میں نے مہر میں اتنی کوشش سے زیادتی کروائی تھی۔ اور اس نے اس قدر عجلت کے ساتھ معافی مہر کا اعلان کر دیا۔

سبحان اللہ! اس واقعہ سے دنیا کو دکھا دیا کہ اگر ہماری بات یوں نہیں مانی جاتی تو اس طرح ہم منوا لیتے ہیں۔ اس واقعہ کی متعدد اصحاب سے اسی طرح روایت ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہ بروایت حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت دعوت میں تشریف لے جانے لگے۔ اپنے مکان سے چند قدم فاصلہ تک جا کر ٹھیر گئے۔ اور فرمایا کہ دیکھو مسجد میں کوئی ہے؟ اگر ہے تو بلا لو۔ حضرت مکی میاں صاحب فرماتے تھے کہ میں نے تمام مسجد میں تلاش کی مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔ تو عرض کیا کہ حضرت! کوئی نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ۔ "نہیں! پھر دیکھو" مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ہمارا ایک مخلص مسجد میں ہے۔

اس کو ساتھ لے کر جاؤ۔ اس لئے اچھی طرح دیکھو ممکن ہے مسجد کے کسی گوشہ میں کوئی ہوگا۔" حضرت مکی میاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب میں نے مکرر مسجد میں تلاش کی تو مسجد کے کھمب کے پیچھے چھپے ہوئے شرف علی صاحب نامی حضرت کے ایک خادم (جو رشتہ میں حضرت کے چچازاد بھائی بھی تھے) دکھائی دئیے میں ان کو حضرت کے نام سے بلا کر ساتھ لے گیا۔ پھر حضرت ان کو ساتھ لے کر دعوت میں تشریف لے گئے۔

پہلوان صاحب نامی حضرت کے ایک خادم تھے (جو قصبہ دیول پلی میں رہتے تھے۔ یہ قصبہ اب عثمان ساگر میں غرق ہوگیا ہے) وہ بیان کرتے تھے کہ ایک رات مجھے حضرت کے دولت سرا میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت دولت سرا میں آرام فرما رہے تھے۔ اور میں باہر پائیں کے دالان میں درگاہ شریف کے پاس سو گیا نصف اللیل کے بعد آنکھ کھلی تو پائیں کے دالان میں چپ چاپ بیٹھا رہا۔ یکایک حضرت کے دولت سرا پر نظر پڑی تو حضرت کے دولت سرا کی چھت سے (جہاں آپ آرام فرما رہے تھے) آسمان تک ایک نورانی ستون جیسے کہ کویلو کے مکان میں بالعموم آفتاب کی شعاع پڑتی ہے دکھائی دیا۔ بہت دیر تک میں اس کو غور سے دیکھتا رہا پہلے تو متحیر ہوا اس کے بعد سمجھا کہ یہ انوار الہٰی ہیں جو ہمارے حضرت پر نازل ہو رہے ہیں۔

آپ کی تعلیم و ارشادات

آپ کی تعلیم کا صحیح خاکہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا بہت دشوار ہے پھر بھی حتی الوسع کوشش کی جائے گی کہ اس کو واضح کیا جائے۔ امید کہ فروگذاشت کو معاف فرمایا جائیگا۔ اس باب کی ابتدا آپ ہی کے ایک ارشاد سے کیجاتی ہے۔ حضرت مولانا حسرت مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ:۔

"جس طرح نوافل و فرائض میں فرق ہے اسی طرح قرب نوافل و قرب فرائض میں بھی فرق ہے اگر کوئی کام استخارۂ قلبی سے کیا جائے تو وہ قرب فرائض میں داخل ہوگا۔ ورنہ قرب نوافل میں پس ہر کام میں استخارہ کر لیا کرو۔"

واضح ہو کہ اپنی خوشی سے عبادت الٰہی کرنا قرب نوافل سے ہے اور امر الٰہی کی اطاعت میں کام کرنا قرب فرائض سے۔ رات بھر کے نوافل صبح کے دو رکعت فرض کے مساوی نہیں ہو سکتے۔ قرب نوافل میں بندہ اپنے ارادہ کو خدا سے پورا کرواتا ہے اور قرب فرائض میں اللہ اپنے ارادہ کی تکمیل بندہ سے کرواتا ہے۔

ایک بزرگ نے یوں فرمایا کہ قرب نوافل میں خدا بندہ کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ یعنے اس کا مقصد پورا کرتا ہے اور قرب فرائض میں بندہ خدا کے ہاتھ کا کام دیتا ہے یعنی اس کے امر و ارادہ کو پورا کرتا ہے۔

اس تمہید کے بعد واضح ہو کہ قادری دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنے مقاصد نسبت عالیہ قادریہ سے حاصل کرتے ہیں ان کا ماخذ فرمان غوثیہ ہوتا ہے۔ ان لم یکن مریدی جیداً فانا جید۔ اگر میرا مرید اچھا نہیں تو کیا ہوا میں تو اچھا ہوں۔

لو کشفت عورۃ مریدی بالمغرب وانا فی المشرق لسترتہ

اگر میرا مرید مغرب میں ہو اور میں مشرق میں رہوں اور میرے مرید کا عیب کھل جائے تو میں اس کو ڈھانک دونگا۔ ایسے لوگ قرب نوافل کے قادری ہیں۔

دوسرے قسم کے قادری وہ ہیں جو بے حکم کوئی کام نہیں کرتے ان کا ہر فعل تحت امر الٰہی ہوتا ہے خواہ حکم الٰہی معصوم یعنے پیغمبر کے ذریعہ معلوم ہو جو تمام امت کا متفق علیہ ہے خواہ بذریعہ الہام و امر قلبی۔ یہ لوگ صاحب قرب و فرائض ہیں۔ ان کا مرجع حضرت غوث کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ کن کالمیت فی ید الغسال وکالکرۃ تحت صولجان الغادس وکالولد الرضیع فی حجر ظئرہ ایسا ہو جا۔ جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں۔ گولہ پولو کھیلنے والے شہسوار کے چوگان میں یا شیر خوار بچہ انا کی گود میں۔ ان پر مَا ینطق عن الھوٰی ان ھوالا وحی یوحیٰ کا پرتو پڑتا ہے۔ وہ بے ارادہ رہتے ہیں۔ بے مقصد جیتے ہیں ان کا عمل ما فعلتہ عن امری پر رہتا ہے۔

زمانۂ حال میں قرب نوافل کے قادری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے قرب فرائض کے پابند بہت کم تھے اس قرب فرائض کی تعلیم کو حضرت نے زندہ کیا۔ لوگوں کو بے ارادہ جینا سکھایا۔ کسی کے ارشاد پر چلنے کی تعلیم دی۔

کہا جو مرنے کو مر گئے ہم کہا جو جینے کو جی اٹھے ہم
اب اور کیا چاہتا ہے ظالم ترے اشاروں پہ چل رہے ہیں

حاکم فوجداری جرم کی تحقیق کرتا ہے مجرم کا ارادہ ثابت ہونے کے بعد اس کو سزا سناتا ہے جو شخص بھی تحت امر حاکم کام کرتا ہے اس پر ذمہ داری ہی نہیں آتی بس اسی پر حضرت کا عمل تھا۔ اپنے متبعین کو اسی کی تعلیم دیتے تھے ساری کوششیں اس پر صرف کی جاتی تھیں۔ بہرحال حضرت کے عمل و انداز تعلیم کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مجدد زمانہ تھے۔

آپ کی تعلیم میں سب سے زیادہ قلب کی صفائی کی اہمیت، اور اس کی نگہداشت کا اہتمام ہے، کیونکہ جسم انسانی میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انوار الٰہی کا یہی مسکن ہے، استاد جلیل نے خوب کہا ہے ؎

جلیل اچھا ہے دل کو پاک رکھنا ہر کدورت سے اسی گھر میں ظہور جلوۂ جانانہ ہوتا ہے۔

اچھائی و برائی کا امتیاز انوار الٰہی کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے پس جس قدر قلب صاف ہوگا اسی قدر نورانیت زیادہ ہوگی۔ جب نورانیت بڑھے گی بھلائی برائی صاف تمیز ہوگی اور اگر قلب ہی بگڑ جائے تو پھر کچھ سجھائی نہ دے گا۔ چنانچہ حکم نبوی صلعم ہے "ان فی جسدِ ادم مضغۃ اذا اصلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (بخاری) اسی کے تحت آپنے ہمیشہ قلب کو یاد الٰہی میں مشغول رکھنے کی تعلیم فرمائی اور اس پر شدت سے تاکید کی تاکہ وہ بگڑنے نہ پائے اور ہر دم اس پر مصقلہ ہو کر نورانیت میں اضافہ ہوتا رہے چنانچہ آپ نے ذکر قلبی سے متعلق ارشاد فرمایا۔

"یہ ذکر سہل اور بے مشقت ہے بیٹھے لیٹے چلتے پھرتے کہیں ہو کسی
حال میں ہو اس کا خیال نہ چھوڑے اس کو کوئی کام مانع نہیں ہاں
البتہ دل کے خطرات اس کو مانع ہیں۔ جب دل میں دوسرے خیالات
آتے ہیں تو ذکر رک جاتا ہے۔ اور جب تک ذکر جاری رہتا ہے کوئی
خیال نہیں آنے پاتا"

اسی طرح اس کی نگہداشت کے متعلق فرمایا۔

"جھوٹ، غیبت، حسد، بیکار گفتگو دل کے نور کو کھوتے ہیں"

اس سے ہر دم ہوشیار رہنا چاہئے تاکہ قلب متاثر ہونے نہ پائے اسی طرح
لقمۂ حرام سے احتراز کے متعلق تاکید فرمائی فرمایا کہ۔

"جو لقمہ پیٹ میں جاتا ہے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ حلال روزی باعث
خیر ہے اور لقمۂ حرام باعث ظلمت اور موجب فساد ہے ایک پیسہ کے
عوض کئی مقبول نمازیں برباد ہوتی ہیں۔"

ہر وقت دل پر غور کرنے اور ہر معاملہ میں اس سے استفسار کرنے کی بطور خاص
تاکید فرمایا کرتے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم بھی یہی ہے کہ
استفت قلبك و لو افتاك المفتون اور ماخاب من استخارہ۔

اس ارشاد میں کئی راز پنہاں ہیں ایک تو حکم نبوی صلعم کی تعمیل دوسرے کام
میں استخارۂ قلبی سے کام کرنے کی وجہ سے وہ کام اس کا نہیں بلکہ اس ملہم کا ہو
جو راست اسی کے حکم سے کیا گیا جیسا کہ اوپر قرب فرائض و قرب نوافل کی صراحت
کی گئی ہے۔ تیسرے ہر بھلی بری سے قبل از قبل آگاہ ہو جائیگا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ

ہے۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وّھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبو شیئاً وّھو شرّ لکم۔ شاید تم کو وہ چیز بری معلوم ہو مگر تمہارے لئے اچھی ہو اور شاید تم کو وہ اچھی معلوم ہو مگر تمہارے لئے بری نکلے کیونکہ انسان آئندہ کے حالات سے تو واقف نہیں ہوتا صرف قیاس قائم کر کے ایک اندازہ لگاتا ہے جو بعض وقت غلط بھی ہو جاتا ہے جس سے بعض اوقات بہت سی پریشانیاں بھی اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس لئے احسن طریقہ یہی ہے کہ اپنے قلب میں جو نور الٰہی ہے اس سے استمزاج کر لیا جائے تاکہ اگر کسی کام میں کوئی برائی مضمر ہو تو اس سے قبل از قبل آگاہ ہو کر نقصان اٹھانے سے بچا رہے چنانچہ خود حضرت فرماتے ہیں ؎

حق نے رکھا ہے جو گنجینۂ ایمان دل میں شکر اس کا ادا بندۂ احسان دل میں
ہے مہیا وہ ہر اک طرح کا سامان دل میں دیکھ کر دل جسے ہوتا ہے پریشان دل میں

چوتھا فائدہ اس سے یہ بھی مترتب ہوگا کہ ہر وقت قلب سے مخاطبت کی وجہ قلب کی کیفیات کا بھی اس کو صحیح اندازہ ملتا رہے گا اگر اس میں کسی قسم کی کمی محسوس ہوگی تو فوراً اس کے علاج کی جانب متوجہ ہوگا ان ہی وجوہ کے مد نظر اس جانب زیادہ توجہ مبذول فرمائی گئی اور اس بارہ میں خاص تاکید کی گئی ہے۔

کبر و نخوت کے بارہ میں بھی آپ نے بیحد تاکید فرمائی کہ اہل تقویٰ کو اپنے تقوے پر ایک طرح کا غرہ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اس سے ہر وقت بچتے رہنے ارشاد ہوا کہ۔

"تکبر سب سے بڑا گناہ ہے اپنے کو اچھا سمجھنا حماقت ہے اس سے عمل ناچیز ہو جاتے ہیں۔

اہل دنیا کی خوشنودی اور ان کے خیال سے کام کرنے سے آپ نے منع فرمایا ارشاد ہے کہ۔

"دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو سب کو خوش رکھ سکے اس لئے ہر کام کے کرنے سے پیشتر یہ غور کرلو کہ یہ اچھا ہے یا بُرا اگر اچھا معلوم ہو تو کرو خواہ دنیا کچھ کہے ورنہ مت کرو۔ اور کسی کے کہنے سننے کی کچھ پرواہ نہ کرو"

اسی طرح عوام کے کہنے سننے کے بارہ میں ایک جا ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اس زمانہ میں کوئی ایسا ہوگا کہ مسلمان کو سیدھا رستہ بتادے ہر ہر اپنے خبط میں گرفتار۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ سوائے اپنے مرشد یا رفیق خدا کے کسی کی نہ سُنے"

مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ اہل دنیا کی باتوں پر بلاوجہ پریشان نہ ہو، اس لئے مناسب صورت یہی ہے کہ تم نے اللہ کی راہ میں جس کو اپنا ہادی مقرر کیا ہے اسی کے حکم پر چلو اور اسی کے منشا کے مطابق عمل کرو، ورنہ تم کو شیطان بھٹکا کر کہیں کا نہ رکھے گا۔ اور یہ کیفیت عموماً بری صحبتوں کے نتائج سے ہوتی ہے اس واسطے اس سے ہمیشہ احتراز کرو، جب تم نے اپنے سابقہ تمام افعال سے توبہ کی، اور خدا تعالیٰ کی جانب اپنے کو رجوع کردیا تو اب ان صحبتوں سے بھی بچنا لازم ہے چنانچہ ایک جا اسی بارہ میں فرماتے ہیں کہ۔

"خلاصہ سب کا اچھوں کی صحبت میں رہنا ہے اور سب طرح کا فساد اپنے جیسے غافلوں کی صحبت میں ہے جو مرید کہ بعد طلب کے پھر اپنی

قدیم صحبتوں کو نہ چھوڑے وہ بالکل فیض سے محروم ہے۔ ضرورت کے وقت ان سے ملنا چاہئے اس سے بڑھ کر جائز نہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

اہل دنیا کافران مطلق اند — روز و شب در زق زق و در بق بق اند

اس ارشاد سے منشاء مبارک کی وضاحت ہوتی ہے کہ دنیا داروں کو حصول دنیا کے سوا فکر ہی کیا رہتی ہے اور اس راہ میں شاہراہ شریعت سے اس قدر دور ہٹ جاتے ہیں کہ حلال و جائز چیزیں بھی حرام و ناجائز کا حکم رکھتی ہیں اس لئے ان کی ہمراہی سے ویسے ہی نتائج پیدا ہونے کی توقع ہے پس بہتر صورت یہی ہے کہ بقدر ضرورت ہی ان سے ملیں، اس لئے آپ نے ان قدیم صحبتوں کو ایک لخت ختم کرنے کا حکم دیا کہ مبادا پھر وہ برائیوں کی جانب نہ لے جائیں اور اس پر شدت سے حکم دیا کہ جو ایسا نہ کرے وہ فیض سے محروم ہے ہر مسلمان کو اپنی بساط کے موافق نیکی کی تعلیم دینے کی ہدایت فرمائی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعمیل ہو۔ فرمایا کہ

"مسلمانوں کو اچھی تدبیر سکھانا واجب ہے"

آپ نے احکام شریعت کی پابندی پر شدت سے زور دیا ہے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ۔

"یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس میں کسی طرح کا خطرہ نہیں اتباع سنت میں ہر قسم کی بھلائی مضمر ہے۔ رسول کریم صلعم کی پیروی ہر چھوٹے بڑے کے لئے یکساں مفید ہے یہی وہ عمل ہے جس میں سوائے فائدہ کے نقصان نہیں"

چنانچہ خود حضرت بھی ہر وقت سنت نبوی کی پیروی کا بیحد خیال فرماتے تھے۔

آپ نے خوف الٰہی کا ہر دم خیال رکھنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ ارشاد ہوا

"خدا سے ہر حال میں ڈرتے رہنا اور اسی سے امید رکھنا"

کہ خوفِ خدا ہی وہ چیز ہے جس سے انسان ہر برائی سے بچا رہتا ہے اسی لئے قرآن مجید میں ہر جا "واتقواللّٰہ" سے بطورِ خاص تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسی سے احکام کی تعمیل منہیات سے احتراز کا خیال پیدا ہوتا ہے اسی کے باعث اپنے گناہوں پر نادم ہو کر عاجزانہ گریہ وزاری کرتا اور اپنے خدا سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔

اسی طرح اس باریتعالی سے امید کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ مسلمان کا ایقان لانافع وضار الا اللّٰہ پر چاہئے کوئی بڑی سے بڑی قوت اور زبردست سے زبردست طاقت بدون حکم الٰہی نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان اس کے ساتھ ساتھ امید بھی اسی سے رکھنا مایوس نہ ہونا چاہیئے کہ خداوند جل و علی کا ارشاد ہے کہ لاتیئسوا من روح اللّٰہ انہ لا ییئس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون۔ اور ایک جا لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ پس وہ مومن نہیں جو اپنے خدا سے امید وابستہ نہ رکھے اور ہر وقت اسی سے مدد طلب نہ کرے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم یہی ہے ایاک نعبد وایاک نستعین پس ہمکو ہر معاملہ میں کسی دوسرے سے مدد طلب کرنے کے بجائے اپنے رب ہی مدد طلب کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس بارہ میں آپ نے فرمایا۔

"اپنے کام میں ہر وقت اللہ سے مدد چاہے اور ہر سبب کو جو خدا سے دور کرتا ہے قطع کرنا چاہیئے اور یقین کرے کہ جو کچھ بھلائی ہے

"خدا کے حکم بجالانے میں اور جس قدر برائی ہے وہ لوگوں کی رائے پر چلنے میں ۔"

اس ارشاد میں یہ خاص تاکید اس امر کی بھی ہے کہ ہر وہ سبب جو خدا سے دور کرتا ہے قطع کرنا چاہئے یعنے وہ تعلیم نبوی صلعم کا خلاصہ جو بحکم الٰہی لن تنالو البرّ حتی تنفقوا مما تحبون. تمام وابستگان دامانِ محمدی صلعم کو دیا گیا ہے کہ خدا کی اور اس کے رسول کی محبت میں کوئی چیز خواہ جان ہو کہ مال یا اولاد، حائل ہونے نہ پائے کیوں کہ یہی اس سے دوری کا باعث ہوتے ہیں اور جب ہر چیز کو اس کی محبت میں اس کے خیال میں ٹھکرا دیا تو نیکی کو پالیا، مقصود ہاتھ آیا، اسی پر تکمیل ایمان کا انحصار ہے۔

آپ کی تعلیم میں کشف قلبی کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے آپنے اپنے متوسلین کو اس کی بہت تاکید فرمائی ہے چنانچہ آپ روزانہ اپنے مریدین کو بعد مغرب اس کی تعلیم دیتے اور ہر ایک کی کیفیات کو سماعت فرمایا کرتے تھے۔

آپ کی تعلیم کا خاص انداز یہ بھی تھا کہ مریدین کے فروگزاشتوں کو نظر انداز فرماتے اور ان کی دل افزائی فرماتے تاکہ انکے حوصلے پست نہ ہونے پائیں ریاکاری سے پرہیز کرنے کی ہر وقت شدت سے تاکید فرمائی ہے کہ اس سے عمل ضائع ہوجاتے ہیں رسم ورواج کی پابندی کو سخت ناپسند فرماتے تھے چنانچہ اس بارہ میں ارشاد ہوا۔

"جس رسم وعادات کا شرع میں اچھا یا برا ہونا معلوم نہو اس میں دخل نہ دے نہ کسی کو اس کا حکم کرے نہ انکار جبتک کہ معلوم نہ ہوجائے۔ جتنے لوگ رسم وعادات کے پابند ہیں انکو آدمی نہ سمجھے اور ان سے

نہ شرمائے نیک کام کسی کو دکھانے کے لئے نہ کرے کہ اس کو ریا کہتے

ہیں۔ ذرا سا کام بھی خالص خدا کے لئے ہو تو وہی باعث نجات ہوگا۔

تکلفات سے آپ کو سخت تنفر تھا جیسا کہ ہم نے آگے اخلاق و عادات کے باب میں

صراحت کی ہے اور اس قسم کے باتوں سے بہت خفا ہوتے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ

مسجد میں تمام خادمین حاضر تھے آپ مکان سے ایک تحریر لکھ کر لائے اور سب کو پڑھ کر

سنایا جو حسب ذیل ہے۔

نقل تحریر

"سلام سنت ہے اسلام اور شرع کی بہت عمدہ بات ہے اس کا ترک کرنا

برا ہے ابتدا تو سنت اور جواب فرض[1] ہے مصافحہ عالم اور سید اور دیندار

سے بہتر ہے آپس میں دوست دوست بھی کریں تو جائز۔ مصافحہ ہاتھ میں ہاتھ

ملانے کو کہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھ کو پیار کرنا سونگھنا بیکار بات ہے

بعضے احمق تو اپنے ہی ہاتھ کو پیار کرتے ہیں ہاں کوئی عالم یا سید یا ماں باپ

یا مرشد یا استاد ہو تو مضایقہ نہیں' اگر ہر وقت مصافحہ اور تقبیل حماقت ہے

سلام سید ہے کھڑے ہو کر کرے پشت خم کرنا نہ چاہئے' پاؤں پر ہاتھ پھیرنا

یا پاؤں کو پیار کرنا' کوئی ضرورت نہیں' کسی کی تعظیم سرو قد کھڑے ہو کر

مسنون نہیں' جو اس کے خلاف کہے ناپسند بات ہے' ہاں کسی کی

دینداری اور بزرگی کے لئے جائز ہے فرض و سنت نہیں یہ جو اپنے بزرگوں

کے لئے کرتے ہیں کہ جب وہ اس مجلس سے اٹھ کے جائیں تو سب اٹھتے ہیں

---

[1] امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب فرض قرار دیا ہے۔

اور پھر آئے تو سب اٹھتے ہیں، بری بات ہے، ایسے تکبر کی باتوں سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، مرشد اور اس کے مرید لوگ دونوں احمق ہیں جو اس کو جائز کہتے ہیں (برا کہتے ہیں) اغرض میرے کہنے سے یہ ہے کہ اب سے کوئی جھک کر سلام کرے، یا ہر روز مصافحہ لازم سمجھے یا پاؤں کو ہاتھ لگائے، یا تعظیم کو اٹھے، وہ میرا مخالف ہے والسلام تحریر فی التاریخ ۱۵ شوال ۱۳۱۳ھ۔"

یہ تحریر حضرت کے وصال سے ایک ماہ پیشتر کی ہے جس کو آپ نے خادمین کے مجمع میں سنایا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کے چہرہ مبارک پر آثار جلال کے تھے وجہ اس کی یہ ہوئی تھی کہ بعض مریدین جب کبھی حاضر ہوتے بالالتزام سلام کے بعد مصافحہ کرتے، اور قدم چوما کرتے تھے، اگرچہ آپ نے متعدد دفعہ انھیں اس سے منع بھی فرمایا تھا، مگر جوش عقیدت میں وہ اسی طرح کرتے رہتے تھے، اور بعض مریدین آپس میں ایک دوسرے سے بھی مصافحہ لازم سمجھتے تھے، بعض کا یہ بھی عمل تھا کہ بوقت مصافحہ خود اپنے ہی ہاتھ کو چوم لیا کرتے تھے، ان تمام امور کو ملاحظہ فرما کر آپ نے یہ تحریر ارقام فرمائی، کہتے ہیں کہ جب آپ نے سب کو یہ سنایا، تو خادمین پر عجیب کیفیت چھا گئی، بالخصوص وہ سماں عجیب ہوتا جب کہ حضرت کبھی اندر سے باہر تشریف لاتے یا مجلس سے برخاست فرما کر دولت سرا میں رونق افروز ہوتے، اور اس حکم کی تعمیل میں کوئی اٹھ نہ سکتا، کیونکہ آپ نے ایک جملہ ایسا فرمایا تھا کہ جو اس کے خلاف کرے وہ میرا مخالف ہے، جس نے سب کو مجبور کر دیا تھا، ہر شخص اپنے آپ میں دم بخود ہو کر رہ جاتا تھا۔

حضرت مولانا فضل مدظلہٗ[1] فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کے کئی روز بعد مجلس سماع منعقد ہوئی تھی، سب حاضر تھے، چونکہ آپ نے سے قدمبوس ہونے سے بھی منع فرما دیا تھا، اس لئے مجلس میں بھی قدمبوس ہونے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی، اتفاق سے قوال نے اس وقت ایک ایسی غزل شروع کی، جس سے سب پر عالم وجد طاری تھا، اور سب بے چین تھے اور ہر شخص کا دل چاہتا تھا کہ قدموں پر سر رکھے لیکن تعمیل حکم میں مجبور تھے، بالآخر حضرت مولانا سید عمر صاحب قبلہؒ سے رہا نہ گیا، بہت کچھ ضبط بھی فرمایا لیکن جب معاملہ طاقتِ ضبط سے متجاوز ہو گیا، تو دوڑ کر پہنچے، قدموں پر سر رکھ دیا، اور آنکھیں ملنے لگے اس وقت حضرت نے بے حد شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا، جس سے عنایت کا اظہار ہو رہا تھا، چونکہ دوسرے حضرات بھی اسی کیفیت سے بےچین تھے، اور محض خوف و تعمیل حکم میں اپنے اپنے مقام پر سہمے ہوئے بیٹھے تھے، اس عنایت کو دیکھتے ہی ٹوٹ پڑے، مدتوں کی تمنا بر آئی، خوب جی بھر کر آنکھیں ملیں، قدموں کو چوما، لیکن آپ خاموش تشریف فرما رہے کہ یہ ایک بےخودی کی کیفیت تھی۔

حضرت مولانا حسرت مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ نے بارہا اس کی تاکید فرمائی کہ ہمیشہ اپنے قوت بازو سے کمانے کی کوشش کرو اور کسی پر اپنا بوجھ نہ ڈالو۔

حضرت مولانا فضل مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کے بعض خلفاء میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت مولا مشکل کشا رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارہ

---

[1] یہ روایت اسی طرح حضرت مولانا حسرت مدظلہٗ و حضرت مولانا سید محمد مسعود صاحب قادری و حضرت مولانا قطب الدین احمد صاحب مدظلہما سے بروایت حضرت کی میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ مروی ہے۔

میں گفتگو ہو رہی تھی ایک صاحب فضیلت شیخین رضؓ پر احادیث پیش فرما رہے تھے اور دوسرے صاحب حضرت شیر خدا رضؓ کے متعلق بحث زوروں پر جاری تھی اثنائے گفتگو میں آپ دولت سرا سے باہر رونق افروز ہوئے تو وہ مسئلہ بغرض تصفیہ آپ کے پاس پیش کر دیا گیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ فضیلت شیخین مسلمہ مسئلہ ہے اور جمہور اہل سنت کا اتفاق اسی پر ہے اس لئے اس کے خلاف کہنا نامناسب بات ہے، اس وقت تو سب خاموش ہوگئے دوسرے مرتبہ پھر اسی طرح اس مسئلہ پر گفتگو چھڑی تو آپ نے خفا ہو کر ارشاد فرمایا کہ "اگر اس طرح آئندہ پھر تم لوگ ایسے مسائل پر گفتگو کروگے تو میں باہر نکلنا ترک کر دونگا" جب اس طرح شدت سے آپ نے تاکید کی تو پھر کبھی اس قسم کا کوئی مسئلہ آپ کے پاس پیش نہیں کیا گیا اور سب نے احتیاط برتنا شروع کی چنانچہ آپ کا شعر اس بارہ میں پیش کیا جاتا ہے فرماتے ہیں: ؎

ہیں بعد رسول سب سے بہتر صدیق رضؓ اس شاہ کے ہیں وزیر اکبر صدیق رضؓ

اسی طرح حضرت مولانا فضل مدظلہٗ سے مروی ہے کہ جب آپ نے تبدیل مذہب فرمایا، یعنی حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی اختیار فرمائی تو آپ کے ساتھ آپ ہی کے حکم سے آپ کے خلفاء و مریدین نے بھی تبدیل مذہب کیا چونکہ انسانی فطرت ہے کہ وہ جس کسی کو اپنا امام یا پیشوا بناتا ہے تو اس کو سب سے اونچا و اعلیٰ سمجھتا ہے لیکن اس کے ساتھ حفظ مراتب بھی ازبس ضروری ہے ایک کے جوش محبت میں دوسرے کے مراتب کا خیال نہ رکھنا بدترین چیز ہے حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ آپ کے بعض خلفاء میں اکثر حضرت امام اعظم و حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کے بارہ میں گفتگو ہوتی رہتی تھی بعض خلفاء امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمۃ کی تعریف میں اس قدر غلو کر جاتے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے متعلق آداب ملحوظ

نہ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ یہ بحث آپ نے سماعت فرمائی تو ارشاد ہوا خبردار اس طرح کے مباحثہ سے احتراز کرنا۔ پھر دوسری مرتبہ باوجود تاکید کے آپ نے اسی قسم کا مباحثہ ہوتے ہوئے سنا تو اسی طرح ڈانٹ کر فرمایا کہ اگر تم لوگ اس طرح بیجا گفتگو کروگے تو میں باہر نکلنا چھوڑ دوں گا۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مریدین کو شیعوں کی تردید سے بھی باز رہنے کی تاکید فرمائی کیونکہ بالعموم تردید میں انسان اپنی بات کو مختلف دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بسا اوقات فریق مخالف کے دلائل کو توڑنے کے لئے ان پاک نفوس کی ذات پر غور کر کے خامیاں تلاش کرنے کی ناجائز جرأت کا مرتکب ہوجاتا ہے چونکہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم کی محبت ہم پر فرض اور ان کا احترام واجب ہے۔ اس لئے اس قسم کے بیجا مباحث سے حتی الامکان بچتے رہنے کی تاکید فرمائی کہ شیعوں کی تردید کرنے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل بیت کرام کا دامن چھوٹ جائے اور ان کی محبت میں کمی ہو کر ایمان کو نقصان پہنچے۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ کے بعض مریدین نے خواہش ظاہر کی کہ تصوف میں ایک کتاب حضرت خود تصنیف فرمائیں تو بہت بہتر ہوگا اور ہمارے کام آئے گی تو آپ نے فرمایا کہ "میرا تصوف تمہارے کیا کام آئے گا" اس ارشاد پر ممکن ہے کہ کوئی اعتراض پیدا ہو اس لئے حسب ذیل امور کی تحقیق ضروری ہے۔

پہلے یہ کہ صوفی کس کو کہتے ہیں؟ تصوف کیا ہے؟

آج کل بعض نادان لوگ مسئلہ وحدۃ الوجود کو چند فرضی اصطلاحوں کے ساتھ بیان کرنے کا نام تصوف سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے ہم مختصراً اس کی تشریح کردینا چاہتے ہیں۔

صوفی کے متعلق حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ لبوس صوف کی نسبت سے صوفی کہتے ہیں کیونکہ سرکار دو عالم صلعم بھی کبھی صوف کا لباس زیب تن فرماتے تھے (صوف پشم یعنی اون کو کہتے ہیں) اور اکثر انبیاء کرام نے صوف کا لباس بھی پہنا ہے۔ احادیث میں ہے کہ بعض صحابہ کرام کا لباس یہی تھا اسی لئے یہ لباس اہل اللہ کا سمجھا گیا۔ اور یہ مبارک گروہ گروہ صوفیہ کہلاتا ہے۔

تصوف کی تعریف میں حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ نے تفسیر قادری میں بضمن تفسیر سورہ کہف صفحہ (۳۴۶) پر حضرت شیخ ذکریا انصاریؒ کے شرح قشیریہ سے' اس طرح بیان فرمایا ہے "تصوف وہ علم ہے جو ظاہر ہوتا ہے' ذوق عبادت سے' جس سے' جانا جاتا ہے۔ احوال تزکیہ نفس یعنے اس کی تطہیر' اور تصفیہ' اخلاق یعنے اخلاق کو کدورت خواہشات و عادات سے پاک کرنا' اور تعمیر ظاہر و باطن یعنے عضا سے عبادات' اور قلب سے دوام مراقبات' تا سعادت ابدیہ حاصل ہو۔ یہی اس علم کا ثمرہ اور غایت ہے' اور موضوع اس کا وہی تصفیہ و تزکیہ ہے۔

اور کشف الظنون سے علم تصوف کی تعریف علامہ ابن صدر الدین رح سے اس طرح نقل فرمائی ہے کہ اس درجات و مقامات کی کیفیت جیسی کہ چاہئے بیان کرنا غیر ممکن ہے کیونکہ عبارات انھیں معانی کے لئے وضع کئے گئے ہیں' جو لغت والوں کی سمجھ میں آسکتے ہیں اور جو ایسے معانی ہوں کہ ان کو وہی شخص پاتا ہے جو اپنے قوی بدن بلکہ اپنی ذات سے بھی غائب ہوتا ہے۔ تو پھر ایسے معانی کے لئے الفاظ کا وضع کرنا ہی غیر ممکن ہے تو وہ الفاظ سے کس طرح ادا ہوں گے۔ جیسے معقولات کو اوہام سے' اور موہمات کو خیالات سے' اور تخیلات کو حواس سے' نہیں پاسکتے ہیں' اسی طرح جو

عین الیقین معائنہ ہو سکتے ہیں۔ ان کو علم الیقین سے پانا غیر ممکن ہے، پس جو شخص اس کا ارادہ رکھتا ہے مشاہدہ اور عیاں ہونے کے لیے کوشش کرے نہ کہ اس کو بیان سے ڈھونڈے۔ یہ طور عقل سے پرے ہے، ؎

علم التصوف علمٌ، لیس یعرفہ ۔۔۔ الا اخو فطنۃٍ بالحق معروف
ولیس یعرفہ من لیس یشھدہٗ ۔۔۔ وکیف یشھد ضوءَ الشمس مکفوف

بہرحال اس صراحت سے واضح ہو جائے گا کہ تصوف علم کیفیات ہے جس کو عمل سے پا سکتے ہیں۔ اور انسان جس طرح صورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہے اسی طرح اس کے کیفیات بھی باہم مختلف ہوتی ہیں اس لئے ایک کا تصوف دوسرے کے کام نہیں آسکتا اسی چیز کی طرف حضرت نے اشارہ فرمایا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ باہر حوض پر حمام کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ لنگ باندھ کر جسم کے کپڑے اتارے اس کے بعد اپنے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے حاضر الوقت مریدین کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ

"مرشد وہ ہے جو اپنے مریدین کو اس طرح دیکھے جیسے اپنے سینے کے بالوں کو دیکھتا ہے۔"

اس ارشاد سے آپ کے کشفی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ اپنے مریدین سے کبھی بے خبر نہیں رہتے ہر وقت ان کو ملاحظہ فرماتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا فضل مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نہایت مسرور سے نظر آرہے تھے سامنے مریدین بھی حاضر تھے آپ نے ان مریدان حاضر کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ :-

"تم لوگوں میں ہر شخص اپنی اپنی دیگ علیحدہ علیحدہ دم دینے کی کوشش کر رہا ہے تو پھر ہم نے جو دیگ تیار کی ہے وہ کس کے لئے۔"

حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ آپ کی تیار کی ہوئی دیگ تو ہم ہی کھائیں گے اب ہم جو کچھ تیار کریں گے وہ ہمارے بعد والوں کے لئے ہوگی اس پر آپ تبسم فرما کر خاموش ہو گئے۔

حضرت مولانا سید شاہ اصغر حسینی صاحب چشتی جانشین حضرت شاہ خاموش علیہ الرحمہ (جو آپ کے بھانجے داماد ہوتے تھے) بیان فرماتے تھے کہ آپ کی مجھ پر بیحد نظر عنایت تھی اور میرے ساتھ ایسا ہی سلوک تھا جیسا کہ حقیقی سسرے کا داماد کے ساتھ رہتا ہے۔ میری عادت تھی کہ میں اکثر اجمیر شریف کے عرس شریف میں حاضری دیا کرتا، ایک دفعہ حسب عادت حاضری کا قصد ہوا تو ملنے کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں عرس شریف میں حاضری کے لئے جا رہا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ "

"میاں! آپ کا اجمیر شریف تو مکہ مسجد کے پیچھے خانقاہ میں ہے"۔

میں نے جواب دیا کہ میری عادت رہی ہے کہ اکثر عرس شریف میں حاضری دیتا رہا ہوں تو فرمایا کہ۔

"نہیں! میں منع نہیں کرتا ضرور حاضری دیجئے مگر اس کا خیال ہے اور جب حاضر ہوں تو حضرت خواجہ خواجگان رضی کی بارگاہ میں میری طرف سے بھی مودبانہ سلام عرض کرنا"۔

اس ارشاد سے کہ آپ کا اجمیر شریف تو مکہ مسجد کے پیچھے خانقاہ میں ہے

ہے ایک بہت نازک مسئلہ کی جانب اشارہ تھا کہ حضرت خواجۂ خواجگان رضؓ کا فیض اسی واسطے سے یعنی اپنے مرشد حضرت سید محمد ہاشم حسینی عرف محمد شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہی سے تمہیں ملے گا۔

چونکہ یہاں اجمیر شریف کا تذکرہ اور حضرت کے سلام کا ذکر آ گیا ہے اسلئے ہم چاہتے ہیں کہ اس جا حضرت کا مکتوب گرامی بھی نقل کرنے کی سعادت حاصل کریں جو آپ نے اپنے برادر خورد حضرت سید محمد عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ کو بزمانہ سفر اجمیر شریف تحریر فرمایا تھا جو کتاب رہبر طریقت مؤلفہ حضرت سید محمد عمر صاحب قبلہ رح میں شائع ہو چکا ہے وہو ہذا۔

نقل خط

حامداً ومصلیاً

از بندہ فقیر محمد صدیق غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ بہ برادر عزیزم سید محمد عمر اطال اللہ عمرہٗ واجل قدرہ بعد سلام وتحیات واضح باد کہ خط مرسلہ آں عزیز مورخہ ۱۵ ر ذیقعدہ وخط دیگر مورخہ ۱۷ ر ماہ مذور درعین انتظار رسید۔ خاطر را کمال سرور ساخت واز کوائف مندرجہ آگہی یافت واز خط اول تقرر روانگی روز یکشنبہ ہفدہم ماہ معلوم کردم واز خط دیگر پنجشنبہ بست ماہ بہر حال زود بزیارت غریب نواز قدس سرہٗ مشرف شدہ دیدہ انتظار را نورے ودل مشتاق را سرورے خواہند بخشید۔ وخط دیگر مورخہ دہم ماہ کہ نوشتہ بودم از اندیشہ نشد اطلاع نشد کہ رسیدہ است یا نہ۔ بعد رسیدن اجمیر مبارک حال سفر

واقامت بہ تفصیل برنگارند میخواہم کہ ہمیں دم بعتبہ بوسی غریب نوازشتابم و سرو دیدہ بخاک آن آستان فیض مالم۔ اما کار بدستم نسپردہ اند وہو حسبی ونعم الوکیل۔ حالا بست و دوم ذیقعدہ است۔ دوستان وخویشان را عافیت نقد حال است بہ ہمشیر صاحبہ سلام وتحیات و دخترشان وعبدالمقتدر صاحب وعبدالقدیر صاحب وعبدالشاکر صاحب ودیگر ہمراہیان را بطرف عاجز و برادران وزن وفرزند وہمہ اہل محلہ واہل قرابت وغیرہم سلام وتحیات وعید اضحیٰ ہم قریب است اغلب کہ تا عید اینجا خواہید بود۔

واوصیك یا اخی ان لا تنسانی من السلام والدّعاء عند زیارة الشیخ وقل عنّی فی حضرته انا خادمك وحیث ما كنت وانت سیدی لا تبعدُ فی عنكَ وانت الحامی وانت الملاذی وذخوی شئت اوابیت فكن لی ولا تنظر الی ما انا فیہ فمنی الجنایة ومنك العنایہ والسلام ورحمة اللہ وبركاتہ۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے سلسلہ کے حضرات کے لئے ارشاد فرمایا کہ۔

"تکمیل سلوک اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ نائب رسول اللہ علیہ الرحمہ کے پاس حاضری نہ دیجائے"

حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس سرہٗ جن کا لقب نائب رسول اللہ ہے۔

شیوخ سلسلہ سے یعنی حضرت شیخ کامل مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے مرشد ہیں آپ کا مزار مبارک ضلع رحمت آباد علاقہ مدراس میں واقع اور زیارتگاہ خاص و عام ہے۔ ہر مذہب وملت کے لوگ حاضر ہوتے اور گل مقصود پاتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رحمت آباد شریف میں آج تک یہ عمل جاری ہے کہ وہ شخص خواہ وہ کسی مذہب وملت کا کیوں نہ ہو جو آپ کے گنبد شریف کے سامنے سے گذرے مودبانہ آداب بجالائے۔ اگر کوئی اس کے خلاف عمل کرے تو اسے سزا ملتی ہے چنانچہ ہندو عیسائی پارسی جو آپ کی گنبد مبارک کے سامنے سے گذرتے ہیں برابر آداب بجالاتے ہیں۔ حضرت سید مصطفیٰ صاحب قادری مرحوم جو حضرت سید علوی بردم قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ ایک عیسائی کمشنر وہاں آیا تو وہاں کے باشندوں نے اس سے کہا کہ یہاں کا یہ طرز ہے حسبِ عمل کیجئے اس عیسائی نے اس خیال سے کہ یہ بزرگ ہونگے تو مسلمانوں کے ہوں گے مجھے اس سے کیا آداب نہیں بجالایا جوں ہی گنبد مبارک سے چند قدم آگے بڑھا ایک ٹھوکر لگی بُری طرح گرا کافی چوٹ آئی گھبرا کر اٹھا معافی مانگی ٹوپی اتار کر اپنے طریقہ کے موافق آداب بجالایا اور کہا کہ واقعی یہ بڑے پیر پادری ہیں۔ اس کے بعد سے پھر کسی عیسائی نے ایسی جسارت بیجا کی ہمت نہ کی۔

حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس سرہٗ کے اور بہت سے ایسے تصرفات کے واقعات مشہور رہیں جن کو اکھٹا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہوگی بہرحال دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور دوسرے سلسلہ کے بھائیوں کو اپنے شیخ کے ساتھ وہاں کی حاضری کی سعادت عطا فرمائے کہ ایسی بارگاہوں میں شیخ کی معیت ہی زیادہ مفید ہوتی ہے آمین بحرمت سید المرسلین

آپ کا وصال

حضرت کا وصال ماہ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۱۳ھ میں ہوا۔

پیشین گوئی

دارالشفاء والی بی بی بیان کرتی تھیں کہ جب ماہ ذیقعدہ کا چاند نظر آیا تو اس وقت حضرت کی طبیعت بالکل اچھی تھی کسی قسم کی طبیعت پر گرانی نہ تھی ماہ ذیقعدہ کی دوسری یا تیسری تاریخ ہوگی کہ آپ دسترخوان پر تشریف رکھتے تھے اور میں حسب عادت سامنے حاضر تھی آپ نے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ آپ نے سنا، میں نے عرض کی جی کیا! تو فرمایا کہ بندہ نواز میں بندہ نواز تشریف لے جا رہے ہیں۔" (مخفی مبادکہ دکن میں عام طور پر ماہ ذیقعدہ کو بندہ نواز کا مہینہ کہا جاتا ہے چونکہ اسی ماہ میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا ہے اس لئے یہ مہینہ آپ ہی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے)۔

راویہ کہتی تھیں کہ اس ارشاد کو میں سمجھ نہ سکی اس لئے "جی" کہکر خاموش ہوگئی تو پھر آپ نے فرمایا کہ آپ نے سمجھا نہیں ؟ بندہ نواز میں بندہ نواز تشریف لے جا رہے ہیں!" میں اب بھی سمجھ نہ سکی اس لئے پھر "جی" کہکر خاموش ہوگئی تو آپ نے بھی سکوت اختیار فرمایا۔ اس کے بعد میں بہت کچھ سوچتی رہی کہ اس ارشاد کا

کیا مطلب ہو گا لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ جب حضرت کا وصال ہوا اس وقت میں نے سمجھا کہ اسی جانب یہ اشارہ تھا اور حضرت نے اپنے وصال کی پیشین گوئی فرمائی تھی ۔

علالت

دس بارہ تاریخ تک آپ کی صحت بالکل اچھی تھی اس کے بعد آپ کو بخار آیا۔ ایک دو روز تو معمولی حرارت آتی رہی اس کے بعد بخار کچھ زیادہ ہوا ۔ ۱۷ تاریخ ماہ ذیقعدہ جمعہ کا دن تھا اس روز آپ کو بخار زیادہ تھا جس کی وجہ سے آپ نماز جمعہ کے لئے باہر برآمد نہ ہو سکے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تمام خادمین شرف قدم بوسی کے لئے اندر حاضر ہوئے ۔

حضرت مکی میاں صاحب قبلہ رح فرماتے تھے کہ جب سب حاضر ہوئے تو آپ چادر اوڑھے آرام فرمارہے تھے سبھوں نے مزاج پرسی کی تو آپ نے گفتگو فرمائی میں نے بھی سلام کے بعد جب مصافحہ کیا تو جسم اسقدر گرم محسوس ہوا کہ ہاتھ کو جرکا لگ رہا تھا حضرت کا یہ حال دیکھ کر میرے قلب پر سخت صدمہ ہوا بیساختہ آنکھ سے آنسو رواں ہو گئے۔ جب آپ نے مجھے ملاحظہ فرمایا تو دریافت کیا کہ کیوں روتے ہو" میں نے عرض کی کہ حضرت! بخار بہت زیادہ ہے آپ کسی کی دوا بھی استعمال نہیں فرماتے تو آپ نے بگڑ کر مجھ سے فرمایا کہ وہ کس نے کہا کہ بخار زیادہ ہے ؟ کہاں ہے بخار بلاوجہ پریشان ہوتے ہو 'لو! دیکھو"۔ اور اپنا دست مبارک میری جانب دراز فرما دیا۔ اب میں نے جسم کو ہاتھ لگا کر جو دیکھا تو واقعی جسم صاف تھا۔ حرارت بالکل نہ تھی میں سخت حیران ہو گیا کہ پانچ ہی منٹ کے اندر یہ عجیب انقلاب

آپ نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کی کہ واقعی اب تو حرارت نہیں معلوم ہوتی، اس پر آپ نے تبسم فرمایا اور خاموش ہو گئے۔

اس واقعہ پر بعد میں جب میں نے غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ بخار تو زیادہ ہی تھا لیکن محض ہماری پریشانی کو ملاحظہ فرما کر آپ نے اس قسم کا وقتیہ تصرف ظاہر فرمایا تھا۔ ؎

خلق جس دن سے ہوئے بانکے میاں کے نوکر　ہر اشارہ میں کرامات نکل آتی ہے

قرابتداروں کی طلبی

آپ کے خسر حضرت سید شاہ شیخن احمد صاحب شطاری قدس سرہٗ اور آپ کے پھوپی زاد بھائی مفتی محبوب نواز اللہ مرحوم ہر سال گلبرگہ شریف کے عرس میں بہ پابندی حاضری دیا کرتے تھے۔ اس سال بھی حسب عادت ہر دو حضرات تشریف لے گئے۔ اس وقت تک حضرت کی طبیعت اچھی تھی۔ کسی قسم کی علالت کی کوئی اطلاع بھی نہ تھی، ۱۷ تاریخ اٹھارہویں شب میں ہر دو حضرات کو ایک ہی طرح کا خواب ہوا کہ آپ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اب ٹھیرنے کا وقت نہیں ہے فوراً بلدہ آجائیے صبح حضرت شیخن احمد صاحب قبلہؒ جب بیدار ہوئے تو بہت پریشان تھے کہ یہ کیا خواب ہے؟ خواجہ میاں نے ایسا کیوں کہا؟ اسی طرح حضرت مفتی صاحبؒ کا یہی حال تھا جب ان دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی تو حضرت شیخن صاحب قبلہؒ نے رات کا خواب سنایا مفتی صاحبؒ نے فرمایا مجھے بھی بالکل اسی طرح کا خواب دکھائی دیا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور کوئی خاص بات ہے جبھی تو خواجہ میاں صاحب نے خصوصیت کیساتھ ہمکو بلوایا ہے پس فوراً چلنا چاہیئے حالانکہ ان ہر دو حضرات کی عادت

تھی کہ ختم عرس شریف کے بعد بھی دو چار روز تک ٹھیر کر اطمینان سے واپس ہوتے تھے۔ مگر اس پریشانی میں اسی روز چار بجے کی گاڑی سے نکل گئے۔ ۱۰ تاریخ شام میں اپنے اپنے مکان پہنچے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دو چار روز سے بخار ہے۔ مفتی صاحب نے فوراً اپنے آدمی کے ذریعہ خیریت کی کیفیت منگوائی تو معلوم ہوا کہ بخار تو ہے لیکن قدرے سکون ہے خیال کیا کہ صبح چلکر مزاج پرسی کریں گے سفر کی تکان بھی تھی گھر میں آرام کیا۔

یہاں پہلی شب تو قدرے سکون سے گزری نصف اللیل کے بعد حضرت کی طبیعت میں پھر تغیر پیدا ہوا بے چینی زیادہ ہو گئی۔

وصیت

اسی اضطراب کی حالت میں آپ نے دریافت فرمایا کہ "کون ہیں"؟ دارالشفاء والی بی بی کہتی تھیں کہ میں قدموں کے پاس ہی حاضر تھی میں نے عرض کی "جی باندی دارالشفا والی" پھر فرمایا "کون" تو میں نے اپنا نام عرض کیا کہ "جی! مہرالنساء" اس کے بعد ارشاد ہوا کہ "وہ کہاں ہیں" میں نے عرض کی جی! کیا پیرانی بی کو (آپ کے محل میں) بلاؤں" فرمایا "ہاں" فوراً میں نے پیرانی بی صاحبہ کو بلایا۔ اور عرض کی جی پیرانی بی تشریف لائی ہیں تو فرمایا کہ دیکھو "سات حصے" پیرانی بی صاحبہ نے پریشان ہو کر دریافت کیا "جی کیا" تو پھر اسی کا اعادہ کیا کہ سات حصے سات حصے پیرانی بی پھر بھی سمجھ نہ سکیں پھر استفسار کیا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں میں سمجھ نہ سکی تو جھنجلا کر سکوت اختیار فرمایا۔ پیرانی بی صاحبہ نے پریشان ہو کر رونا شروع کیا کہ آج یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اور خیال کیا کہ بخار کی زیادتی کی وجہ شاید آپ پر سرسامی کیفیت طاری ہے۔ چنانچہ آپ کے

برادر صاحبان کو اطلاع دی گئی فوراً بھاگتے ہوئے آئے لیکن جب حضرت کا وصال ہوا تو اس وقت سمجھ میں آیا کہ فی الحقیقت آپ نے متروکہ کی تقسیم سے متعلق تاکید کی تھی سکہ دیکھو جملہ مال کے سات حصے کرنا یعنے تین صاحب زادے اور ایک صاحبزادی کی شرعی تقسیم بتائی گئی۔

صاحبزادہ کی یاد

دارالشفاء والی بی بی کہتی تھیں کہ اس تقسیم متروکہ کی وصیت کے بعد آپ نے منجھلے صاحبزادہ یعنے حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ کو یاد فرمایا کہ "یحییٰ کہاں ہے" (چونکہ سب صاحبزادوں میں آپ کو منجھلے صاحبزادہ صاحب سے بہت محبت تھی اور یہ صاحبزادہ صاحب بھی ہمیشہ آپ کے ہی پاس رہا کرتے۔ راتوں میں آپ ہی کے پہلو میں آرام فرماتے تھے۔ اس روز بھی اتفاق سے بازو ہی آرام فرما رہے تھے) میں نے عرض کی کہ "جی حضرت یہ کے بازو ہی آرام کر رہے ہیں کیا جگاؤں؟" تو فرمایا کہ "نہیں" اور اس کے بعد صاحبزادہ صاحب کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا مٹھی بند تھی انگلیاں کھولیں تھوڑی دیر غور سے دیکھ کر پھر مٹھی بند کر دی اور ہاتھ چھوڑ دیا۔ یہ راز سمجھ میں نہ آسکا کہ آپ نے کیا چیز ملاحظہ فرمائی۔

استغراقی کیفیت

اس کے بعد آپ پر استغراقی کیفیت طاری ہو گئی اسوقت تک آپ کے تمام بھائی صاحبان بھی تشریف لا لئے۔

آپ کا اس وقت قبلہ کی سمت سر مبارک اور جنوب کی سمت جس طرف مکان کی آمد ورفت کا راستہ تھا رخ تھا۔ آپ نے السلام علیکم تشریف لائیے کئی دفعہ ٹھہر ٹھہر کر فرمایا گویا کہ ہر آنے والے کا آپ خیر مقدم فرما رہے ہیں۔ سب کے سب حیران تھے کہ کوئی آتا نظر نہیں آتا پھر حضرت یہ کسکو سلام اور تشریف لائیے تشریف لائیے، فرما رہے ہیں۔ آپ کے برادر صاحبان رونے لگے۔ تین چار مرتبہ کے سلام کے بعد آپ نے اپنا رخ سمت جنوب سے پھیر کر شمال کی جانب جدھر کہ مکان کا اندرونی حصہ یعنے دالان وغیرہ ہے کر دیا گویا کہ آنے والے مہمانوں کی جانب مخاطب ہو رہے ہیں۔

حضرت مولانا افضل مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اس وقت تو آپ کے منجھلے و سنجھلے بھائی حضرت احمد علیشاہ صاحب و حضرت کلی میاں صاحب علیہما الرحمۃ سے ضبط نہ ہو سکا بے ساختہ رونے لگے۔ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت سید عمر صاحب علیہ الرحمۃ نے ہر دو بھائیوں کو موقع کی نزاکت دیکھ کر سمجھایا اور خود یٰسین شریف کی باواز بلند تلاوت شروع کی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے

حق ۔ حق ۔ حق

فرمایا اور آپ کی روح مبارک عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اس طرح آپ کا وصال ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ روز شنبہ انیسویں شب بوقت سحر ہوا۔

حضرت مولانا افضل مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت کی روح مبارک

عالم بالا کی طرف پرواز کی حضرت سید عمر صاحب رحمہ نے فوراً بڑھ کر آپ کے چہرۂ مبارک پر دوپٹا باندھا۔ میں نے ممدوح سے دریافت کی کہ آپ نے اس میں اتنی عجلت کیوں کی؟ تو فرمایا کہ میں نے ابھی آنحضرت صلعم کو دیکھا کہ حضرت کو اپنے سینۂ بے کینہ سے لگا کر ارشاد فرمارہے ہیں کہ "ہم اپنے بچہ کو لیجاتے ہیں"۔ اس ارشاد پاک سے مجھے حضرت کے وصال پاک کا یقین ہوگیا۔

۱۹ ذیقعدہ روز یکشنبہ کی صبح میں تمام شہر میں شہرت ہوگئی، لوگ جوق درجوق دوڑے ہوئے آنے لگے، بلدہ کے تمام مشاہیر، علما و مشائخین وعہدہ داران وغیرہ کا مجمع ہوگیا۔ ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ "آہ! آج کیسی فرد اٹھ گئی"۔ کوئی کہتا کہ دکن کی بدقسمتی ہے کہ دکن سے ایسی لاجواب ہستی اٹھ گئی۔

حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ رحہ نے فرمایا کہ "آج دکن کا آفتاب غروب ہوگیا" مریدین وخویش اقارب تو خیر۔ بہت سے اجنبی حضرات کہ ان کو نہ کبھی حضرت کی خدمت مبارک میں کسی نے حاضر ہوتا دیکھا نہ کبھی آپ کو ان کے پاس جاتے۔ لیکن ان کا بھی یہ حال تھا کہ پچھاڑیں کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ "آہ آج کیسی ہستی کو ہم نے کھودیا۔

تکفین پر بحث

حضرت مولانا فضل مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کے کفن سے متعلق بھی ایک بحث رہی مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کو اصرار تھا کہ حضرت کی اس آخری خدمت کی سعادت کا مجھے موقع دیا جائے ادہر حضرت کے برادران عزیز نے فرمایا کہ

اولاً تو یہ حق حضرت کے صاحبزادوں کا ہے اگر صاحبزادے اس حق سے دست بردار ہوتے ہیں تو پھر بلحاظ قرب قرابت ہم کو یہ موقع ملنا چاہیئے۔ جب اس بحث میں طوالت پیدا ہوئی تو بالآخر حضرت کے بڑے صاحبزادے حضرت سید عثمان حسینی صاحبؒ نے خود انتظام فرما کر اس کو ختم فرمایا۔

غسل و نماز و دفن

حضرت مکی میاں صاحبؒ نے حضرت کو غسل دینے کی سعادت حاصل کی اور جنازہ کو قاضی پورہ سے مکہ مسجد لے جایا گیا مکہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ جنازہ کے ہمراہ ہزاروں کی تعداد تھی نماز کے بعد پھر جنازہ قاضی پورہ لایا گیا اور بعد نماز ظہر اندرون احاطہ مسجد النور چبوترہ پر آپ اپنے والد ماجد کے بازو مدفون ہوئے۔

رنج و غم

یوں تو ہر گھر کے بڑے کا سایہ گھر والوں کے لئے یا مرشد کا سایہ مریدین کے لئے، یا سرپرست خاندان کا اہل خاندان کے لئے اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ اور اس سایہ کے اٹھ جانے کا غم ضرور ہوتا ہے لیکن حضرت کے وصال پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی ہر شخص کے قلب پر اس واقعہ کا اتنا صدمہ تھا کہ اب وہ آئندہ زندگی کو بے مزہ سمجھ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ اگر اس سے ممکن ہو تو اس زندگی کی بیڑیوں کو آج ہی کاٹ ڈالے چنانچہ متعدد اصحاب نے ایسی بیماریں

کھائیں کہ بری طرح زخمی ہو گئے، سر پھٹ گیا، خوں میں نہا گئے۔

ان میں وہ جو حضرت سے نسبی تعلق رکھتے تھے یا غلامی کی نسبت تھی ان کے قلوب پر اگر صدمہ ہوا تو ہونا ہی چاہئے تھا مگر حیرت اس کی تھی کہ بعض وہ حضرات جن کو حضرت سے نہ کوئی نسبی ہی واسطہ تھا۔ نہ سلسلہ کا کوئی تعلق لیکن حضرت کے پردہ فرمانے کا ان کے قلوب پر بھی ویسا ہی اثر تھا جیسا کہ ایک تعلق رکھنے والے کو ہونا چاہئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ نواب صفدر یار جنگ مرحوم سرکردہ پولیس بلدہ (جو حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہؒ سے بیعت تھے) بیحد متاثر اور بری طرح پچھاڑیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ "افسوس! کیا غفلت ہوئی۔ کیسی نعمت کو کھو دیا۔

فاتحہ سوم

حسب طریقہ مروجہ صبح میں مسجد النور قاضی پورہ میں فاتحہ سوم ہوئی اسی روز بعد ختم قرآن مجید آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہؒ آپ کے جانشین ہوئے۔ تمام مریدین و خلفار نے نذریں پیش کیں پیش کشی نذور کا بھی عجیب پر درد منظر تھا مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم بازو کھڑے ہوئے ہر نذر پیش کرنے والے کا ہاتھ تھامے نذر آگے بڑھاتے اور نذر لینے کے بعد منہ کو دستی لگا کر روتے جاتے تھے۔ مفتی صاحب ممدوح کی اس حرکت پر ساری محفل میں ایک غیر معمولی رقت طاری ہو رہی تھی۔ خصوصاً وہ منظر بھی عجیب دردانگیز تھا جب کہ حضرت کے برادر صاحبان نے نذریں پیش کیں۔ نذر لینے والے اور نذر دینے والے

ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے آپے سے باہر تھے اور تمام محفل پر ایک عجیب رقت کی کیفیت طاری تھی سب سے پہلے حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ نے آپ کے بعد دوسرے اور حضرات نے نذر دی۔

حضرت مولانا فضل مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سید عمر صاحبؒ نے نذر پیش کی تو نذر کے بعد صاحبزادہ صاحب یعنے حضرت سید عثمان حسینی صاحب کو لپٹ کر روتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔ ؎

باپ کی بو باس اسی گل میں ہے　　　جز و میں بھی ہے وہی جو کل میں ہے

ممدوح کے اس شعر نے محفل میں ایک حشر برپا کر دیا تھا۔ اس طرح جانشینی کا اعلان ہوا۔ بروز فاتحہ سوم حضرت کے پاس کے طرز کے بموجب جو موافق سنت نبوی ہے تمام حاضرین کو کھانا کھلایا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کل تین پلہ کی پخت ہوئی تھی چونکہ لوگ کثرت سے جمع ہوئے تھے اس لئے حضرت کے ہر سہ برادر صاحبان کے مکانوں میں دسترخوان بچھادئے گئے۔ صبح آٹھ بجے سے مردانی کھانے کا جو سلسلہ بندھا تو بارہ بج گئے۔ جب یہ سلسلہ منقطع ہوتا دکھائی نہ دیا تو بارہ بجے بعد حضرت سید شیخن احمد صاحب شطاریؒ نے دریافت فرمایا کہ اب کھانا کتنا باقی ہے؟ جواب دیا گیا کہ ابھی بہت ہے۔ چونکہ اس وقت تک ہزاروں کی ہی تعداد میں لوگ فارغ ہو چکے تھے۔ باوجود اس کے کھانے کے بچے رہنے سے حضرت ممدوح بہت متاثر ہوئے۔ اور حضرت کی مزار مبارک کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ،

"آہ خواجہ میاں! تم کو کوئی سمجھ نہ سکا!"

مادہ ہائے تاریخ وصال

آپ کے وصال پر آپ کے چھوٹے بھائی حضرت سید عمر صاحب قبلہ رح فرماتے ہیں کہ "چراغ ہند" سے آپ کی ولادت باسعادت کا سن نکلتا ہے۔ اس لئے جب میں نے سن وصال پر غور کیا تو "چراغ مدینہ" سے سن وصال نکل آیا (۱۲۶۲) اور ایک "قطعہ" تاریخی بھی آپ نے بزبان فارسی فرمایا ہے جسمیں سن ولادت (۱۳۱۳) وسن وصال کے علاوہ حضرت کی عمر شریف بھی بتائی گئی ہے جو افکار غیب میں شائع ہو چکا ہے وہو ہذا ۔

جناب پیر و مرشد حضرت خلق — کہ فیضش بود از سمہ تا بماہی

"محب" "عمرش" "چراغ ہند میلاد" — سن وصلش بخواں ایدل چو خواہی

خلیق از بے سر آرام گفتہ (۵۰ ۱۲۶۳) — از دنیا رفت معشوق الٰہی

اس مصرعہ تاریخ سے سر آرام یعنے دو عدد کے تخرجہ سے سنہ وصال (۱۳۱۳ھ) نکلتا ہے۔ آپ کے بڑے برادر نسبتی حضرت سید غلام غوث صاحب شطاری قبلہ ادیب رح نے بزبان عربی "قطعہ تاریخی" فرمایا ہے جو حسب ذیل ہے ۔

نبیہ سید مقبول حق — وصدیق باسمہ وھو صوفی

ولی اللہ مرشد طالبیہ — ھو المعروف بالخلق العطوف

بروح صار حیا قلت ادخنا — علیہ رحمۃ الرب الرؤف

چھوٹے برادر نسبتی حضرت سید شاہ محمد علی صاحب شطاری قبلہ اریب رح (۱۳۱۲ھ) بزبان فارسی قطعہ تاریخی فرمایا ہے جو حسب ذیل ہے۔

عارف کامل و جناب خلق ۔ رہبر راہ دین ز عالم رفت

سال رحلت او بہ غیب گفت چنیں سید عارفین ز عالم رفت
۱۳۱۴ھ

یہ ہر دو قطعات بھی افکار غیب میں شائع ہو چکے ہیں۔

آپ کی فاتحہ

یہاں اس امر کا اظہار بھی نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت کو ریوڑی بہت پسند تھی چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اکثر جب کبھی میٹھا کھانا چاہتے تو مجھ کرے کو آواز دے کر بلاتے اور پیسے دیکر حکم فرماتے کہ "اس کی ریوڑیاں لے آو" جب ریوڑیاں آجاتیں تو خود بھی تناول فرماتے اور ہم کو بھی سرفراز فرماتے۔ اسی وجہ آپ کی فاتحہ ریوڑیوں پر دلائی جاتی ہے۔

اسی طرح حضرت کو غذا میں کھچڑی کھٹا بہت مرغوب تھا چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ وصال سے چند روز قبل آپ کی غذا صرف یہی تھی ۔ اسی خیال کے تحت آپ کی فاتحہ میں کھچڑی کھٹا بطور خاص رکھا جاتا ہے۔ عرس شریف کے موقع پر بھی بروز صندل اس کے رکھے جانے کی یہی وجہ ہے۔

قبور پر پھول چڑہانے میں بھی چادر چڑہانے کو آپ ناپسند فرماتے تھے جیسا کہ ہم نے اخلاق و عادات کے باب میں ترک رسوم کے تحت تشریح کی ہے کھلے پھول اور وہ بھی زیادہ مقدار میں چڑہانے کو آپ نے ناپسند فرمایا۔ حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی آپ بزرگان دین کی مزار پر فاتحہ کے لئے تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ تھوڑے سے پیسوں کے پھول لے لو بقیہ پیسے خیرات کردو

کہ اس میں اُس سے زیادہ ثواب ہے۔

اسی طرح آپ دسویں اور چہلم کے فواتح کو ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ البتہ فاتحہ سوم کے بعد کھانا کھلانے یا انتقال کے ساتویں روز یا مہینہ کی فاتحہ کا آپ نے حکم دیا اور خود بھی اس پر عمل فرما رہے۔ اسی وجہ دسواں' بیسواں' چہلم وغیرہ کے کھانے سے آپ کے فیض یافتہ خلفاء وغیرہ نے بھی احتراز فرمایا۔ چنانچہ حضرت سید عمر صاحب قبلہ ؒ و حضرت عثمان میاں صاحب ؒ قبلہ نے کبھی ان فواتح کی دعوت میں شرکت کی نہ کھانا تناول فرمایا۔ بلکہ اس کو بدعت سیئہ خیال فرماتے رہے اور اکثر فرماتے تھے کہ اس کھانے سے دل کی نورانیت کم ہو جاتی ہے۔

حضرت کے محل میں

آپ کی شادی ۱۲۸۴ھ یا ۱۲۸۵ھ کو آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ کے سامنے ہی ہوئی' آپ کی بی بی کا اسم شریف "قمرالنساء صفیہ" لیکن مریدین معتقدین کا "پیرانی بی" پکارنا آپ کے فطری تقدس کے ساتھ ملکر کچھ ایسی عام قبولیت اس لفظ کو حاصل ہوئی کہ قرابت میں مریدین میں تمام لوگ "پیرانی بی" کے نام ہی جانتے اور پکارنے لگے۔ حتیٰ کہ جب پیرانی بی صاحبہ قبلہ ؒ نے حضرت کے وصال کے بعد ۱۳۲۴ھ میں بغداد شریف کا سفر فرمایا تو وہاں بغداد شریف کے سب صاحبزادے صاحبزادیاں بھی "پیرانی بی" کے نام ہی سے یاد فرمایا کرتے تھے اسی طرح جب پیرانی بی صاحبہ نے ہجرت کی نیت سے مدینہ طیبہ کا قصد فرمایا تو اہل مدینہ میں بھی آپ اسی نام سے متعارف تھیں اور سب یہی پکارتے تھے'

اب ہم چاہتے ہیں کہ ناظرین کرام کو بالاختصار کچھ آپ کے حالات سے بھی واقف کریں

حضرت پیرانی بی صاحبہ قبلہ رح کے والد ماجد حضرت شیخ احمد صاحب قبلہ شطاری قدس سرہٗ تھے جو خاندان شطاریہ کے بڑے مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں جن کے علم و فضل زہد و تقوی سے بلدہ کا ہر فرد بشر بخوبی واقف ہے اور جن کو طبقہ مشائخین میں امتیاز خاص حاصل تھا۔

آپ کی والدہ ماجدہ (یعنے محل اولی حضرت شیخ احمد صاحب شطاری قبلہ رح) حضرت شاہ سعدو بنے صاحب علیہ الرحمہ کی صاحبزادی تھیں حضرت شاہ سعدو بنے صاحب قبلہ رح بھی خاندان شطاریہ ہی کے ممتاز بزرگ گزرے ہیں آپ کا کوٹلہ اب تک مشہور ہے آپ کا مزار مبارک بیرون دروازہ دبیرپورہ واقع ہے۔

حضرت پیرانی صاحبہ کے اخلاق بے حد وسیع تھے ہر ایک کے ساتھ محبت سے پیش آتیں۔ قرابت کا بیحد خیال رکھتیں آپ اپنے علاتی بھائی بہنوں کے ساتھ ایسی محبت و الفت کے ساتھ گزاری کے دیکھنے والوں کو کبھی یہ محسوس نہ ہوا کہ ان میں حقیقی کون ہیں اور علاتی کون؟ اسی طرح شادی کے بعد آپ نے اپنے چھوٹے دیوروں اور نند کے ساتھ ایسا طرز عمل رکھا کہ جیسے اپنے حقیقی بھائیوں بہنوں میں ہوتا ہے بالخصوص اپنے دونوں چھوٹے دیور یعنے حضرت ملی میاں صاحب قبلہ و حضرت سید عمر صاحب قبلہ علیہما الرحمہ جو کمسن ہی تھے کہ ان کی والدہ ماجدہ نے جب انتقال فرمایا تو یہ ہر دو آپ کی نگرانی میں رہے آپ نے ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جیسا ایک حقیقی والدہ اپنے بچوں کے ساتھ کر سکتی ہے۔ ہر وقت ان کا خیال رکھتیں ان کو کسی قسم کی کوئی معمولی تکلیف بھی نہ ہونے دیتی تھیں۔

یہ دونوں بزرگوار بھی آپ کا ادب و احترام ماں سے بڑھ کر کرتے تھے اور اپنی والدہ کا قائم مقام تصور فرماتے رہے۔

مریدین کے ساتھ بھی آپ کا خاص طرز تھا تمام پیر بہنیں آپ پر فدا رہتی تھیں اور آپ انکا بیحد خیال رکھتیں۔ خود اپنے آپ پر ہر طرح کی مصیبتیں اٹھائیں مگر پیر بہنوں کو آرام پہنچانے کا خیال ہمیشہ پیش نظر رہتا بالخصوص بوڑھوں کا بہت خیال رکھتیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ گھریلو کاروبار میں آپ ہمیشہ برابر کا حصہ لیتی تھیں بالخصوص ضعیف و سن پیر بہنوں کے کاروبار میں شریک ہو جاتیں اور ان کی امداد کرتیں ان کے کھانے پینے کا خیال اس طرح رکھتیں کہ خود رات کا باسی کھانا کھا لیتیں مگر ان کو گرم کھلاتیں۔ اگر کبھی کوئی توجہ بھی دلاتا تو فرماتی تھیں کہ وہ ضعیف و ناتوان ہیں۔ اس لئے اس وقت ضرورت ہے کہ ان کے ہاتھ پاوں میں قوت رہے بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ آپ حجرہ میں جا کر اندر ہی سے ان کے لئے گرم کھچڑی اور اس پر مسکہ کا گھی ڈال کر اوپر سے ایک رکابی ڈھانک کر سب کی نظر بچا کر ان کو دیدیتیں تاکہ دوسروں کو اس کی اطلاع نہ ہو دس پانچ ایسی ضعیف عورتیں اکثر آپ پاس رہا کرتی تھیں۔

یہی حال آپ کے جود و سخا کا بھی تھا۔ کہ جو کوئی غریب عورت خواہ مرید ہو یا نہ ہو اپنے مصائب و تکالیف کا دکھڑا روتی تو آپ اس کی ممکنہ امداد فرماتیں اور جب کسی کو کچھ دیتیں اس طرح دیتیں کہ دوسرے کو اس خبر بھی نہ ہونے پاتی چنانچہ بہتوں کو برتن و ملبوس و زیور وغیرہ آپ نے اس طرح دیا کہ رات دن

آپ کی خدمت میں رہنے والے بھی اس سے واقف نہ ہو سکے۔

کہتے ہیں کہ اکثر چہلم ویست کے موقع پر بغرض ایصال ثواب جو سامان قدیم طریقہ کے موافق بھیجا جاتا تھا۔ اس کو آپ ہمیشہ ایسے ہی امدادی کاموں میں صرف کیا کرتی تھیں۔

آپ کو زہد و تقویٰ کا بہت خیال رہتا تھا۔ صوم و صلوٰۃ کی شدت سے پابند تھیں اور ہر نماز باجماعت ادا فرماتیں۔ چونکہ مکان مسجد سے بالکل متصل واقع تھا اس لئے جہاں مسجد میں اقامت شروع ہوئی کہ آپ فوراً مصلیٰ لے کر کھڑی ہو جاتیں۔ خواہ ہاتھ پر کیسا ہی کام کیوں نہ ہو۔ اور آپ کسی سے مصروف گفتگو ہی کیوں نہ رہتیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی یہ پابندی اوائل عمری ہی سے تھی جس زمانہ میں آپ اپنے بچوں کو دودھ پلایا کرتی تھیں اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ آپ دودھ پلاتی رہتیں اور ادھر مسجد میں نماز کی جماعت ہوتی آپ بچہ کو فوراً نیچے لٹا کر مصروف نماز ہو جاتیں بعض وقت بچہ ضد بھی کرتا تو اس کی کوئی پروا نہ کرتی تھیں اگر توجہ بھی دلائی جاتی تو فرماتیں کہ اس وقت بچہ کو شیطان ستا رہا ہے تاکہ میری جماعت فوت ہو جائے۔ ہمیشہ اپنے لباس کو پاک صاف رکھا کرتیں اگر کبھی چھوٹے بچوں کو گود میں لینا ہوتا تو بڑی احتیاط سے لیا کرتیں تاکہ پیشاب وغیرہ سے لباس خراب نہ ہو آپ نہ صرف پنج وقتہ نماز ہی کی پابند تھیں بلکہ نماز تہجد کی بھی شدت سے پابند تھیں کہتے ہیں کہ عرسوں اور یازدہم و دوازدہم

کی مجلسوں کے زمانہ میں بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ گھر کے کاروبار میں جو آپ صبح سے معروف ہوتیں تو رات میں آرام فرمانے تک آدھی رات ہوگئی لیکن باوجود اس کے بھی آپ حسب عادت تین بجے رات سے بیدار ہوگئیں اور نماز تہجد کی قضا نہ ہونے پائی آپ نے چار مرتبہ حج کیا اور حرمین شریفین کی زیارت کے لئے پہلی دفعہ حضرت کے ہمراہ تشریف لے گئی تھیں دوسری مرتبہ حضرت کے وصال کے بعد ہجرت کی نیت سے آپ نے قصد فرمایا تھا جب کہ آپ کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بہت کمسن تھے آپ ہی کے ہمراہ گئے تھے۔ ایک سال تک مدینہ طیبہ میں قیام رہا لیکن اعزاو اقربا کے اصرار پر کہ بچوں کی شادیوں کے فریضہ سے سبکدوش ہو کر آپ ہجرت کا ارادہ فرمائیں تو مناسب ہوگا۔ آپ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور دوسرا حج ادا کر کے واپس آگئیں مراجعت کے بعد تمام بچوں کی شادی سے سبکدوش ہو کر پھر ہجرت کی نیت سے حرمین شریفین کا قصد کیا تو فریضہ حج ادا کرتے ہوئے مدینہ طیبہ تشریف لے گئیں۔ اس کے بعد پھر واپسی نہ ہوئی کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے زمانہ قیام میں آپ کی ہر نماز حرم شریف میں با جماعت ادا ہوتی تھی روزانہ تہجد کے وقت سے جو حرم شریف میں حاضر رہتی تھیں تو اشراق کے بعد قیام گاہ کو واپس ہوتیں اسی طرح مغرب سے عشا تک کا وقت بھی حرم شریف میں گزرتا۔ آپ کے زہد و تقوی کی وجہ اہل مدینہ بھی آپ کا احترام کرتے اور آپ کی خدمت گزاری باعث سعادت تصور کرتے تھے آخر زمانہ میں جب کہ کچھ کبر سنی کی وجہ اور کچھ صدمات سے چلنے پھرنے سے بالکل عاجز ہوگئی تھیں بالخصوص آپ کے بڑے صاحبزادے

حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی انتقال کی اطلاع کے بعد تو آپ بالکل فریش ہوگئیں۔ حرم شریف کی حاضری نہ ہونے لگی۔ روتے روتے بصارت بھی جاتی رہی لیکن اس حال میں بھی کبھی نماز قضا نہ ہوئی جب اٹھنا بیٹھنا بھی نہ ہوسکتا تو لیٹے لیٹے ہی نماز ادا فرماتی تھیں۔ بصارت چلی جانے کی وجہ جب وقت معلوم نہ ہونے لگا تو ہر تھوڑی دیر کے بعد نماز کے متعلق دریافت کرلیا کرتیں کہ کیا نماز کا وقت ہوگیا؟

علالت جب بڑھ گئی اور کبھی بحالت ہوش اور کبھی بے ہوش رہنے لگیں تو عالم غشی میں بار بار یہی ہوتا کہ تیمم کرتیں اور نماز کی رکعت باندھ لیتیں۔ چنانچہ اسی طرح حالت نماز میں ۱۰ ار جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ کو آپ واصل بحق ہوئیں۔ اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا مزار اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دیوار سے متصل ہے یعنے آپ کے مزار اور حضرت سیدۃ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کے مزار مبارک کے درمیان صرف ایک دیوار حائل ہے۔

حضرت کی تمام اولاد آپ ہی کے بطن سے ہے جس کی تفصیل حضرت کی اولاد کے باب میں کی گئی ہے۔

حضرت کی اولاد

حضرت کی تمام اولاد ایک ہی بی بی سے ہے۔ صاحبزادے و صاحبزادیاں بہت کثیر تعداد میں ہوئے لیکن اکثر کمسنی ہی میں انتقال کر گئے۔ جس وقت حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ العزیز نے اس عالم سے پردہ فرمایا اس وقت آپ کی اولاد میں صرف تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ سب میں بڑے حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ تھے (جن کی عمر چوبیس یا پچیس سال کی ہوگی) آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔ حضرت ممدوح کے مختصر حالات ضمیمہ حیات کے نام سے اس کے ساتھ ہی علحدہ پیش کئے گئے ہیں۔

حضرت قبلہ سید شاہ محمد یحییٰ حسینی صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی

دوسرے صاحبزادے حضرت قبلہ گاہ سید شاہ محمد یحییٰ حسینی صاحب قبلہ مدظلہ العالی ہیں۔ آپ کی عمر حضرت کے وصال کے وقت دس سال کی تھی۔ حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ رات دن آپ حضرت کے ہی پاس رہتے تھے۔ حضرت مولٰنا حسرت مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ بعض پیر بھائیوں نے جب حضرت سے یہ شکایت کی کہ آپ کا تصور قائم نہیں ہو رہا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ یحییٰ کا تصور جماؤ جب ان پیر بھائیوں نے تعمیل حکم میں آپ کا تصور جمایا تو حضرت کا

تصور قائم ہو گیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ بعض اوقات حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں اور ہیں ایک نیام کے دو تلواریں ہیں۔

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہیں اور آپ میں جدائی ہیں۔ "من تو شدم تو من شدی" کے مدارج سے گزر کر تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری کا ظہور رہے۔

حضرت کے وصال کے وقت چونکہ آپ بہت کمسن تھے اس لئے آپ کی تمام تعلیم و تربیت آپ کے برادر معظم حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے زیر نگرانی ہوئی۔ آپ بیعت تو اپنے والد ماجد ہی سے ہیں اور خلافت برادر معظمؒ سے پائی۔ مگر شجرہ میں آپ نے اپنا سلسلہ اپنے برادر معظمؒ ہی سے جاری رکھا ہے۔

ایک دفعہ ایک صاحب نے استفسار کیا کہ جب آپ بیعت اپنے والد ماجد سے ہیں تو پھر شجرہ میں آپ نے اپنا سلسلہ اپنے بڑے بھائی صاحبؒ کیوں قائم کیا حالانکہ شجرہ سلسلہ بیعت کا ہے نہ کہ خلافت کا۔ تو آپ نے فرمایا کہ گو مجھے بیعت حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ سے ہے مگر حضرت کے زمانہ میں میں بیحد کمسن تھا۔ اور یہ بیعت بھی حضرت کے وصال کے چندروز قبل ہوئی اس لئے مجھے حضرت سے تعلیم پانے کا موقع نہ مل سکا۔ اب جو کچھ بھی میں نے تکمیل کی وہ سب اپنے برادر معظمؒ ہی سے کی۔ یہ میرا اصل قصہ طلب ہے فرمایا۔ ایک دفعہ میں حضرت برادر معظم کے ہمراہ تھا۔ اثنا راہ میں آپ نے ایک عام بحث چھیڑی کہ وہ لوگ جو حضرت قبلہ سے بیعت ہیں لیکن تعلیم و تربیت مجھ سے پائی ہے ان کو چاہیئے کہ وہ مجھ سے تجدید بیعت کریں اس پر میں نے

عرض کی کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ ہم آپ کو اور حضرت کو جدا نہیں سمجھتے
تو آپ نے فرمایا کہ جب جدا نہیں سمجھتے تو تجدید میں رکاوٹ کیا ہے؟ میں نے
عرض کی کہ بیعت ایک مرتبہ کی جاتی ہے نہ کہ باربار اس لئے تجدید بے موقع
معلوم ہوتی ہے اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ دیکھو! بات یہ ہے کہ وہ
لوگ جن کے ساتھ ہم نے محنت کی، ان کے لئے ہر طرح کی تکلیف برداشت کی، ان
کی تعلیم و تربیت کی ان کو قابل بنایا، اب وہ مرید کریں تو اپنا سلسلہ حضرت ہی سے
قائم رکھیں گے اور ہمارا نام نہ ہو تو کیا یہ صحیح طرز عمل ہوگا؟ اس پر میں خاموش ہو گیا

جس وقت حضرت برادر معظم قدس سرہٗ نے بہ نیت ہجرت ارض مقدس
حجاز کا ارادہ فرمایا تو مجھے خیال ہوا کہ میں نے حضرت کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔
اگر میرے اس عمل سے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ ناراض ہو جائیں تو میرے لئے
ہر طرح کے نقصان کا باعث ہوگا ادھر حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ سے اپنے
راست واسطہ کے توڑنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا۔ بہر حال جب حضرت برادر معظم
قدس سرہٗ جہاز پر سوار ہو چکے اور سب کو خدا حافظ فرمایا تو میں نے اس واقعہ کو
یاد دلا کر عدم تعمیل حکم کی معافی مانگی جس کے جواب میں حضرت ممدوح نے فرمایا کہ
خیر مضائقہ نہیں مگر شجرہ میں سلسلہ مجھ سے قائم رکھو تو بس ہے۔ اس حکم کی تعمیل میں میں
نے اپنا سلسلہ حضرت سے ہی قائم رکھا ہے

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ حضرت کے صاحبزادے موجود تھے۔
مکۂ معظمہ تشریف لے جانے کے بعد جب صاحبزادہ کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت
کی کوئی نرینہ اولاد باقی ہی نہ رہی اس وقت محسوس ہوا کہ حضرت کا اصرار غالباً

اسی بنا پر تھا۔

حضرت قبلہ مدظلہ نے ارض مقدس حجاز کے دو سفر کئے۔ پہلا سفر اوائل عمری میں اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے وصال کے تھوڑے عرصہ بعد بھی والدہ ماجدہ کے ہمراہ ہوا چونکہ والدہ ماجدہ نے بہ نیت ہجرت ارض مقدس حجاز کا ارادہ فرمایا تھا اس لئے عرصہ تک مدینہ طیبہ ہی میں قیام رہا۔ ابتدائی تعلیم ارض مقدس حجاز میں ہوئی جس کی وجہ سے عربی زبان میں گفتگو بے تکلف فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں ارض مقدس حجاز سے واپسی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب برادر معظم سید عثمان حسینی صاحب قبلہؒ کے ہمراہ بغرض زیارت بغداد شریف کی حاضری کا موقع ہوا تو بغداد شریف کے لوگ مجھے مدنی سمجھنے لگے۔ وہاں کے بعض اصحاب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ اہل مدینہ سے ہیں تو میں نے جواب دیا کہ نہیں! میں حیدرآبادی ہوں۔ میرے اس جواب پر ان کو یقین نہ آیا اور انہوں نے کہا کہ نہیں۔ ایسا نہ کہئے آپ کی زبان کہتی ہے کہ آپ اہل مدینہ سے ہیں۔ آپ نے دوسرا سفر ارض مقدس حجاز ۱۳۳۱ھ میں فرمایا جب کہ حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ مدینہ طیبہ ہی میں تشریف فرما تھے۔

حضرت قبلہ کی ابتدائی تعلیم جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ارض مقدس حجاز میں ہوئی۔ من بعد مدرسہ دارالعلوم سرکار عالی میں۔ اور اپنے عم محترم حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ و برادر مکرم حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی سے آپ نے تکمیل فرمائی۔

فن تجوید میں بھی حضرت کو حضرت سید عمر صاحب قبلہ سے تلمذ حاصل ہے۔

یعنے آپ کا یہ سلسلۂ امام القرا قاری تونسی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے بعض مجالس میں امام القرا نے آپ کی قرارت سماعت فرما کر اظہار خوشنودی فرمایا ہے۔

خوش نویسی وخطاطی میں نسخ ونستعلیق ہر دو سے واقف ہیں۔ اس فن میں حضرت کو مولوی ہاشم علیصاحب وحضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ سے تلمذ حاصل ہے۔ فن شاعری سے بھی خاص دلچسپی رکھتے ہیں ابتداءً اپنا کلام اپنے برادر معظم حضرت سید عثمان حسینی صاحب فائق قدس سرہٗ کو دکھلاتے رہے۔ آپ کے بعد امام الفن استاد جلیل وامام الکلام پہلوان سخن استاد ثاقب بدایونی کو دکھلاتے رہے۔ حاذق تخلص فرماتے ہیں۔ آپ کا منتخب کلام جمع کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ المستعان قریب میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔

خدمت خلق کے لئے حضرت قبلہ نے اپنی زندگی وقف فرما دی ہے صدہا حاجت مند بلالحاظ مذہب وملت اس در فیض پر حاضر ہوتے اور گل مقصود سے اپنا دامن بھر کر لے جاتے ہیں۔ روحانی وآسیبی معالجات کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ ہمدردی فرماتے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں نام ونمود سے سخت تنفر ہے امراء وعہدہ داروں سے زیادہ میل جول قطعاً پسند نہیں ان کے پاس کی دعوتوں میں بھی اکثر تشریف نہیں لے جاتے۔ سرکاری دعوت نامے بھی برابر آتے ہیں۔ مگر آپ نے بجز ایک مرتبہ کے کبھی شرکت نہیں فرمائی بہرحال معالجات، حالات، کیفیات میں وہی حضرت خواجہ محبوب اللہ کی شان نمایاں ہے ؎

یہی نقشہ ہے یہی رنگ ہے ساماں ہے یہی   یہ جو صورت ہے تری صورت جاناں ہے یہی

حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ رح کے بعد آپ ہی جانشین وصاحب سجادہ ہوئے۔اس وقت تمام خاندان میں آپ بزرگ سمجھے جاتے اور سب آپکا احترام کرتے ہیں حضرت کے چار صاحبزادے ایک صاحبزادی ہیں جن کی تفصیل مختصر شجرۂ خاندان سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

حضرت سید شاہ محمد باقر حسینی صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی

تیسرے صاحبزادے حضرت حکیم سید شاہ محمد باقر حسینی صاحب قادری مدظلہ ہیں حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے وصال کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ آپ کی بھی تمام تعلیم و تربیت آپ کے برادر معظم حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ رح کے زیر نگرانی ہوئی۔آپ بیعت اپنے والد ماجد قدس سرہٗ ہی سے ہیں۔

آپ نے اوائل عمر میں اپنے والدہ ماجدہ کے ہمراہ حج و زیارت کا شرف حاصل فرمایا۔اس وقت چونکہ والدہ محترمہ نے ہجرت کی نیت سے قصد حرمین شریفین فرمایا تھا۔اس لئے عرصہ تک ارض مقدس مدینہ طیبہ میں مقیم رہے۔بزمانۂ قیام آپکی ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی۔وہاں سے واپسی کے بعد مدرسۂ دارالعلوم سرکار عالی میں اور عم مکرم حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ اور برادر خسر حضرت محمد عبد القدیر صاحب صدیقی سے آپ نے تکمیل فرمائی۔آپ کو فن تاریخ سے خاص لگاؤ ہے۔ اور تاریخی معلومات بہت زیادہ ہیں۔جدید عربی سے بھی خوب واقف ہیں۔رسالہ النور ماہوار عرصہ تک آپ کے ہی زیر ادارت نکلتا تھا۔اس زمانہ میں اکثر بیرونی عربی اخبارات کا ترجمہ آپ خود ہی فرماتے تھے۔

طبیعت میں عزلت پسندی بہت ہے عام مجالس وغیرہ میں شرکت، عہدہ داروں سے میل جول زیادہ پسند نہیں۔ نام و نمود کے کاموں سے احتیاط فرماتے اور گوشہ نشینی ہی میں زندگی بسر فرمانا چاہتے ہیں۔ آسیبی معالجات میں بھی یدطولیٰ حاصل ہے۔ آپ پاس بھی کثرت سے لوگ رجوع ہوتے اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

آپ فن طب سے بھی واقف ہیں۔ طب کی تکمیل آپ نے حکیم ہری گوبند آنجہانی سے کی علاوہ طب یونانی کے آیور ویدک علاج سے بھی واقف ہیں۔ اکثر آپ کے معالجات کامیاب بھی رہے اچھے طبیب سمجھے جاتے ہیں۔

فن شاعری سے بھی لگاؤ ہے طارق تخلص فرماتے ہیں۔ اس فن میں آپ کو امام الکلام پہلوان سخن استاد ثاقب بدایونی سے تلمذ حاصل ہے۔

آپ سے سلسلۂ بیعت بھی جاری ہے۔

اس وقت آپ کے ایک صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں جن کی تفصیل مختصر شجرۂ خاندانی سے معلوم ہوگی۔

حضرت امۃ اللہ بیگم صاحبہ مرحومہ

ایک صاحبزادی امۃ اللہ بیگم صاحبہ (جن کی عمر حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے وصال کے وقت تخمیناً چار سال کی ہوگی) تھیں آپ کی تمام تعلیم و تربیت والدہ ماجدہ و برادر معظم حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی ہوئی حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی کے بڑے صاحبزادے

حضرت قاری عبدالعزیز صاحب صدیقی رحؒ سے صاحبزادی صاحبہ منسوب ہوئی تھیں لیکن شادی کے چار ماہ بعد ہی ۱۴ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۹ھ کو بعارضۂ طاعون اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔

آپ سے کوئی اولاد وغیرہ نہیں ہے۔

حضرت کے خلفاء

اب ہم چاہتے ہیں کہ ناظرین کرام کو حضرت کے خلفاء سے بھی واقف کرائیں جن سے حضرت کا فیض جاری ہے کیونکہ ع

اسی دریا سے یہ نہریں ہوئیں جاری ساری

تا معلوم ہو سکے کہ حضرت کے نور تربیت سے کس طرح یہ حضرات مالامال ہو کر آفتاب کی طرح چمک اٹھے کہ آج ان میں کے ہر ایک کو فلک معرفت کا آفتاب کہا جائے تو وہ اس کے مستحق ہیں۔ حضرت کے حالات دیکھنے سے یہ اندازہ ضرور ملا ہوگا کہ حضرت نے ہمیشہ اپنے کو گوشۂ گمنامی میں رکھنا چاہا، کسی کی مدحت سرائی پسند نہ کی، تعظیم و توقیر سے منع فرمایا، خود کو ایک معمولی حیثیت سے زیادہ ظاہر ہونے نہ دیا، اپنے کو چھپانے کی انتہائی کوشش فرمائی، باوجود اس کے قدرت نے آپ کو اسی طرح اجاگر کیا، آپ کے نام کا دنیا میں ڈنکہ بجادیا، آپ کی تعظیم و توقیر کا سکہ جمادیا، اس وقت نہ صرف دکن بلکہ دنیا پر آپ کے نام لیواؤں کے نام کا سکہ جما ہوا ہے ؎

جہاں میں دیکھو گھر گھر ہے دعائی میرے خواجہ کی

خدا بھی میرے خواجہ کا خدائی میرے خواجہ کی

حضرت کے دیکھنے والے، آپ کا نام لینے والے۔ اس وقت نہ صرف

دکن و ہند بلکہ شام، فلسطین، حجاز ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، دنیا میں آپ کے فیض کا دریا بہہ رہا ہے۔

حضرت کا رنگ خاص یعنے تحت امر رہنا، استغنا اور لومۃ لائم کی پروا نہ کرنا آپ کے تمام مریدین میں کم وبیش برابر جلوہ گر ہے۔

حضرت کے ہر ایک مرید میں عقیدت کی جو ایمان کا جزو ہے وہ کیفیت ہے کہ دوسروں میں مشکل دکھائی دیتی ہے۔

حضرت کے خلفا کے حالات و واقعات اگر جمع کئے جائیں تو ہر ایک کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے یہاں اتنی گنجائش تو نہیں کہ ہم اس قدر تفصیل کے ساتھ ان کے حالات پیش کر سکیں۔ البتہ بالاختصار ناظرین کو صرف یہ معلوم کرا دینا چاہتے ہیں کہ اس دریا سے کون کونسی نہریں جاری ہوئیں اور بس۔

حضرت کے خلفا میں ایک آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ ہیں جن کے حالات حسب صراحت صدر علیحدہ پیش کئے جا رہے ہیں۔

۲۔ حضرت سید احمد علی شاہ صاحب قبلہ قدس سرہٗ

آپ حضرت کے منجھلے برادر ہیں، آپ کو بیعت و خلافت حضرت ہی سے حاصل تھی۔ تمام تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی حضرت ہی سے ہوئی۔ آپ کو ابتدا ہی سے فنون سپہ گری سے خاص دلچسپی تھی، اس لئے طبیعت میں فطرۃً سپاہیانہ جوش تھا۔ خداداد قوت کے حامل تھے۔ اس جسمانی قوت کے ساتھ روحانی قوت مل کر دو آتشہ

کی صورت اختیار کر لی تھی آپ کی ضعیفی کے زمانہ میں بھی جب کبھی آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہوتی تو کوئی شخص آپ کو سنبھال نہ سکتا تھا۔

طبیعت میں سادگی بہت تھی، محبت کا رنگ زیادہ غالب تھا۔ عہدہ داران سے زیادہ میل جول کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اگر کوئی بات ناگوار خاطر گزرتی تو خواہ کوئی کیسی ہی شخصیت کا حامل کیوں نہ ہو فوراً اس کو ٹوک دیتے تھے۔

آپ کے کشف و کرامات کے بہت سے واقعات مشہور ہیں آپ کے مرید بھی بکثرت تھے۔ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ کو آپ واصل بحق ہوئے آپ کا مزار اولیا باغ میں متصل گنبد شریف حضرت مولانا میر شجاع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ واقع ہے۔ آپ کے بعد آپ کے چھوٹے بھیرے مولوی سید شاہ مسیح الدین صاحب قادری صاحبزادہ حضرت شائق علیہ الرحمہ آپ کے جانشین ہوئے۔

(۲) حضرت سید شاہ محمود مکی صاحب قبلہ قدس سرہٗ

آپ حضرت کے منجھلے برادر ہیں آپ کو بیعت و خلافت حضرت ہی سے تھی۔ تمام تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی آپ نے بھی حضرت ہی سے پائی۔ آپ میں بھی استغنائی کیفیت تھی اہل دنیا سے میل جول ناپسند تھا۔ تکلفات سے تنفر تھا اور طبیعت میں سادگی کے ساتھ وضعداری بہت تھی۔ جس کام کی آپ نے ابتدا فرمائی۔ اس کو آخر تک اسی طرح انجام دینے کی کوشش فرماتے رہے آپ نے حضرت کی خدمت بہت کی اکثر حضرت کے کاروبار آپ ہی سے متعلق رہتے تھے آپ کی قلبی کیفیت بھی بہت ممتاز تھی۔ اکثر مجالس میں آپ نظر کے اثر سے کام لیا

کرتے تھے آپ کے بھی کشف وکرامات کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

آپ کو آسیبی معالجات میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ صدہا حاجتمند آپ کے پاس رجوع ہوتے اور فیض یاب ہوتے تھے جس کی وجہ آپ کی اتنی شہرت ہوئی کہ محلہ آپ ہی کے نام یعنے "کوچہ کی میاں" سے موسوم ہے۔

آپ کے مریدین بھی بکثرت تھے۔ ۵ ر محرم الحرام ۱۳۲۵ھ کو آپ واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مزار حسینی ٹیکری پر نزد گلشن باغ واقع ہے۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ محمد مسعود صاحب قادری مدظلہ آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔

۴۔ حضرت سید شاہ محمد عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ

آپ حضرت کے چھوٹے برادر ہیں۔ آپ کو بھی بیعت وخلافت حضرت ہی سے ہے تمام تعلیم وتربیت حضرت کے ہی زیر نگرانی ہوئی۔ آپ بڑے متبحر عالم وفقیہ تھے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں قرآن مجید کی تفسیر موسوم بہ تفسیر قادری بزبان اردو آپ نے تحریر فرمائی ہے۔ جو پچھلے پندرہ پارہ تک طبع بھی ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں فرائض وتصوف وغیرہ میں متعدد رسائل آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔ آپ کے اخلاق بحد وسیع تھے ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کرتے ان کے برے وقت کام آتے اہل قرابت واہل محلہ کے ساتھ حسن سلوک دوست احباب مریدین کی خبر گیری فرماتے۔ خدمت خلق کا ہمیشہ خیال پیش نظر رہتا تھا۔

آپ کے وعظ بھی بہت خاص وپر اثر ہوتے تھے۔ جس کسی کو آپ کی محفل وعظ

میں شرکت کا موقع ملتا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ ہزاروں اصحاب تائب ہو کر صوم وصلواۃ کے پابند ہو گئے آپ کے وعظ کے متعلق عام طور پر مشہور رہے کہ جو شخص دل میں خیال کر کے جاتا کہ فلاں مسئلہ کے متعلق حضرت سے پوچھنا چاہئے تو آپ اپنے وعظ میں اس کی صراحت فرما دیا کرتے تھے۔

طبیعت میں استغنا بہت تھا مہاراجہ کشن پرشاد بدار المہام نے ملنے کی تمنا کی تو آپ نے انھیں اس کی اجازت نہ دی اور جواب میں لاسلام و لاکلام۔ فرمایا۔ آپ کے بھی کشف وکرامات کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ آپ کے مریدین ومعتقدین ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ ۱۹ رصفر ۱۳۳۰ھ کو بعارضۂ طاعون آپ واصل بحق ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری آپ کے جانشین ہوئے۔

آپ کا مزار قادری چمن میں نزد فلک نما واقع ہے۔

۵ حضرت شاہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت صاحب مدظلہ

آپ حضرت کے حقیقی بڑے بھانجے ہیں۔ بیعت وخلافت حضرت ہی سے ہے متبحر عالم ہیں ایک عرصہ تک عثمانیہ یونیورسٹی میں بحیثیت صدر شعبۂ دینیات آپ نے تفسیر، حدیث، وفقہ کی تعلیم دی علاوہ ازیں گھر پر بھی تشنگان علم کو سیراب فرماتے ہیں۔ آپ کے فیض صحبت سے ہزاروں مالا مال ہوئے۔ اور ہوتے رہتے ہیں۔ اس وقت آپ کے علمی پایہ کی بلدۂ حیدرآباد میں تو کیا ہندوستان

میں بھی نظیر ملنا دشوار ہے باوجود اس کے طبیعت میں سادگی واستغنا بہت ہے
تکلفات کو پسند نہیں فرماتے درویشانہ زندگی بسر فرماتے ہیں۔ اس وقت بلدہ کے ممتاز
بزرگ ہستیوں میں آپ کا شمار ہے۔

آپ نے مختلف فنون حدیث فقہ ادب تصوف اور کلام میں مختلف رسائل
تحریر فرمائے ہیں اردو میں قرآن مجید کی تفسیر فرما رہے ہیں جو ہر ماہ رسالہ درس القرآن
میں شائع ہورہی ہے

آپ کو فنون سپہ گری سے بھی خاص دلچسپی ہے۔ اور اس فن میں ید طولی حاصل
ہے۔ اس وقت اس فن میں بھی آپ کے ہزاروں شاگرد موجود ہیں آسیبی معالجات
بھی فرماتے ہیں۔

آپ کو شاعری سے بھی خاص لگاؤ ہے حسرت تخلص فرماتے ہیں۔ عربی فارسی
اردو ہندی ہر زبان میں آپ کا کلام موجود ہے۔ آپ کا کلام بھی خاص ہوتا ہے آپ کا
منتخب کلام شائع ہوچکا ہے۔ آپ کے مریدین بھی بکثرت ہیں۔

۶۔ حضرت شاہ محمد عبدالمقتدر صاحب صدیقی فضل مدظلہ

آپ بھی حضرت کے حقیقی چھوٹے بھانجے ہیں۔ حضرت سے ہی بیعت حاصل ہے
خلافت کے متعلق جو واقعہ آپ ہی سے مروی ہے اس کو من وعن نقل کردیا جاتا ہے

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت کے وصال سے چند روز قبل ایک دفعہ میں
حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر تھا بہت دیر تک حضرت کے سامنے
حاضر رہا اس کے بعد حضرت برخاست فرماکر دولت سرا میں تشریف

فرما ہوئے تو میں کسی کام کے تحت گھر چلا گیا میرے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ

حضرت مجھے خلافت عطا فرمانے کے خیال سے باہر برآمد ہوئے اور مجھے دریافت

فرمایا جب معلوم ہوا کہ میں حاضر نہیں ہوں تو یہ ارشاد فرماتے ہوئے کہ میں

ان کو خلافت دینا چاہتا تھا واپس تشریف لے گئے من بعد حضرت کی

علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس کی وجہ حضرت کے دست مبارک سے اسکی

تکمیل نہ ہوسکی۔ یہاں تک کہ حضرت نے پردہ فرمایا۔ حضرت کے پردہ فرمانے

کے بعد بذریعہ حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ۔ بر بنائے حکم باطنی اویسی

طریقہ سے خلافت حاصل ہوئی۔

آپ بھی متبحر عالم ہیں عثمانیہ یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر شعبۂ دینیات عرصہ تک

تفسیر حدیث فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ مکان پر بھی تشنگان علم کو سیراب فرماتے ہیں آپکو

بھی فن شاعری سے خاص لگاؤ ہے فضل تخلص فرماتے ہیں آپ کا کلام بھی خاص ہوتا

ہے۔ آپ کا ایک دیوان طبع ہو چکا ہے۔ آپ پاس بھی لوگ کثرت سے رجوع ہوتے ہیں

بہت سے غیر مسلم بھی آپ کے فیض صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ بلدہ کے ممتاز و بزرگ

ہستیوں میں سمجھے جاتے ہیں۔

آپ کی طبیعت میں سادگی کے ساتھ عزلت پسندی بہت ہے۔ عام مجالس وغیرہ

میں بہت کم شرکت فرماتے ہیں۔ آپ کے مرید بھی بکثرت ہی ہیں۔

۷۔ مولانا شاہ شرف الدین صاحب قادری

آپ کو بیعت و خلافت حضرت ہی سے ہے حضرت کی خدمت بہت فرمائی ہے

درویشانہ زندگی بسر فرماتے ہیں۔ آپ پاس آسیبی معالجات کا سلسلہ بھی رہتا ہے صدہا

حاجتمند آپ پاس رجوع ہوتے اور فیضیاب ہوتے ہیں آپ کو اپنے پیر سے خاص لگاؤ ہے ہر جا حضرت ہی کے تذکرے فرماتے رہتے ہیں۔ بہرحال خاص رنگ و کیفیت ہے آپکا وجود بھی مغتنمات سے ہے۔ آپ کے مریدین بھی بکثرت ہیں۔

۸۔ شاہ غلام محی الدین صاحب قادری رح

آپ مولنا شاہ شرف الدین صاحب کے بڑے بھائی تھے آپ کو بھی حضرت ہی سے بیعت و خلافت تھی بہت خاموش طبیعت اکثر اپنی دھن میں رہا کرتے تھے زیادہ میل جول پسند نہ تھا۔ باوجود خلافت کے بھی آپ نے کسی سے بیعت نہیں لی۔

۹۔ شاہ نظام الدین صاحب بیجاپوری

آپ کو بھی حضرت ہی سے بیعت و خلافت تھی۔ درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر زمانہ میں آپ نے ترک لباس بھی فرما دیا تھا۔ اپنا خاص رنگ رکھتے تھے آپ نے بہت کم بیعت لی تھی

۱۰۔ شاہ نور محمد صاحب مہاجر رح

آپ کو بھی حضرت ہی سے بیعت و خلافت تھی۔ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں اپنی زندگی بسر کی طبیعت کے فیاض و مہمان نواز تھے متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے کہیں سے کچھ آمدنی نہ تھی کہا جاتا ہے کہ بعض دفعہ دو دو چار چار روز کا بھی آپ پر فاقہ گزرا مگر جب پیسہ آیا تو پھر اسی روز آپ نے لوگوں کی خوب خاطر تواضع کرکے اس کو ختم کر دیا کبھی کچھ رکھ چھوڑا نہیں سینکڑوں بیمار آپ پاس آتے تو آپ امشی امشی کہکر ہاتھ سے مار دیا کرتے جس کے ساتھ ہی صحت ہو جاتی۔ تمام اہل مدینہ آپ کو بزرگ سمجھتے اور آپ کا احترام کرتے تھے۔ آپ سے بھی سلسلہ بیعت جاری رہا

حصۂ دوم

حضرت محبوب اللہؒ کی شاعری

از

حضرت مولانا سید شاہ محمد صدیق صاحب محمودی رحمہ

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت محبوب اللہ کی شاعری

(تمہید)

میں حضرت کی شاعری پر اظہار خیالات ناقص کے لئے اشعار کا انتخاب اور کچھ نوٹس جمع کر رہا تھا۔ کہ اس کو دیکھ کر، جیسا کہ بعض طبائع کا خاصہ ہے، میرے ایک شناسا نے یہ اعتراض جڑ دیا کہ "اہل اللہ کو آخر شاعری (جسمیں حقیقت سے زیادہ مجاز کو دخل ہے)، کی ضرورت ہی کیا ہے اور کیوں وہ اس طرح اپنے گراں قیمت وقت کو صرف کرتے ہیں" گو اس وقت انھیں "ما لھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق" سے دندان شکن جواب دیدیا گیا مگر خود میرے دل میں اسکی وجہ سے ایک کاوش سی پیدا ہوگئی مگر جتنا جتنا غور کرتا گیا یہ حقیقت واضح ہوتی گئی کہ فی الحقیقت انھیں لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اور اس وقت ہماری اردو شاعری کی جو درگت بنی ہے۔ اس کی حقیقی وجہ یہی ہے کہ شاعری اپنے مرکز سے ہٹ گئی ہے لھذا ایسے لوگوں کے ہاتھ میں جا پڑی جو ان اعلیٰ صفات سے جو شاعری کی روح ہیں، عاری، اور ان کیفیات سے جو حقیقی شاعری کی بنیاد ہیں خالی ہوتے ہیں۔

اس اعتراض کے بعد دوسرا اعتراض جو میرے خوش عقیدہ مگر عقلیت کی گتھیوں میں، الجھے ہوئے دوست نے کیا۔ یہ تھا۔ کہ "جس طرح دو نقطوں کے درمیان خط مستقیم صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور باقی جتنے خطوط ہوں گے۔ گو ان میں اختلاف کم و بیش ہو۔ لیکن وہ سارے کے سارے منحنی ہی ہوں گے۔ اسی طرح انسان اور شاعری کے درمیان بھی ایک ہی خط مستقیم ہونا چاہئے

دوسرے شعرا کو چھوڑ دیئے۔ گویا جو رازداران قدرت ہیں ان کی شاعری میں تو باہم یہ اختلاف اور ناہمواری نہ ہوتی۔"

بالآخر ان کے اور میرے مباحثہ سے ہم دونوں پر یہ بات واضح ہوگئی۔ کہ جس طرح مختلف انبیا، کو مخاطب اقوام کے اذہان اور ضروریات زمانہ کے مد نظر اوقات مختلفہ میں جدا معجزے اور الگ الگ شریعتیں دی گئیں۔ بالکل یہی حال اولیا کے قویٰ اور طرز تخاطب کا رہا ہے تو پھر شاعری اس سے کیسے مستثنیٰ رہ سکتی تھی۔

ہندوستان میں مسلمان فاتحانہ شان و شوکت سے داخل ہوئے، اور ایک عرصہ تک جو زبان اپنے ساتھ لائے تھے، وہی بولتے رہتے ہیں۔ یہاں ضروریات زمانہ کی مناسبت سے خسرو (۱۲ ـــہ) بیدل، مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۲ـــہ تا ۱۱۹۲ـــہ) اور نیاز وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور اپنا اپنا کام کر جاتے ہیں۔

ہندوستان میں درود یہاں کی آب و ہوا، اور اس ملک کی قوموں سے میل جول کا نتیجہ جو قدرتاً مرتب ہونا چاہیئے تھا، وہ ہوا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان یہاں ایک نئی زبان کے مالک بن بیٹھے۔ اور ان کے دماغوں اور ذہنوں کے لئے وہ سارا سرمایہ درکار ہوا۔ جو ایک زبان اور اس کے بولنے والوں کے لئے ضروری ہے۔ اور ہر ایک طبقہ نے اپنے اپنے کام کی ابتدا کر دی۔ اور شاعری نے بھی اپنی داغ بیل ڈالنا شروع کر دیا۔ یہ زمانہ کا خاصہ ہے کہ ایک ایک دور میں ایک نئی چیز اسے مرغوب اور ایک جدا کیفیت اس کی مطلوب رہتی ہے مگر حقیقتیں اور صداقتیں اپنی جگہ اٹل رہتی ہیں۔ اور ابنائے زمانہ اسی رنگ و کیفیت میں ان کی یکجائی اور فراہمی میں منہمک رہتے ہیں۔

شاعری میں بھی یہی ہوا، اور ہوتا رہے گا۔ چنانچہ کسی زمانہ میں واردات قلبیہ کو ترجیح

دی گئی۔ تو کسی زمانہ میں بلندیٔ مضامین کو کسی وقت صفائی زبان سے لطف اندوزی کا جنون رہا تو کبھی معاملہ بندی کا خبط۔ کسی نے صنائع و بدائع کو ترجیح دی، تو کوئی محاورات وضرب الامثال کو اشعار میں باندھنا مستحسن خیال کرتا رہا۔

غرض ابنائے زمانہ کے ساتھ مختلف زبانوں میں اس زمانہ کی خصوصیات کو لے کر اور اس کے غیر مشروع اور ناروا حصے کو حذف کر کے مردان خدا بھی اپنا اپنا کام کرتے رہے۔ اردو شاعری کا ابتدائی دور ولی (۱۰۵۳ تا ۱۱۵۵ھ) اور انکے معاصرین کا زمانہ، جس میں شعر کی بنیاد صرف ایہام پر رکھی جاتی تھی۔ اس میں بھی مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۲ تا ۱۱۹۴ھ) شاہ مبارک آبرو (۱۱۶۱ھ) شاہ حاتم (سنہ ۱۱۱۷ تا سنہ ۱۱۹۷) اس دور کے خصوصیات کے ساتھ گم کردہ راہوں کو مشعل دکھاتے رہے۔ دوسرے دور میں جب کہ میر (سنہ ۱۱۲۵ھ تا سنہ ۱۲۲۵ھ) و سودا (سنہ ۱۱۲۵ھ تا سنہ ۱۱۹۵ھ) جیسے شعرا پیدا ہو چکے تھے۔ خواجہ میر درد (سنہ ۱۱۳۳ تا سنہ ۱۱۹۹) اور ان کے بھائی خواجہ میر اثر (سنہ ۱۲۰۵) مولانا فخر کے خلفا میر محمدی بیدار (سنہ ۱۲۰۹ھ) خواجہ احسن اللہ بیان (سنہ ۱۲۲۳ھ) انھیں کے پہلو بہ پہلو گرداب مجاز میں پھنس جانے والوں کے لئے خضر کا کام کرتے رہے۔

اس کے بعد بقول صاحب شعر الہند (جلد دوم ص ۲۲۵)

”تیسرے دور میں شاعری فقر و تصوف کے آغوش سے نکل کر امراء و رؤسا کے دامن میں پرورش پانے لگی اگرچہ اس دور میں بھی گوشہ نشین مصحفی نے قدما کی اس یادگار کو محفوظ رکھا تاہم عام طور پر صوفیانہ شاعری کی ترقی رک گئی اور انشا و جرأت کے خارج از آہنگ نغموں نے اس کو بالکل پست کر دیا۔“

یوں تو تیسرے دور ہی سے اردو شاعری کے دو مرکز دلی اور لکھنو ہو گئے تھے مگر چوتھے دور میں اس کے اثرات نمایاں اور واضح ہو گئے۔ سرزمین لکھنو کی آب و ہوا اور تمدن کی رنگینی وغیرہ کی وجہ سے اردو شاعری ایک نئے قالب معاملہ بندی، بول چال صنائع، بدائع اور نزاکت خیال میں ڈھلنے لگی۔ اور شاعری اپنی اصلی روح سے ایک بڑی حد تک خالی ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ جس شاعر کو شاہی درباروں اور امراء و رؤسا سے جتنا بعد رہا۔ اتنی ہی اس کی شاعری درد و سوز و گداز سے پر اور شعر میں شاعری کی اصل روح زیادہ رہی۔

دیکھ لیجئے۔ سودا (م ۱۱۹۵ھ) سے درد (م ۱۱۹۹ھ) و میر (م ۱۲۲۵ھ) کے تغزل میں جرات (م ۱۲۲۵ھ) و انشا کے مقابلہ میں مصحفی (۱۱۶۴ھ تا ۱۲۴۰ھ) و سوز (م ۱۲۱۳ھ) کے کلام میں ذوق (۱۲۰۴ھ تا ۱۲۷۱ھ) کی بہ نسبت مومن (۱۲۱۵ھ تا ۱۲۶۸ھ) غالب (۱۲۱۱ھ تا ۱۲۸۵ھ) کے اشعار میں داغ (۱۲۴۷ھ تا ۱۳۲۳ھ) و امیر (۱۲۴۳ھ تا ۱۳۱۸ھ) سے زیادہ حالی (۱۲۵۳ھ تا ۱۳۳۳ھ) و اقبال (۱۲۹۴ھ تا ۱۳۵۷ھ) کے کلام میں درد کی فراوانی اور سوز و گداز کی بہتات ملے گی۔

غرض یہ کہ شاعری کا درخت فقر و فاقہ ہی کی سرزمین میں کچھ سوا پھلتا پھولتا ہے۔ گو اہل فقر کو بھی اپنے دور کی خصوصیات کا قدرۃً لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ مگر یہاں زمانہ کی ہر رنگ شاعری بھی فقر و تصوف کی چھلنی میں صاف ستھری ہو کر رہتی ہے۔

ہمارا دکن بھی ہندوستان سے باہر نہ تھا۔ وہ تمام تغیرات جو شمالی ہند پر ہو رہے تھے اس سے سرزمین دکن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔ لکھنو میں شاعری کا آخری دور جسمیں صنائع و بدائع پر ساری ہمتیں صرف ہوتی تھیں جس کو امانت (م ۱۲۳۳ھ تا ۱۲۷۵ھ) نے ضلع جگت کے

انتہائی نقطہ پر پہنچا دیا۔ سنگلاخ زمین جن کو شاہ نصیر (۱۲۵۴ھ) اپنے ساتھ لے کر چندو لال شاداں کی دعوت پر دکن میں آئے۔ یہی رنگ حیدرآباد کی فضا پر ایک عرصہ تک چھایا ہوا رہا۔

اور تقریباً اسی زمانہ کے آخری دور میں حضرت کی شاعری کی ابتدا ہوتی ہے یا پھر اسکے بعد داغ (۱۳۲۲ھ) و امیر (۱۲۴۴ھ تا ۱۳۱۸ھ) اور انکے معاصرین کی شاعری کی شہرت ہوتی ہے اور یہی رنگ زمانے کے پسند خاطر ہوجاتا ہے۔ یہ حضرت کی شاعری کا آخری دور ہے جس طرح ایک طبیب حاذق کو مریضوں کے طبائع موسم کے تغیرات اور ملک و ماحول کے اثرات کا لحاظ ضروری ہے اور ادویہ میں اسی طرح کا مناسب تغیر لابدی ہے۔ اسی طرح روحانی اطبا بھی مریضوں کی طبیعت اور ماحول کا خیال رکھ کر مرغوبات زمانہ کی شکر میں (مضر اجزاء سے پاک کر کے) لپیٹ کر کونین استعمال کرواتے رہتے ہیں۔

اسی مناسبت سے حضرت کی شاعری پانچ علحدہ عنوانات کے تحت پیش کی جائے گی اول صوفیانہ شاعری۔ دوم عاشقانہ کلام۔ سوم صفائی زبان۔ چہارم۔ صنائع و بدائع۔ پنجم سنگلاخ زمینیں۔

صوفیانہ شاعری

چونکہ اردو شاعری فارسی شاعری کے زیر اثر شروع ہوئی۔ اس لئے تقریباً دور اول ہی سے غزل میں تصوف کے مسائل باندھنے کا رواج چل پڑا تھا۔ گو شاعر کو اس سے ذرہ برابر بھی مناسبت نہ ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ جس ملک کی صورت ہی نہ دیکھی ہو۔ کوئی اس کا جغرافیہ۔ رسم و رواج حالات و کیفیات لکھنے بیٹھے۔ تو دوسرے سیاحوں کی تحریرات پر جنہوں نے بچشم خود اسے دیکھا ہے اکتفا کرنی پڑے گی۔ اور اگر کسی نے جرأت کر کے قرائن سے مدد لیکر

کچھ اضافہ کرنا چاہا تو ایسے قیاسی گھوڑے دوڑانے والے کو قدم قدم پر ٹھوکریں کھانی پڑیں گی۔ اور یقیناً اس ملک کا نہیں بلکہ اپنی ذہنی اقلیم کا جغرافیہ تیار کر دے گا۔

مانا کہ لکھنے والے کو ادائے مطلب پر پوری قدرت حاصل ہے۔ مگر ایسا مشاق ان کیفیات کو کس طرح پا سکے گا۔ جن کا اس کے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی گزر نہ ہوا ہو۔ بدیہی بات ہے کہ وہ حالات یا تو کسی ایسے ملک کے ہوں گے جسے اس نے دیکھا ہے۔ اور اپنے ذہنی مغالطہ سے دوسری سرزمین خیال کر رہا ہے۔ یا وہ ایسا خطہ ہوگا جس کا وجود بجز اس کے عالم وہم کے اور کہیں نہ ہو۔ یہی کیفیت اردو کی صوفیانہ شاعری کی ہوئی۔ کہ جو واردات بعض اہل اللہ نے اپنے اشعار میں یا اور دوسری تحریرات میں پیش کی تھیں۔ وہی ان دوسرے شعراء کا سرمایہ رہا۔ یا کہیں اپنے حدود سے آگے قدم بڑھایا۔ تو ایسی ٹھوکر کھائی۔ کہ وہ تصوف نہیں بلکہ سراسر الحاد ہو گیا ؎

زاہد گمراہ کے کس طرح میں ہمراہ ہوں
وہ کہے اللہ ہو۔ اور میں کہوں اللہ ہوں (ذوق)

ذوق کی (۱۲۰۴ھ تا ۱۲۷۱ھ) قدرت سخن سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہی وہ تصوف ہے۔ جس کی تعلیم اسلام اور صوفیہ نے فرمائی؟

حقیقت تو یہ ہے۔ کہ حضرت کے اس حصہ شاعری پر قلم اٹھاتے ہوئے مجھے بھی اس لئے ڈر معلوم ہو رہا ہے۔ کہ میرے لئے بھی یقیناً یہ ایک نئی دنیا ہے۔ جس کے دیکھنے والوں کی صورت دیکھ لینے کے سوا میں نے اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔

میں تو اپنے عقیدہ کے مطابق یہی سمجھتا ہوں کہ وہی تصوف حقیقی تصوف ہے جس کی شریعت ظاہرہ سے (بجز فرق مراتب کے) کسی طرح مخالفت نہ ہو۔

عام طور پر اردو اور فارسی شاعری میں (باستثناء اہل اللہ) جہاں صوفیانہ مضامین

باندھے گئے ہیں وہاں ہر پھر کر وہی وحدۃ الوجود کا مسئلہ رہا ہے۔ جس کی تکرار ہوتی رہی ہے گویا تصوف کا سارا سرمایہ یہی ہے۔ اور یہاں بجز اس کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ آپ نے ذوق کا شعر ابھی ملاحظہ فرمایا۔ وہ یہاں بھی اپنی شاعرانہ طنز و تعلی میں مصروف ہیں۔ چونکہ خود ان کی انانیت مٹی نہیں تھی۔ وحدۃ الوجود جیسے مسئلہ کے بیان کرتے وقت بھی طعن و تشنیع اور فخر و مباہات کو نہ چھوڑا۔

اسی مضمون کو وہ صوفی جس کے یمین سے شریعت اور یسار سے طریقت کے دریا بہتے ہیں۔ اور جو رشد و ہدایت کے لئے ہی آیا ہے۔ ادا فرماتا ہے۔ پہلے حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) کے قول "ھوان یمیتك بالحق ویحییك به" کو ذہن نشین کر لیجئے۔

زاہد ناداں نہ کھو بیٹھے تو جب تک آپ کو
جائے تجھ کو اس مقام پاک میں بس مل چکی

الفاظ کیسے جنچے تلے۔ مفہوم کتنا صاف ہے۔ لفظ مقام نے شعر کو حدود شریعت سے سر مو تجاوز نہ کرنے دیا۔ اور کہا گیا ہے وہی جو حقیقت میں کہنا تھا۔ ذوق کی طرز مخاطبت بھی دیکھی ہے۔ اس انداز تخاطب پر بھی غور کیجئے۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ ان کا مقصود فقط لعنت و ملامت ہے اور یہاں رشد و ہدایت۔ وہ زاہد کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ اور آپ زاہد بلا عرفان کی وجہ سے ناداں۔ وہ اس گمراہ کی ہمراہی سے بھی متنفر۔ اور آپ اس ناداں کو صحیح راستہ بتلانے کے متمنی۔ وہ "انا اللہ ہوں" کہنے کو راہ راست سمجھے ہوئے ہیں۔ اور آپ ہستی "کھو بیٹھے" کو۔

الکل فی الکل۔ کائنات کا ہر ذرہ اپنے میں کائنات رکھتا ہے۔ ابھی تو ناقص عقل انسانی کی دست رس یہاں تک نہیں ہوئی۔ مگر پھر بھی جہاں تک پہنچ ہوئی ہے۔

اسی کے شواہد ملتے ہیں۔

انسان کی صفات و اخلاق کا پتہ اس کے خط و خال سے، خطوط کف دست کے جال سے، اس کے کاسہ و سر کی ساخت سے، نشست و برخاست سے۔ اس کی گفتار سے، اس کی رفتار سے چل جاتا ہے۔ اس کی ذات اس کی تصانیف سے عیاں ہوتی ہے۔ اس کی صفات اس کی تقاریر سے نمایاں ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ خط اور دستخط کے داخ میں، سکوت اور خاموشی کے نہج میں۔ یہ تو وہ چیزیں ہیں جن کے قواعد منضبط کر لئے گئے ہیں۔ اور اس کے ماہرین اس سے حرف بحرف درست رائے قائم بھی کر لیتے ہیں۔ اور ہزار در ہزار چیزیں باقی ہیں جن کے متعلق تحقیقات رہتی دنیا تک ہوتی رہنگی۔

شعر بھی منجملہ ان چیزوں کے ہے۔ جن میں انسان کی ذات صاف ہویدا ہو جاتی ہے۔ اس سے قبل آپنے ذوق کا شعر بھی ملاحظہ فرمایا اور حضرت کا بھی اب ایک دوسرا شعر بھی دیکھئے۔ جس میں رہبری و رہنمائی کی صفات، ارشد و ہدایت کی برکات، ایسے سیدھے سادے الفاظ میں پائیں گے، جیسی حضرت کی زندگی تھی۔

راہ سیدھی ہے یہی منزل کی
اپنی ہستی سے گزر جائے آپ

معلوم یہی ہوتا ہے کہ "دع نفسك وتعال" کہنے والی ذات ہندی گم گشتگان راہ کے لئے۔ اردو میں خطاب فرما رہی ہے۔

ایک سالک کو رہبر کامل ہستی کے مٹا دینے کی تعلیم دیتے ہوئے اس کے ذہنی شکوک کو جو معدوم ہو جانے کے خوف سے پیدا ہوتے تھے۔ یوں رفع کرتا ہے۔ اور اسکو اپنی واضح مثال پیش کرکے سمجھاتا ہے کہ:۔

ہے حقیقت بقا ہر اک شے کی
نیستی میری عین ہستی ہے

جو لوہا پارس کے اثر سے طلائے خالص بن گیا ہو، اسے کوئی چیز زنگ آلود نہیں کر سکتی، جو اپنے وجود کو فنا کر دے، اور ذات باقی کے ساتھ بقائے دوام حاصل کرلے وہ کب مٹ سکتا ہے؟ مٹیں گے وہ جو جسم عنصری رکھتے ہوں۔ زنگ آلود ہوگا وہ جو لوہا ہوگا۔

چار دیوار عناصر میں جو رہتا ہے بھنا
اس کو ہر دم خطر سیل فنا رہتا ہے

صوفی کی سب سے اہم صفت بقول حضرت عمر بن عثمان المکی (۲۹۱ھ) ان

یکون العبد فی کل وقت مشغولاً بما ھو اولیٰ بہ فی الوقت۔

(تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اسی کام میں مشغول ہو جو اس وقت کے لئے سب سے بہتر ہو، ہر موقع پر اس کے مناسب امور کی انجام دہی ایسی ہی فرض ہے۔ جیسے اپنے وقت پر نماز۔ اور ہر آن ایک نئی دنیا ہے۔ اگر کسی نے ایک گھڑی کھودی تو یقیناً اس نے ایک حصہ عمر گنوا دیا۔

دنیا میں ہو جو ہاتھ سے کر لو حباب خلق
دیکھو قضا نماز نہ ہو وقت تنگ ہے

وہ چھوٹے چھوٹے امور اپنے محل و موقع پر جنھیں دوسرے خاطر میں بھی نہیں لاتے اور تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور خیال کرتے ہیں۔ اس کے لئے جو مراقبہ الاحوال لزوم الادب (حالات کو بغور دیکھتے رہنا۔ اور ہر چیز کے ادب کو لازمی سمجھنے ہی کو

تصوف سمجھتا ہو۔ بڑی بڑی مستحکم زنجیروں سے بھی قوی ہیں۔ اوران کیفیات کے پیش نظر ہوتے ہوئے اپنے آپ کو بالکل مجبور پاتا ہے۔

تار دامن سے میں دیوانہ ہوں زنجیر بپا
اور کیا پوچھتے ہو حال توانائی کا

ان امور کی جانچ کہ کونسی چیز کس وقت اہمیت رکھتی ہے۔ اور کونسا کام کس موقع پر ہونا چاہئے کچھ آسان نہیں۔ سالک جب اپنی نفسانی خواہشوں کو ایسا ہی جھٹک کر الگ کردیتا ہے۔ جیسا کہ سانپ کینچلی کو، تو پھر اس کا قلب ہی اس کا بہترین فیصلہ کرسکتا ہے "الھمھا فجورھا و تقوٰھا" کے آفتاب سے ہوا و ہوس کی کثافتیں پاک ہوجاتی ہیں۔ اور گھڑی کی سوئی کی طرح خود اس کا دل بتانے لگتا ہے۔ کہ اب کونسا وقت ہے اور کیا کرنا ہے۔

ہر گھڑی حکم پہ جو دل کے رہا کرتا ہے
قید سے اس کے سب اوقات نکل جاتے ہیں

پ ۱۵ ، بنی اسرائیل

صوفیہ کے پاس "اقرا کتابک کفیٰ بنفسک الیوم حسیبا" (اپنی کتاب پڑھ خود تیری ذات اپنے محاسبہ کے لئے کافی ہے) کے معنی علاوہ محاسبہ قیامت کی طرف اشارہ کے یہی ہیں۔

جنگ ہفتاد و دو ملت بالائے طاق خود مسلک حق میں ایسے کتنے مسائل ہیں۔

جن میں بڑے بڑے فقہا و علما مختلف الخیال ہیں۔ اور آئے دن ایسی کتنی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں جنھیں مفتیان شرع متین کو خود اجتہاد کی ضرورت در پیش ہوتی

رہتی ہے اور طریق طریقت جس میں ہر امر اپنے موقع پر فرض عین اور واجب لذاتہٖ کا درجہ رکھتا ہے۔ ان جھمیلوں سے اگر رہائی ہو سکتی ہے تو صرف دل کے فتوے پر کلام اللہ میں بیسیوں مقامات پر "وعملوا الصلحت" کی تکرار فرمائی گئی ہے اور عمل صالح ہے وہی جو احکام شرع کے تحت محل و موقع کے مناسب ہو۔

حقیقت میں ایسے کتنے فعل ہیں جو مناسبت مقام کے لحاظ سے مستحب سنت واجب اور فرض ہوتے ہیں۔ اور وہی فعل جب بے موقع اور بے محل ہوتے ہیں تو، مکروہ بدعت۔ ناجائز۔ حرام بلکہ کفر و شرک تک منجر ہوتے ہیں۔

اور جب تمام اعمال صالحہ کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور بغیر نیت کی درستی کے پہلے تو کسی اچھے کام کا ہونا ہی دشوار، ہو بھی تو لوگوں کے خیال سے، نمائش کے لئے، ریا و سمعہ کے طور پر، طاعت نہیں معصیت ہے۔ اور ایسی معصیت جس کے ساتھ منافقت اور وہ منافقت جو شرک کے لگ بھگ ہے۔ پیدا ہونے لگتی ہے۔ اس لئے فرمایا ہے استفت قلبک وان افتوک (طبرانی) اس شکل میں یقیناً اجتہاد صحیح پر دوش نیکیاں اور اجتہاد غلط پر بھی بشرط خلوص نیت ایک نیکی ضرور ملے گی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اے خلق دل سے پوچھئے جو پوچھنا اگر
رکھئے اٹھا کے طاق میں جھگڑا کتاب کا۔

کہتے ہیں تصوف کے اہم ترین مقامات میں سے ایک مقام رضا و تسلیم ہے۔ بلکہ بعض شیوخ نے تو اس کی اتنی اہمیت جتلائی ہے کہ سرتا سر اسی کو تصوف فرمایا ہے "سئل عن رویم عن التصوف فقال استرسال مع اللہ علیٰ ما یرید۔" (یعنے حضرت ابو محمد رویم (م ۳۰۳ھ) سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا چیز ہے

فرمایا نفس کو مرضی الٰہی پر چھوڑ دینا) یہ بات واضح ہے کہ ناچیز و بے بس انسان اپنے آپ کو رضائے مولیٰ پر چھوڑ نہ دے تو کر ہی کیا سکتا ہے۔ مگر ایک صوفی اور غیر صوفی میں فرق اتنا ہی ہے کہ اسکی نظر ابتدا ہی سے اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر ہوتی ہے۔ وجہ و علت پر نہیں علت العلل پر جمی رہتی ہے۔ اس کے ہر فیصلہ پر تسلیم خم ہوتا ہے اور دل سے سمجھتا ہے کہ اسی میں اس کی بہتری ہے۔

تری ہر ایک ادا پر دل ہے قربان

ترے صدقے بگاڑا یا بنایا

حضرت ممشاد دینوری کا (۲۹۹ھ) قول مشہور ہے "کہ تصوف صفائے اسرار است و عمل کردن بدانچہ رضائے جبار است وصحبت داشتن با خلق بے اختیار"۔ کہنے کو تو یہ ساری باتیں آسان ہیں۔ مگر اس کی کیفیات وہی جان سکتا ہے جس پر بیتے۔ اسی کی اہمیت کے مدنظر غوث الاعظم سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (۴۷۱ھ تا ۵۶۲ھ) نے فرمایا ہے "وکن کالمیت فی ید الغسال" رضائے الٰہی کے آگے صوفی کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جیسے غسال کے ہاتھ میں میت یہی شراب شاعری کی بھٹی سے دو آتشہ ہو کر نکلتی ہے۔ دیکھئے کتنی تیز ہے۔

گر ہوش میں لاتے ہیں تو آ جا

دیوانہ بناتے ہیں تو بن جا

جب طالب حق اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے عسرت عشرت سے آلام آرام سے بدل جاتے ہیں۔ اور وہ مقام حاصل ہوتا ہے۔ جس کو کلام پاک درجۂ تقریب فرماتا ہے۔ "وفاما ان کان من المقربین فروح وریحان"

پارہ ۲۷ واقعہ ۳

۔مرشد مرشدان حضرت ابوبکر شبلی (۳۳۴ھ) سے کسی نے تصوف کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا "التصوف جلوس مع اللہ بلا ھم"۔ (تصوف رضائے مولیٰ پر بے ارادہ ہو کر قائم رہنے کا نام ہے) اس مضمون کو شعر کے قالب میں ملاحظہ فرمایئے اسکی تشبیہات و صنائع مزید براں ہیں۔

تیغ سر پر جو لگی ہو گئی سرپیچ بجھے
وار آیا جو گلے پر اسے مالا سمجھا۔

فاعل حقیقی تو وہی "فعال لما یرید" ہے اور ساری مخلوق تو کاٹ کی پتلیاں ہیں بازیگر جس طرح نچاتا ہے بس اسی طرح ناچتی رہتی ہیں۔ یہ سب کچھ زبان سے کہدینا آسان۔ مگر قلب کی گہرائیوں سے اس صدا کا اٹھنا دشوار ہے۔ حضرت موسیٰ اور ساحروں کے مقابلہ کو یاد کیجئے۔ ادھر معمولی سحر پر بھی وہ اعتماد ہے۔ گویا اس کا رد ہی نہیں۔ اور ادہر باوجود وعدہ نصرت ملحاظ فی امر چونکہ اپنا عمل تھا۔ "فاوجس منھم خیفہ" حالت یہ ہے کہ ایک رنگ آرہا ہے۔ اور ایک رنگ جارہا ہے۔ یہی خیال کہ وہ بے نیاز ہے اور میں ہیچ۔ صوفیہ انبیاء ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

کچھ نہیں اپنے عمل پر اعتماد
ہے سخن تکیہ یہ ہر دم کیا کریں

مخلوق تو صرف پردہ ہے اس پردہ کے پیچھے کرنے والا تو وہی حکیم و قدیر ہے پھر مخلوق کی کسی حرکت پر جزع و فزع غیظ و غضب۔ آخر کیا معنی رکھتا ہے۔ راستہ میں ایک پتھر پڑا ہوا ہو۔ اور کوئی اس سے ٹھوکر کھا کر اسے پیٹنے لگے تو آپ

اس کو کیا کہیں گے؟

کانٹا پاؤں میں چبھ جانے پر کوئی اسے کوسے اور گالیاں دینے لگے تو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہوگا؟ یہ بالکل درست اور بجا کہ وہ پتھر اور کانٹا راستہ میں رہنے کے قابل نہیں وہاں سے ہٹا دینا چاہئے۔ اور ضرور ہٹا دینا چاہئے۔ مگر اس سے نفرت و تنفض حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ بلکہ عقل سلیم ہو تو انسان سمجھے کہ وہ پتھر اس کو غفلت سے روک رہا ہے۔ اور کانٹا بے راہ روی پر ٹوک رہا ہے۔ غلطی خود اس کی ہے کہ وہ کیوں ایسا ہوا۔ اس سے سبق حاصل کرے۔ اور اپنی اس کمزوری کو رفع کرے۔ لقمان را پرسید ند ادب از کہ آموختی گفت از بے ادباں"! ہمیں ہماری غلطی پر ہوشیار کرنے والا قابل ملامت نہیں مستحق شکریہ ہے۔ مگر اس درجہ کی عقل "الفت حقیقی" ہی میں حاصل ہو سکتی ہے۔ جب خودی مٹ جائے۔ ہماری انانیت، ہمارا جہل مرکب غلطی کو غلطی ہی کب سمجھنے دیتا ہے۔ مگر مقربان بارگاہ کی حالت بالکل اس کے برعکس ہے۔

اے بہی قدر تری الفت نے یہ بخشی تاثیر
کوئی ٹیڑھا بھی ہوا مجھ سے تو سیدھا سمجھا

حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ) فرماتے ہیں "التصوف ذکر مع اجتماع ووجد مع استماع وعمل مع اتباع" حضرت نے کوزے میں دریا کو بند کیا ہے۔ اور یہ سب قرآن و حدیث کا خلاصہ ہے۔ اس قول میں سلوک کے تین درجے۔ ابتدائی۔ درمیانی اور انتہائی بیان فرمائے ہیں۔

پہلا ذکر مع اجتماع" یعنے حضور قلب کے ساتھ ذکر الٰہی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ

کلام اللہ کی کتنی آیتوں کا محور ہے "اذکر ربک تضرع وخیفہ۔ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ یہی ایک چیز تو تصوف ہی کی نہیں بلکہ سارے مذاہب کی جان سلوک کی بنیاد شریعت کی روح رواں طریقت کا اصل مغز، اور معرفت کے انتہائی مدارج کا زینہ ہے۔ اگر اس پر کسی کو مداومت حاصل ہوگئی، اور جمعیت قلب کے ساتھ حاصل ہوئی تو کونسی چیز ہے جو اسے حاصل نہیں۔ اس ابتدائی درجہ کی جتنی جتنی تکمیل ہوگی۔ انتہائی مدارج کی تحصیل ہوگی۔ اسی سے لطف اندوزی۔ دنیا کے سارے لذائذ سے مستغنی کر دیتی ہے۔ اور تکالیف جہاں سے ایسی بے خبر کہ جسم میں دھنسے ہوئے تیر کے نکال لئے جانے سے بھی کوئی اذیت محسوس نہیں ہوتی۔ یہی فنائیت کے آخری مدارج پر پہنچا کر حیات جاودانی عطا کرتی ہے۔ سچ فرمایا ہے۔

دم یاد میں گزار کہ عیش ابد ہے یہ
تار نفس کے سامنے چنگ ورباب کیا

انفاس کی موسیقی، ابدی موسیقی ہے۔ اس میں گم ہونا صوت سرمدی سناتا ہے اور پاس انفاس کا کمال انتہا تک فنائیت کے درجہ پر پہنچاتا ہے۔ گویا اسی کی ابتدا، ابتدائے سلوک اور اسی کی انتہا انتہائے عرفان ہے۔

دوسری چیز وہ وجد مع استماع "(محبوب کا ذکر سن کر رو پڑنا) اس میں خاصان خدا کی وہ کیفیت پیش فرمائی گئی ہے۔ جسے زبان وحی نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ "واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق۔" (جب وہ رسول کی طرف نازل شدہ آیات سنتے ہیں۔ تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اور یہ عرفان حق

کی وجہ سے ہوتا ہے)۔ یہ وہ مرتبہ ہے جہاں سے عرفان کا آغاز اور فنائیت کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس مقام پر شدت گریہ و بکا کے سبب دل بریاں سے کباب کی بو آنے لگتی ہے۔ اور وہ گوش نیوش، جن میں بہوت سرمدی نے صلصلۃ الجرس'' کی کیفیت پیدا کر دی ہو۔ اسے آواز دولاب پر بھی دست افشاں اور پائے کوباں ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جس سے آتش محبت شعلہ زن ہو کر انانیت صغریٰ کو جلا ڈالتی۔ اور معراج فنا پر پہنچا دیتی ہے۔ وہ گریہ و وجد خیال غیر کو دل سے خالی کر کے محبوب حقیقی کی محبت سے پر کر دیتا ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے۔

بھرا ہو محبت سے ان کے دل اگر خالی نظر آیا

کیا رو رو کے خالی، دل کبھی اپنا جو بھر آیا

صنعت طباق،، اور عکس و تبدیل نے محاورہ کے ساتھ ملکر جو کیفیت پیدا کی ہے اسے اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ارشاد باری ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطہرین'' (بیشک پروردگار بکثرت توبہ کرنے والوں اور شدت سے طہارت رکھنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)

اسی مقام پر گریہ و بکا سالک کی طہارت قلب و نفس کا سبب بنتا ہے۔ اور اسی درجہ میں آہ و شیون لطف و لذت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اسی مرتبہ میں آنسو بادۂ ناب بنجاتے ہیں۔ جس سے جسد روح میں دوران خون تیز تر ہوتا۔ اور امراض روحانی کو دفع کر دیتا ہے۔ اور یہی رونا طفل روح کے لئے گھٹی کا کام کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اپنی نادانیوں پہ روتا ہوں

آنسوؤں میں مزا ہے گھٹی کا

ایک ناواقف کیا تبلا سکتا ہے کہ وہ کونسی نادانیاں ہیں جن پر اولیا روتے ہیں۔ ہاں کسی کا یہ قول البتہ ہے کہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے لئے برائیاں ہیں! یہ میدان ہم زبانان غالب کا نہیں۔ جو کہتے ہیں۔ ؎

قوی فتادہ چو نسبت ادب مجو غالب

ندیدۂ کہ سوئے قبلہ پشت محراب است

بلکہ یہاں تو یہ حال ہوتا ہے کہ ؎

اپنا اے خلق شب وصل میں بھی

دل دھڑکتا ہی رہا کیا باعث

حضرت جنیدؒ کے قول میں تیسری چیز "عمل مع اتباع" ہے یہ آخری مرتبہ اور بقا بعد الفنا کا درجہ ہے۔ جہاں عبدیت کاملہ کا ظہور ہوتا ہے۔ "اسوۂ حسنہ" کی پیروی کا حکم کلام قدیم میں متعدد مقامات پر دیا گیا ہے۔ لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" اور حقیقتہً قبولیت اسلام کے معنی اصولاً یہی ہیں۔ یہی ایک معمولی مسلم کی اسلامی زندگی کا آغاز، اور ایک عارف کامل کے مقام عرفان کا انجام ہے۔

اہل اللہ کے پاس فضا میں اڑتے پھرنا پرندوں کی صفت، زمین کے اندر سے راستہ بنا لینا چوہے اور گھونس کا خاصہ ہے۔ ان کے پاس طی الارض غیر معمولی کرشمہ نہیں عبور دریا کو بھی علامت کمال نہیں سمجھا جاتا۔ ہاں اگر کوئی چیز علامت کمال ہے تو وہ اسوۂ نبوی کی تا بحد امکان پیروی ہے۔ حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری (۳۹۶ تا ۴۸۱ھ)

فرماتے ہیں۔

"اگر بر ہوا پری مگسی، وا گر بر دریا روی خسی، دل بدست آر کہ کسی"

کوئی صفت سالک کے لئے غیر معمولی سمجھی جا سکتی ہے۔ تو وہ سنت نبوی کی مکمل پیروی ہے۔ یہ نہیں تو پھر کوئی چیز بھی کچھ نہیں۔ البتہ انسان کامل کی پیروی میں استقامت تکمیل انسانیت کا نشان، عبد کامل کا اتباع، کمال عبدیت کی دلیل ہے۔

خرق عادات خاصان خدا کے پاس تمغائے امتیاز نہیں کہ اتنے عرصہ کیلئے خلوت گاہ صمدیت سے دور ہو جاتے ہیں۔ ہاں وہ چیز جو بارگاہ لم یزلی میں محبوب بناتی لکہ "من دیگرم تو دیگری" کا موقع بھی باقی رکھتی نہیں وہ اتباع رسالت ہے کہ "فاتبعونی" کے حسن سے آراستہ ہو کر "یحببکم اللّٰہ" کے درجہ محبوبیت پر فائز ہوتے ہیں۔

منظور اگر وصال حق ہے
مگذار خیال مصطفٰے را

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (۵۳۹ھ تا ۶۳۲ھ) عوارف المعارف میں فرماتے ہیں "اوفر الناس حظاً من متابعۃ الرسول۔ اوفرھم حظاً من محبۃ اللّٰہ تعالیٰ" والصوفیہ من بین طوائف الاسلام ظفر وا بحسن المتابعۃ"۔ (جو لوگ اتباع رسول میں سب سے زیادہ حصہ پاتے ہیں وہی محبت الٰہی کے سب سے زیادہ حصہ دار ہیں۔ اور صوفیہ نے گروہ مسلمانان میں سے حسن متابعت ہی سے کامیابی حاصل کی ہے)

سلوک و عرفان کی وہ کٹھن منزلیں جنہوں نے لاکھوں کا منہ پھیر دیا اور رہزاروں کو گمراہ کر دیا اگر بخیر و خوبی طے ہو سکتی ہیں تو اسوۂ پاک ہی کی مدد سے ہو سکتی ہیں۔ "جن منزل حق"

سے منزل کا راستہ پوچھا جائیگا۔ وہ یہی کہے گا۔

تیرا نقشہ ہم نے آگے رکھ لیا

پھر کیا طے راستہ دشوار سب

یہی راہ "فنا فی الرسول کے بعد فنا فی اللہ کے آخر مرتبہ پر پہنچا دیتی ہے" اور جو اسی "جلوۂ جہاں آرا" کو دیکھتا دیکھتا بہت ہو کر بت بن جاتا ہے نہ پوچھے کہ وہ کیا ہو جاتا ہے

گر تجھے دیندار اے بت دیکھ لیں

اللہ اللہ کہہ اٹھیں اک بار سب

اللہ اللہ! یہاں اللہ اللہ کے کلمات کیا کیا معانی پیدا کر رہے ہیں۔ اور پھر کیا مجال جو حدود شریعت سے بال برابر بھی تجاوز ہوا ہو۔

"نحن اقرب الیہ من حبل الورید" (ہم اس سے رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں) وائے برحال ما۔ وہ ہم سے اس قدر نزدیک اور ہم اس سے اتنے دور۔ اس مضمون کو اساتذہ کے ہزاروں شاعروں نے لاکھوں ہی اسلوب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مگر یہاں اس کی طرز ادا بھی انوکھی اور پھر مستزاد کے ٹکڑوں نے لطف و لذت بھی مستزاد کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ پ۲۶ ع۱۵

مجھ سا نہیں اس میکدۂ دہر میں بےہوش ہستی سے فراموش۔ حرماں سے ہم آغوش

کوسوں ہی پڑا دور رہوں معشوق ہے بر میں مطلوب ہے گھر میں۔ منظور نظر میں

ہم مست ہیں مگر اس مست سے بے خبر۔ اپنے آپ کو موجود تول رہے ہیں مگر وجود کو بھولے ہوئے ہیں جس کی طلب ہے۔ کونسی چیز ہے۔ جو اس سے علٰحدہ۔ یا اس کی غیر ہو۔ مگر اس عدم غیریت کا انکشاف نہیں اور اس عدم انکشاف نے اتنی قریب کی چیز کو بھی اس قدر

دور کر دیا ہے۔ صرف اتنا انکشاف ہوگیا، تو سارا عالم منکشف ہو گیا۔ بلکہ رب عالم کا انکشاف

عارف کامل نے کہا ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" (جس نے

اپنے آپ کو پہچانا۔ اس نے اپنے پروردگار کو جانا) جو اپنے آپ کو جان لے گا۔ یقیناً

پائیگا کہ اس کے سوا عالم میں کچھ ہے ہی نہیں۔ جس کی خبر ہو۔ وہی عالم وہی معلوم اسی

مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

واقف ہوا جو آپ سے بھولا جہان کو

اپنی خبر ہوی جسے۔ وہ بے خبر ہوا

اس مقام کے سمجھنے میں بہتوں نے غلطی کی۔ اور کہدیا کہ ماسوا اللہ کو دل سے نکالدینے

کا نام تصوف ہے۔ اسی راہبانہ تصوف کو حضرت ابو بکر شبلی (۳۳۴ھ) نے شرک فرمایا

"التصوف شرک لانہ صیانۃ القلب عن رویۃ الغیر ولا غیر"

عامیانہ تصوف شرک ہے کیونکہ (ان کی اصطلاح میں) خیال غیر سے دل کو بچانیکا

نام تصوف ہے حالانکہ غیر کا کہیں وجود ہی نہیں) جب موجود حقیقی کا انکشاف نہ ہو۔ تو یہ غیر۔

وہ غیر۔ ہم خود غیر۔ جو قدم اٹھے گا۔ شرک سے خالی نہ ہوگا۔ جو حرکت ہوگی مشرکانہ ہوگی۔

جلی نہ سہی خفی سہی۔ اور جب وجود حقیقی کا انکشاف ہو گیا۔ تو پھر کونسی چیز ہے جو اس کی

غیر ہو۔ یہی مقام ہے۔ کہ نگاہ جس طرف جاتی ہے۔ اسی کو پاتی ہے۔ اور صوفی پکار اٹھتا

ہے۔ "من اند از قدت را می شناسم"

تجھے دیکھا ہے جب سے پھر نہ کچھ ہمکو نظر آیا

ہر اک کے بھیس میں بس ہو کے تو ہی جلوہ گر آیا

حضرت کے دیوان سے مسائل تصوف کی تشریح! شائقین نے ایسا بوجھ اٹھایا ہے

جو میرے بس کا نہیں۔ پھر کونسا شعر ہے۔ جس سے کسی نہ کسی مسئلہ پر روشنی نہ پڑتی ہو۔ ہاں کہیں حقیقت کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ تو کہیں مجاز کا رنگ ظاہر۔ کسی جگہ صنائع و بدائع کا شور محسوس ہوتا ہے۔ اور کسی جگہ زبان و محاورات کا زور۔ ورنہ ہر شعر میں ایک حقیقت ہوتی ہے۔ جو سالک کی رہنمائی کرتی ہے۔ اب ہم صرف چند ایسے شعر لکھ کر عنوان تصوف کو ختم کرتے ہیں۔ جن سے حضرت کے ظاہر حال پر کچھ روشنی پڑے۔ نقادان سخن اسے تصویر دروں کہتے ہیں۔ مگر صوفیہ کے پاس تو یہ بھی احوال بروں ہی ہے۔ حضرت غوث الاعظم سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (۴۷۱ تا ۵۶۲ھ) فرماتے ہیں "حقیقت الفقران لاتفتقرالی من ھومثلك" (فتوح الغیب) حقیقت فقر یہ ہے کہ اپنے ہی جیسوں پر نظر احتیاج نہ پڑے۔

دارالاسباب دنیا میں رہ کر تمام اسباب سے قطع نظر کر لینا۔ اور صرف مسبب الاسباب پر نظر جمی رہنا۔ بجز تتبع سنت کے اور کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ جن بزرگوں نے حضرت کو بحین حیات ظاہری دیکھنے کا شرف حاصل کیا۔ وہ کہتے ہیں۔ آپ کی ہر حرکت سے کمال استغنا ٹپکتا تھا۔ اہل دولت کو تو کبھی پر پشہ کے برابر بھی نہ سمجھا۔ اور حقیقت میں ایسے ہی مستغنی المزاج کی زبان سے اس شعر کا ادا ہونا زیب بھی دیتا ہے۔

جو چاہتا خالق ہے۔ وہی ہوتا ہے اے تعلق
خلقت سے مرا سود و زیاں ہو نہیں سکتا

اور دراصل بھی جن نگاہوں سے اسباب کے پردے اٹھ گئے ہوں وہ مسبب کے سوا دوسری طرف کیسے پڑیں؟ اور کیوں پڑیں۔ جس طرح کوئی درباری بادشاہ کو ذی اقتدار نہیں سمجھ سکتا۔ اسی طرح مالک الملک پر نظر رکھنے والا، شاہان عالم کے جبروت کے

کب خطرہ میں لا سکے گا ایسے ہی چشم و آبرو کے اشارے مضامین ذیل ادا کرتے رہتے ہیں:

ہمیں کیا کام شاہانِ جہاں سے

گدا ہیں اس درِ دولت سرا کے

آپ بہت کم کسی سے بیعت لیتے تھے۔ لوگ مہینوں بلکہ برسوں بیعت کے لئے پھرتے رہتے مگر اہل اور خوش نصیبوں کو یہ موقع نصیب ہوتا۔ اور جو آپ کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے۔ انھیں اپنی معمولی تعظیم سے بھی اکثر منع فرماتے رہتے تھے! اور کیوں نہ منع فرماتے۔ اہلِ دنیا کی عزت و احترام اہل اللہ کے پاس احترام ہے ہی کب۔ یہ سب اہلِ عالم کے خرافات کے سوا اور کیا ہے۔

حضرت ابوسعید احمد بن محمد الاعرابی (۳۴۱ھ) فرماتے ہیں: "التصوف کلہ ترك الفضول"، تصوف تمام ترفضولیات کے ترک کرنے کا نام ہے، شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد باری عزاسمہٗ ہے: "هم عن اللغو معرضون"۔ پ۱ مومنون

(یہی وہ لوگ ہیں جو خرافات سے روگردانی کر لیتے ہیں) کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ جہاں دیگر مشائخ مقام عزت و احترام کے جویا ہوتے۔ آپ وہاں خاک پر لوٹنے لگتے تھے، یہاں حال اور قال میں سرِمو فرق نہیں ہو سکتا۔ فرمایا ہے۔ ؎

جب سے بھائی ہے عشق کی ذلت

خاک ڈالی ہے میں نے عزت پر

انھیں احوال کے مدنظر بعض ظاہرین آپ کو مجذوب بھی سمجھتے رہے عموماً ایسے عادات و اطوار جن کو دوسرے رکھ رکھاؤ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ ہمیشہ اسے لغزش کی نظر سے دیکھتے تھے۔

کیفیت خاص میں حضرت نے بعض دفعہ فرما دیا۔ کہ میرے مریدین کے لئے خدائے تعالے تک پہنچنے کے واسطے صرف تین ہی واسطے ہیں۔ میں[1]۔ غوث[2] پاک اور بارگاہ رسالت۔ اس سلسلہ اویسی کی اجازت بھی آپ نے اپنے بعض خاص خلفاء کو دی تھی۔ اور کیوں نہ ہو "المرء مع من احبّ" (انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے) زبان رسالت سے اور "الحقنا بھم ذریتھم" (ہم نے ان کی ذریت کو ان سے ملا دیا) کلام الہی سے اسی کے شاہد ہیں۔ اسی عالم خاص میں فرمایا ہے۔

دیکھنے والے ہیں زلف یار کے
سلسلہ اپنا بیاں ہم کیا کریں

اس اویسی سلسلہ کے باوجود مرشدین ہی نہیں۔ بلکہ اپنے شعر و سخن کے استاد کا درجہ بھی حفظ مراتب کے مدنظر ہمیشہ ملحوظ خاطر رہا۔ دکن کی دنیائے شاعری کے استاد حضرت فیض رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۹۵ھ تا ۱۲۸۲ھ) سے آپ کو تلمذ تھا۔ فرماتے ہیں۔

خلق ہر شعر ہے نازاں میرا
حضرت فیض کی عنایت پر

ضاد کی ردیف میں ایک پوری غزل ہی جناب فیض کی تعریف میں ہے اور تعریف بھی بالکل حقیقی، شاعرانہ مبالغہ اور غیر حقیقی مدح (جو در اصل مذمت کی ایک صورت ہوتی ہے) اسے بالکل مبرّا ہے۔ ؎

عہ۔ فیض باطنی حضرت کو راست غوث پاک سے ملا ہے حضرت کا کوئی کام بلا اجازت حضرت غوث پاک رحمۃ کے نہ ہوتا۔

ملائک سیرت و درویش صورت
فقیر بے ریا مرد خدا فیض
حلاوت اٹھ گئی خوان سخن کی
گئے لے ساتھ اپنے سب مزا فیض

ایک اور زمین میں فرمایا ہے کہ انھیں کی شاگردی نے بہتوں کو استادی کا درجہ بخشا

خلق صاحب تمہیں ہم جانتے ہیں مانتے ہیں
حضرت فیض کے شاگرد بھی استاد ہیں سب

عام طور پر شعرا کسی قدر تعلی کے عادی ہوتے ہیں۔ اور شعر میں تو یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ فخر و مباہات لوازم شاعری میں سے ہے۔ ایک نو مشق شاعر جس کا سرمایہ سخن دس بیس غزلوں سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اس کے بھی کتنے مقطع ہوتے ہیں۔ جن میں کسی نہ کسی طرح کی شیخی موجود نہ ہو۔ پھر اساتذہ کے لئے تو سمجھا جاتا ہے کہ فخر ان کی زبان سے ہر طرح زیبا ہے۔ حالانکہ فلسفۂ اخلاق میں یہ ایک شدید عیب ہے۔ مگر دنیائے شاعری میں ہنر ہی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حضرت کا دیوان اس سے بالکل خالی ہے۔

مذکورۂ بالا مقطع ملاحظہ فرمایا۔ بہت ہی ہلکی کیفیت فخر محسوس ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ بھی اپنے آپ پر نہیں۔ بلکہ اپنے استاد کی شاگردی۔ اور ان شاگردوں کے استاد ہونے پر فخر کا اظہار فرمایا گیا۔ جو کسی طرح تعلی نہیں کہلا سکتا۔ ایسی ہی صرف ایک دو مثالیں سارے دیوان میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا بالکل درست ہے۔ کہ اس اخلاقی عیب اور شاعرانہ ہنر سے آپ کا کلام بالکل پاک ہے۔

حضرت کی طبیعت میں استغنا کے ساتھ انکسار نے ایک عجیب شان پیدا

کر دی تھی۔ جو یقیناً حقیقی درویشی اور مجاہدات کا نتیجہ تھا۔

حضرت ابو حفص عمر بن سلم الحداد (۲۶۴ھ) فرماتے ہیں "درویشی بحضرت خدا شکستگی عرض کردن است۔" گویا اس آیتہ کی تفسیر ہے۔ ان الذین امنوا وعملوا الصلحت واخبتوا الیٰ ربھم اولٰئک اصحاب الجنۃ۔" (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیکو کار رہے اور خدا کے حضور میں سر بہ فگندہ رہے۔ یہی اصحاب جنت ہیں) اسی شکستگی سے وہ خاص رنگ پیدا ہوتا ہے۔ جو مقربان الٰہی کا نشان امتیاز ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

دیتا ہے وصل کی بشارت

اے خلق سیر اشکستہ یناب

اس شعر کے ساتھ ہی حدیث "انا عند منکسرۃ القلوب" میرے دل میں حضور کر گئی۔ علماء ظاہر نے اس کے جو کچھ معنی لئے ہیں۔ لئے ہیں۔ مگر اس شعر کے بعد تو محسوس ہو رہا ہے۔ کہ صوفیہ کے پاس اس کے یہی معنیٰ ہیں۔ کہ شکستہ دلوں کو وصال حق نصیب ہوتا ہے۔

اکثر حضرت خود فرمایا کرتے کہ جس فقیر میں انکسار نہیں۔ وہ فقیر نہیں۔ اور خود منکسر المزاج فقرا کی کمال عزت کرتے تھے۔ گویا اپنے ہی شعر کی عملی توضیح فرماتے تھے

کسر نفسی ہو جو حاصل تجھ کو

خلق کو شوکتِ کسریٰ دکھلا

عاشقانہ شاعری

عشق حقیقی کا درجہ تو بہت بلند ہے۔ عشق مجازی بھی وہ چیز ہے کہ کائنات کی کوئی ایک چیز کیا۔ اس عالم کی بہت سی چیزیں بھی بمقابل اس سے لگا کھا سکتی ہیں۔ "المجاز قنطرۃ الحقیقۃ" (مجاز حقیقت کا پل ہے) یہی عشق حقیقی کا پہلا زینہ ہے بشرطیکہ ہوس نہ ہو۔ انسان کو بہترین اخلاق سے مزین کرتا ہے اسی سے وہ امنگ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ جو عمل کی روح ہے۔ یہی دنیاوی معاملات میں سرگرمی پیدا کرتا ہے۔ ادبیات میں جذبات محبت کی نقاشی۔ شعر میں کیفیات درون قلب کی مصوری۔ اور وہ بھی کسی ایک خاص زبان میں نہیں بلکہ دنیا کی ساری زبانوں میں بے ضرورت اور خواہ مخواہ نہیں کی گئی۔ دنیا کی کونسی زبان ہے جو اس سرمایہ سے مالا مال نہیں۔ حتی کہ کلام الہی نے بھی حسن وعشق یوسفی کو بھی اس انداز سے بیان فرمایا کہ وہ "احسن القصص" (سورۂ یوسف ع۱) ہوگیا ہے۔ اور زبان رسالت (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اہمیت کے مدنظر عاشق عفیف کے لئے درجۂ شہادت کی بشارت دی۔ "من عشق وعف وکتم ومات فمات شہید۔ (جس نے عفت کے ساتھ محبت کی اور پوشیدہ رکھا اور اسی حالت میں مرگیا۔ وہ شہید مرا) نظیری (م ۱۰۲۱ھ) نے بجا طور پر اپنے جرم محبت کو ساری دنیا کے گناہوں کا کفارہ کہا ہے۔

خدا گواہ کہ گر جرم ما ہمیں عشق است
گناہ ہر دو جہاں را بجرم ما بخشند
نظیری نیشاپوری

یوں تو واضح سے واضح مجازی محبت کے اشعار حقیقی محبت پر منطبق کر لئے جا سکتے ہیں

مگر صوفیہ کے پاس عشق مجازی بھی اگر ہوس نہ ہو تو کیمیا ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

عشق خال رخ میں روشن اپنی قسمت ہوگئی
اے فلک مجھکو زحل سے بھی سعادت ہوگئی

خال ہر چند زحل سہی مگر سعادت عشق نے اسے بھی مبارک ومسعود کر دیا۔ بھونرے کی طرح ہر پھول سے شیرینی حاصل کر لینا اور اڑ جانا، بلبل کی صورت ہر گل پر جا بیٹھنا اور چونچیں مارنا، جانوروں کے لئے کوئی سبب امتیاز ہو تو ہو۔ مگر انسان کے لئے (جبکہ نگاہیں سطح تک ہی محدود ہوں) موجب ننگ و عار ہے۔ اور صرف صورت پرستی صوفیہ کے پاس بت پرستی سے کم نہیں ہے

بت پرستی مرد مومن کو کبھی لازم نہیں
بھول کر اے دل نہ کرنا خوبصورت کی ہوس

ہاں وہ محبت جو دل میں جگہ کر جائے۔ خاک کو پاک بنا سکتی ہے۔ دنیوی لحاظ سے بھی اور اخروی اعتبار سے بھی، محبت محبت ہے۔ کوئی سیر و تفریح نہیں کہ دل بہلایا اور چلے آئے۔ پا بگل سرو گلستاں کے نظارے بہر نظارہ ہو سکتے ہیں مگر سرو خراماں کو قدرت نے دل میں گاڑ لینے کے لئے ہی وجود بخشا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوتا ہے۔

پا بہ گل سرو گلستاں میں ہزاروں دیکھے
کاش گڑ جائے کوئی سرو خراماں دل میں

کسی سرو خراماں کا دل میں گڑ جانا، زمین دل کی صلاحیت کے مطابق کشت دنیا اور مزرعہ آخرہ دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ اگر عشق حقیقی کی قابلیت موجود ہے تو یہی اکسیر (عشق مجازی) مس خام کو زر کامل عیار بنا دیتی ہے۔ اگر یہ نہیں تو کم از کم

دنیا کی اہلیت ضرور پیدا کر دیتی ہے۔ اور سونے کا رنگ تو لازماً پیدا ہو جاتا ہے۔ گو وزن نہ پیدا ہو سکے۔ مولینا کاتبی (۸۳۹ھ) کہتے ہیں۔ ؎

خرم آناں کہ سر زلف نگارے گیرند
بے قرارے بکف آرند و قرارے گیرند ۔ کاتبی

بہر حال یہ وہ گیاہ کیمیا تاثیر ہے کہ اصل بوٹی کے ملنے پر صحیح نسخہ کیمیا نہ بھی معلوم ہو تو سونے کا رنگ پیدا ہو جانا۔ بالکل یقینی ہے۔ الحاصل کشت امید کی سر سبزی اسی گیاہ کے حصول پر منحصر ہے۔ شائد اسی مفہوم کی طرف ذیل کے شعر میں ایما فرمایا گیا ہے

سرسبز گشت کشت امیدم کہ در جہاں
دارد بہار غنچۂ و گلہا گیاہ تو

اسی غیرت بہار کی باد لطف برگ کاہ کو بھی اوج کمال بخشتی ہے بشرطیکہ "برگ کاہ تو" کہلانے کا مستحق ہو۔ ؎

گر باد لطف تو وزد اے غیرت بہار
باشد چرا نہ اوج گرا برگ کاہ تو

مذکورہ بالا دونوں شعروں میں ضمیر خطاب کا مرجع خواہ محبوب کو قرار دیجئے خواہ محبت کو، نتیجہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہو گا۔ محبوب اسی لئے تو محبوب ہے۔ کہ اس سے محبت کی جاتی ہے۔ جن غیر مادی امور کی نسبت محبوب کی طرف کی جا سکتی ہے۔ محبت کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔

مضمون ناقص رہ جائے گا۔ اگر حضرت کی شاعری کے خط و خال پیش کرتے ہوئے یہ نکتہ فراموش کر دیا جائے گا۔ کہ بجز چند ہلکے ہلکے اشارات کے شاعری

کی شریعت کے خلاف حضرت کے دیوان میں، زاہد، عابد، واعظ اور شیخ پر لعنت ملامت کی بوچھار کہیں نہیں۔ دیر کی حرم پر ترجیح، کعبہ کی بت خانہ کے مقابل تفضیح، مسجد سے گریز، معبد سے پرہیز، میخانہ کی تعریف، بت خانہ کی توصیف کے مضامین سے بالکل خالی ہے۔ خدا جانے کہ یہ مضامین غزل میں کیسے در آئے اور کیونکر اتنے شائع ہو گئے۔ کہ بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے شاعر کی کوئی سی غزل اٹھا لیجئے، مشکل ہے کہ اس میں زاہد پر طعن، عابد پر طنز، واعظ پر لعنت یا شیخ پر ملامت نہ ہو۔ ہاں جس حد تک جذبات الفت کے اظہار کے لئے اس کی ضرورت ہو، مضائقہ نہیں، اور غزل کے نامناسب بھی نہ ہوں گے۔ فرمایا ہے۔

زاہد نا داں نہ کہو بیٹھے تو جب تک آپ

جائے تجھ کو اس مقام پاک میں بس مل چکی

واعظا تو قصہ می خوانی ہنوز — داستان خویش را شرحے بکن

یہ ہے وہ نمونہ جہاں حضرت کے پاس زاہد و واعظ کا ذکر آیا ہے اور ایسے شعر بھی چند ہی ہیں

مہجور عاشق جب صدمات فراق سہتے سہتے یاس کے آخر درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر اسے صورت وصل نظر بھی آئے تو باور نہیں ہوتا کہ حقیقت ہی ہے۔ اسے اس وقت بھی یہی شبہ رہتا ہے کہ کہیں یہ بھی خواب ہی تو نہیں مرزا غالب (۱۲۱۲ھ تا ۱۲۸۵ھ) کہتے ہیں۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے، — کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

غالب

مرزا غالب کے اس شعر کے بعد اس مضمون کو لطف سے پیش کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ حضرت فرماتے ہیں۔ ؎

میں جاگتا ہوں خلق کہ عالم خواب ہے   ہے سامنا کسی کے رخ بے نقاب کا

"بین النوم والیقظہ" کے لئے اس سے بہتر شعری قالب ہو بھی سکتا ہے؟
مصحفی (۱۱۶۴ءتا ۱۲۴۰ء) نے بھی اسی مضمون کو باندھا ہے۔

میں ہوں اور خلوت ہے اور پیش نظر محبوب ہے   ہے تو بیداری۔ مگر کچھ دیکھتا ہوں خواب سا
مصحفی

اس میں بیداری کے یقین نے بھی شعر کو بے لطف کر دیا۔ وصل کے بعد فراق۔ العیاذ باللہ۔ دنیا کی ہر چیز کو بے کار۔ اور زندگی ہی کو وبال کر دیتا ہے۔ ذرا اس شعر میں اس کی کیفیت دیکھئے۔

چاندنی رات ہے اندھیری رات   رخ روشن چھپا دیا کس نے

سلاست زبان کی کیا داد دیجا سکے۔ پھر صنعت طباق کا لطف کیسے بیان ہو۔ محب محبوب سے آنکھ مچولی کھیلنے کے لئے تو تیار ہو سکتا ہے مگر اس کھیل میں بھی اسے یہی دھڑکا لگا رہتا ہے۔ کہ کہیں یہ سچ مچ زمانہ فراق کی طرح صورت نہ چھپا لیں۔ فرمایا ہے۔

پر یہ ہے شرط کہ صورت نہ چھپانا سچ مچ   کھیلو گر کھیلتے ہو آنکھ مچولا ہم سے

مجازی شعر کو مجاز ہی پر رکھنا۔ اس کا صحیح انطباق ہوگا۔ مگر جہاں حقیقت کے سوا مجاز کی گنجائش ہی نہ رہی ہو۔ وہاں کونسا رنگ مجاز کیف حقیقت سے خالی ہو سکتا ہے۔ عارفین کے پاس تجلیات حق کی کیفیت آنکھ مچولی سے کب مختلف ہوتی ہے۔ کیونکہ "مشاھدۃ الابرار بین التجلی والاستتار" (خاصان خدا پر بھی تجلیات الٰہی گاہے عیاں ہوتی ہیں گاہے نہاں) اس لئے کہا ہے۔ کہ می نمایند و می ربایند۔

سلاست و صفائی زبان

میرے ایک محترم نے فرمایا کہ حضرت کو داغ کے اشعار بہت پسند خاطر تھے "حضرت کے آخری دور میں داغ کی شاعری کا عروج تھا اور فصیح الملک داغ (۱۲۴۷ تا ۱۳۲۲ھ)۔ استاد آصف (۱۲۸۲ھ تا ۱۳۲۹ھ) بلکہ جہاں استاد کہلا رہے تھے۔ ہماری تمہیدی تفصیل کے مطابق یہ رنگ بھی حضرت کے پاس آنا ضروری تھا سو آیا۔ کلام کا بہت بڑا حصہ اسی سلاست و صفائی زبان کا پاکیزہ نمونہ ہے مگر عریانی و ابتذال سے محفوظ۔

ہم نے صوفیانہ شاعری کے عنوان میں جتنے شعر پیش کئے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر آخری دور ہی کے ہیں۔ اور اب یہاں بھی بطور نمونہ چند شعر پیش کرتے ہیں۔ ہرچند حضرت کے بعض شعروں میں مجاز کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ مگر وہ حقیقت سے بھی اس سے کچھ کم چیاں نہیں ہوتے۔ فرماتے ہیں۔

بے وفا عشق کا دم بھرتے ہیں ۔۔۔ ہیں خموش اہل وفا کیا باعث

یہ ہے من عرف نفسہ فقد کل لسانہ (جو اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے اسکی زبان گونگی ہو جاتی ہے)

اب تو ہر حال میں رہتے ہیں جھکائے آنکھیں ۔۔۔ اک بت پردہ نشیں جب سے ہے مہمان دل میں

اس زمین میں حضرت نے پانچ غزلیں فرمائی ہیں۔ ایک ایک شعر در آبدار ہے۔ ایک مطلع ہے۔

کیوں نہ رکھوں تجھے اے سرور خوباں دل میں ۔۔۔ تو ہے ایمان مرا۔ چاہئے ایماں دل میں

تصور شیخ علماء ظاہر کے پاس شاید کچھ محل گفتگو ہے۔ مگر صوفیہ کے پاس یہی پہلا زینہ ہے۔ بغیر اس کے طریقت میں کوئی قدم اٹھ ہی نہیں سکتا۔

سوال یہ ہے کہ انسان کا متصورہ کسی صورت کے بغیر رہ بھی سکتا ہے؟ کیا فلاسفۂ قدیم۔ اور کیا ماہران نفسیات جدید کے پاس بالکل مسلم ہے۔ کہ جس طرح خلا محال ہے۔ اسی طرح متصورہ کا کسی تصور کے بغیر رہنا ناممکن ہے۔ تو کیا شرعاً انسان اس کا مکلف ہو سکتا ہے۔ کہ اپنے متصورہ کو خالی رکھے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا پ۳ س بقرہ رکوع نمبر ۲ (اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو اس کی قدرت کے موافق ہی تکلیف دیتا ہے) تو پھر یہ کیسے ممنوع ہو سکتا ہے۔ اب رہا ایک معین ومخصوص تصور کو قائم رکھنے۔ اور اس کے احترام کا سوال۔

کیا مسلمان اسوۂ حسنہ کی پیروی پر مامور نہیں؟ لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ۔ (پ۲۱ احزاب رکوع ۲) کیا جتنی کوشش اسوۂ حسنہ کی پیروی کی کیجائیگی حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تصور اتنا ہی زیادہ جما نہ رہے گا؟ اور کیا یہ تصور کسی مسلمان کے خیال میں بغیر احترام آ بھی سکتا ہے۔ اور کیا اس طرح لانا بھی چاہیئے؟ کیا سورۂ فاتحہ کے بغیر اور اس سورہ فاتحہ کے بغیر جس کے متعلق لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی) فرمایا گیا ہے نماز ہو بھی سکتی ہے؟ خواہ نماز منفرد ہو یا باجماعت۔ امام ومقتدی دونوں پڑھیں یا صرف امام۔ اور مقتدی امام کی اتباع میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنے والا ہی شمار ہو۔ بہرحال سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری۔ اور اس کے معانی پر غور لازمی۔ اور بغیر اس کے نماز ادھوری یا کالعدم۔ تو سورہ فاتحہ "الذی انعمت علیہم" کے معنی کا سمجھنا بھی ضروری اور اس کے ساتھ منعم، انعام اور منعم علیہم کے تصور کا آنا بھی لازمی تفصیلاً نہ سہی اجمالاً ہی سہی۔ کیا انعام کیساتھ منعم اور منعم علیہ میں باہم تضایف ہونے کے باوجود ایک

دوسرے کے بغیر ان کا تصور ہو بھی سکتا ہے؟ اور ان کے خیال کے بغیر آیت کے معنیٰ ذہن میں آ بھی سکتے ہیں؟ اور کیا صراط الذین انعمت علیہم "کے بہترین مصداق (اسوۂ حسنہ محمدی (صلوٰۃ اللہ علی صاحبہا) کا خیال نہ آئے گا؟ جب ہم اس کے معنیٰ پر غور کرنے کے لئے مامور ہیں۔ تو کیا بطور لازم بشکل اقتصار انعم منعم علیہم کے تصور پر مامور نہیں؟ منعم علیہم کے بارے میں افراد ناقصہ کا خیال بہتر ہوگا؟ یا فرد کامل (روحی وزاہ) کا تصور انسب ہوگا۔ کیا اسوہ نبوی صراط المستقیم کی بہترین تفصیل نہیں؟

یہ تو ہوی اندرون نماز کی صورت۔ تو کیا اس کے بعد بیرون نماز کے متعلق بھی کوئی سوال کیا جا سکتا ہے؟

ان گمراہوں کو چھوڑیئے۔ جن کی نماز "صراط الذین انعمت علیہم" کے مفہوم و معنی پر غور۔ اور اس کے نمونہ کامل کے تصور کے بغیر ہوتی ہے۔ اور کیا خاک ہوتی ہے؟ جب کہ اس صراط المستقیم کا ان کے پاس کوئی تعین ہی نہیں۔

ارشاد باری (عزاسمہ) ہے یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین پ۱۱ توبہ رکوع ۱۴) (اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور صادقین کی معیت اختیار کرو) ہمیں ایمان اور تقوی کے باوجود مزید حکم صادقین کی معیت اختیار کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ کہ یہی چیز نفاق خفی کی ادنیٰ سی کیفیت کو بھی دور کر دیتی ہے۔ اور خلوص وللہیت کی آب و تاب آئینۂ دل میں پیدا کر کے زمرہ صادقین میں شامل کر دیتی ہے۔ معیت عالم شہادت (جو ہمہ وقتی نہیں ہو سکتی) کے ذریعہ اہل سلوک معیت مثالی کے حصول کی مشق و ممارست کرتے ہیں۔ اور اس مشق و ممارست کے نتیجہ کے طور پر انہیں معیت صفات نصیب ہوتی ہے اور ان سب کی جزا و آخری نتیجہ معیت ذات ہے۔ ونعم اجر العاملین۔

اس لئے "کونوا مع الصادقین" کی تعمیل دوامی کے لئے معیت تصور ومعیت مثالی ضروری ہوگی۔

اس لئے صوفیہ کے پاس تصور شیخ بطور واسطہ لازمی۔ اور سنت نبوی کے ساتھ تصور ومحبت رسالت پناہی جزو ایمان ہے اسی لئے ارشاد ہوا ہے۔

کیوں نہ رکھوں تجھے اے سرور خوباں دل میں

تو ہے ایمان مرا۔ چاہئے ایماں دل میں

شمائل ترمذی میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور اقدس کے حلیہ کے متعلق پوچھا۔ اور وہ بکثرت حلیہ مبارک بیان کیا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں سیدنا حسن، ہند بن ابی ہالہ سے حضور کے حلیہ مبارک کے لئے اپنے خواہشمند ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

"وانا اشتھی ان یصف لی شیئاً اتعلق بہ" میں خواہشمند تھا کہ وہ حضور کے حلیہ کی کچھ توصیف کریں تاکہ میں اس سے لٹک جاؤں (یعنے تصور جا لوں) "اتعلق بہ" کے الفاظ پر غور کیجئے۔ کتنے واضح طور پر تصور کے پختہ کر لینے پر دلالت کر رہے ہیں۔

ایک دوسری بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث صاحب مشکوٰۃ نے بیان کی ہے۔ جس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت ہے اور وہ اس روایت میں سرور کائنات کی زبان بعض ترجمان کے الفاظ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں "کانی انظر الی رسول اللہ علیہ وسلم یحکی نبیاً من الانبیاء ضربہ قومہ فادموہ" گویا میں دیکھ رہا ہوں حضور کی طرف آپ انبیاء میں سے ایک ایسے نبی کا تذکرہ فرما رہے ہیں جنھیں ان کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ کیا حضور سے روایت

بیان کرتے ہوئے ابن مسعود کے پیش نظر تصور نبوی نہیں ہے ؟ "کانی انظر" ان کے تصور چہرۂ مبارک کی تجلی کو ظاہر نہیں کر رہا ہے ؟

واقعہ یہ ہے۔ کہ تصور شیخ ہی سالک کے لئے سب سے پہلا زینہ ہے رجب توبہ و تقوی سے آئینۂ دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے تو تصور شیخ ہی اس میں جلا پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ آنکھوں سے اوجھل اور اس عالم سے پرے کی چیزیں دیکھنے لگتا ہے ۔ اور اس کیفیت کے کھلنے کے بعد ہی اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے جب کسی سالک پر یہ کھل جائے تو کیوں نہ بے اختیار زبان سے نکل جائے ؎ آفریں اے تصور رخ یار + سینۂ ام شکل آئینہ کر دی۔

جب طالب حق کو راہ سلوک میں تصور شیخ کے ذریعہ پہلے پہل عالم مثال کھل جاتا ہے۔ تو کیا کیفیت ہوتی ہے ؟ وہی جان سکتا ہے۔ جس پر بیت چکی ہے۔ یہ کیفیت الفاظ میں کیسے بیان ہو سکے ؟ ہاں بیان ہو سکے گی تو تشبیہات و استعارات ہی میں ہو سکیگی فرمایا ہے۔

وہ عیاں اس رشک چمن کا ہے جو ہر آن دلمیں
لہلہاتا نظر آتا ہے گلستاں دل میں

کبھی سالک پر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ "وہ فطرۃ الوحی" کی طرح (فرق مراتب ولایت و رسالت کے ساتھ) تصور شیخ اور عالم مثال پر ایک گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے جس طرح کسی روشنی سے دفعۃً تاریکی میں چلے جانے سے آدمی بوکھلا جاتا اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے۔ گویا ساری دنیا تاریک ہو گئی ۔ اور اس کی بصارت ہی سرے سے سلب ہو گئی اس وقت اس کے لئے سب کچھ ہیچ ہو جاتا ہے اور زبان حال سے کہنے لگتا ہے

رخ روشن چھپا لیا کس نے
چاندنی رات ہے اندھیری رات

اس وقت سالک کے لئے کسی چیز کا آسرا ہوتا ہے تو وہ "پاس انفاس" ہی ہوتا ہے اور اس تاریکی میں "پاس انفاس" کی کیفیت بھی ایسی ہوتی ہے جیسے

کسی وسیع اور تاریک غار میں دور۔ ایک چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ اور اس کے سوا کچھ نہ ہو۔ ایک رہبر منزل رسیدہ اپنے پیچھے آنے والے مسافروں کے لئے ایسے بوکھلا دینے والے مقامات کے لئے کچھ نہ کچھ ہدایات وارشادات چھوڑ جاتا ہے۔ کہ رہبری ہوا۔ شاد ہوتا ہے

منہ دکھاتی ہے ہمیں دیکھئے کب صبح وصال　　یاد ان کی ہے چراغ شب ہجراں دل میں

"چراغ شب ہجراں" کی تشبیہ سے واقف حال ہی لطف اندوز ہوسکتا ہے اور کسی وقت صرف تصور شیخ رہتا ہے اور اسکے علاوہ کچھ نہیں ہوتا اس وقت سالک کو شیخ کی معیت ڈھارس دیتے رہتی ہے۔ کہ یہ لو بھی اور جب کچھ بھی اسکے بعد آہی جائیگا جس طرح پہلے کچھ نہیں تھا۔ تو اسی سے سب کچھ ملا اب بھی ہے، تو سب کچھ مل ہی جائیگا

غم نہیں گر ہمیں آنکھوں میں اندھیرا آیا　　نور افگن ہے ترا چہرۂ تاباں دل میں

کبھی سالک پر عالم ارواح ومثال ایسے صاف منکشف ہوتے ہیں کہ عالم شہادت میں اور ان میں گویا کچھ امتیاز نہیں رہتا۔ اور جب اس عالم میں سالک کا سر زانوئے مقصود تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی مسرتوں کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اور نور ایمان سے سراپا معمور ہو کر چاہتا ہے کہ بس اسی وقت جاں بحق تسلیم کردے ارشاد ہوتا ہے۔

سر یار کے زانو پہ ہے اور رخ پہ نظر آج　　اے خلق جو اک دن تجھے مرنا ہے تو مر آج

سالک، راہ سلوک میں مختلف اولیا وانبیا کی خاص کیفیات سے بھی تبعاً دوچار ہوتا جاتا ہے۔ جس وقت وہ مراتب موسوی کے نقوش قدم پر چلتا ہے۔ گو زبان پر "رب ارنی" ہو مگر ہر دم صدائے "لن ترانی" ہی سنائی دیتی ہے۔ اگرچہ فردوس گوش کے لذائذ سے محظوظ ہو مگر "جنت نگاہ" اوٹ میں ہوتی ہے اور بالکل اس شعر کی مصداق ہوتا ہے

گفتگو یار سے پردے میں رہا کرتی ہے　　روبرو آتے نہیں بیٹھے ہیں پنہاں دل میں

لہ اعراف　اور کبھی "رب ارنی" کا جواب کسی تجلی کی شکل میں ملتا ہے تو خر موسیٰ صعقا۔ پ اعراف ۱۷ کی کیفیت پیدا۔

کر دیتا اور اس تجلی کیسا تھ ہی ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں۔ شاید اسی مقام کو بیان فرمایا ہے

اٹھ چلے ہوش و حواس اپنے پئے استقبال — آمد آمد ہے کسی یار کی پنہاں دل میں

اور کبھی یہ تجلیات باد بہاری کی سی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

جیسے گلشن میں صبا یا تن بے جان میں جان — یوں چلا آتا ہے وہ سرو خراماں دل میں

جب اسی کیفیت پر مداومت کی سی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ تو سالک کیلئے اسکا دل ہی علمدا گلزار بہار بنجاتا ہے

عکس انگن ہیں ہمیشہ وہ ادائیں رنگین — سیر کا لطف ہے پھولا ہے گلستاں دل میں

صرف گلستاں ہی نہیں بلکہ وہ کونسی چیز ہے جو اس کے دل میں نہیں ہوتی۔ حدیث

قدسی ہے۔ "لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن"۔

(اخرجہ الدیلمی فی الفردوس عن انس بن مالک)۔

(میری سمائی نہ زمین میں ہو سکتی ہے نہ آسمان میں ہاں مجھے میرے بندۂ مومن کا

دل سما لیتا ہے) جس دل میں خالق ارض و سما سما سکتا ہے۔ اس میں کیا نہیں سما سکتا؟

اور کیا سمایا ہوا نہیں ہے۔

کھول کر دیکھ ذرا دل کا خزانہ درویش — اس میں ہر طرح کی سوغات نکل آتی ہے

مگر شرط یہی ہے۔ کہ اس خزانہ کو کھول کر دیکھنا آئے۔ اور وہ کھل جائے۔

دیکھئے خود اسے انکشاف ہوا۔ کیا ارشاد ہے۔

خوب دیکھیں تو خدائی کا ہے ساماں دل میں — ایسی وسعت نہیں دیکھی ہے۔ مگر ہاں دل میں

کبھی سالک دل کی انھیں وسعتوں میں تخت سلیمانی پر جلوہ گر ہوتا ہے اور مقامات

سلیمانی کے تتبع میں اسے وہ سب کچھ ملتا ہے جو ملنا چاہیئے اور زبان حال کہنے لگتی ہے

میرے تابع ہیں جن و انساں سب — آج ہوں عہدۂ حکومت پر

اور عملاً بھی اس حکومت کا نفاذ کبھی عالم شہادت میں کبھی عالم مثال میں پاتا ہے۔ اور گاہے بمقامات داؤدی پر سے گزرتا ہے تو اپنے لحن سے آپ مسرور ہوتا۔ اور دوسروں کو مسحور کرلیتا ہے۔ اور بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔

میرا نالہ ہے نغمۂ داؤد سنگ دل بھی پگھل ہی جاتے ہیں

اور جب سالک شہید محبت ہو کر مقامات عیسوی کی سیر کرتا ہے۔ تو زندۂ جاوید بنتا اور اس کے ہر اشارہ سے اعجاز مسیحا ہویدا ہوتا ہے۔ فرمایا ہے۔

کہتے ہیں زندۂ جاوید شہیدوں کو ترے ذائقہ قتل سے پایا ہے مسیحائی کا
دم رفتار یہ خلخال سے آتی ہے صدا میری ٹھوکر میں ہے انداز مسیحائی کا

(خلخال تو استعارہ کا لفظ ہے اور مقصود وہی ہے جو مقصود ہے) اور جب سالک اتباع سنت میں آخری درجہ پر پہنچکر فنائیت تامہ حاصل اور مقامات محمدی (سلام اللہ علی صاحبھا) کی بالتبع سیر کرتا ہے۔ تو اس بارگاہ کی بندگی سے کمال بندگی کا درجہ پاتا۔ اور فنائیت سے تبعاً عبدیت کاملہ کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے مثلث کے ایک بند میں ارشاد ہوتا ہے۔

بندگی میں خلق کرکے سر کو خم آستان پاک پر پہنچے جو ہم
بندہ درگاہ کہلانے لگے

شاید یہی وہ مقام ہے جس کے فیوض سے "علماء امت" بھی "کانبیاء بنی اسرائیل" کے مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔ اور غالباً اس مقام کے حصول کے لئے ہوگا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) قریب قیامت جب نازل ہوں گے تو باوجود نبوت شریعت محمدی کے متبع ہونگے اور اس اتباع سے وہ درجہ پائیں گے۔

اور اغلب ہے کہ اسی درجہ کے لئے ہوتا اگر موسیٰ (علیہ السلام از مانہ بعثت رسول امیؐ (فداہ امی و ابی) پاتے تو اسی شریعت غرا کا اتباع کرتے جیسا کہ فرمایا ہے "لو کان موسیٰ حیًا وادرك نبوّتی لاتبعنی" (دارمی مشکوٰۃ عن جابر) اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا (زمانہ) پاتے۔ تو یقیناً میرا اتباع کرتے) ہر چند اس عنوان "سلاست وصفائی زبان" کے بیشتر اشعار ایسے ہیں جو مجاز پر بھی پوری طرح منطبق ہوتے ہیں۔ مگر حضرت کی طرف نسبت کے بعد حقیقی معنیٰ زیادہ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔

اس بات کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ جو کچھ مفہوم میں نے بیان کیا ہے، وہ میری سمجھ کے مطابق ہے یا پھر جو کچھ بزرگوں سے سنا تھا۔ وہ ہے ورنہ ان کا حقیقی مفہوم تو وہی ہوگا۔ جو ان اشعار کے کہتے، وقت حضرت کے پیش نظر ہوگا۔

تشریح بہت طویل ہو چکی۔ مگر پھر بھی کچھ نہ لکھا جا سکا۔ اور مجھے اس امر کا اقرار ہے کہ میں حق تشریح کا ایک شمہ بھی ادا نہ کر سکا۔ اور ادا کیسے کر سکتا جتنا میں ہوں اتنی میری سمجھ اور اتنی ہی تفصیل اور کئی مقامات پر تو الفاظ و ادا کے قیود نے میرے مافی الضمیر کو پوری طرح ادا نہ کرنے دیا۔ اور یہ سب کچھ حضرت کے دیوان سے "مشتے نمونہ از خروارے" ہے

ابھی بہت سے عنوان ایسے ہیں جو مستقل بحث کے طالب ہیں مثلاً وہ اشعار جو حمد و نعت و منقبت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضرت کے دیوان کا ایک مستقل حصہ ابتدائی دیوان میں ہے۔ یا جدت خیال و مضمون آخر میں کہ یہ بھی ایک علیحدہ عنوان چاہتی تھی۔ یا حضرت کی فارسی شاعری جو اگرچہ کمیت میں کم ہی۔ مگر کیفیت میں کم نہیں ہے۔ غرض ابھی یہ مضمون بہت کچھ تشنہ تفصیل ہے۔ ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

میں نے اس آخری عنوان "صفائی زبان" کی بحیثیت صفائی زبان کوئی توضیح نہیں کی ہے کیونکہ یہ خود محتاج تشریح نہیں البتہ جو مسائل تصوف ان اشعار سے مفہوم ہوتے ہیں۔ وہی زیر بحث آگئے ہیں۔ اور صفائی زبان والا عنوان بھی صوفیانہ شاعری کا عنوان بن گیا ہے۔ کیونکہ صورت حال کچھ ایسی ہی تھی۔

اس سارے مضمون میں جملہ ستر بہتر شعر ہی کا تذکرہ آسکا۔ حالانکہ خود میرے انتخاب کردہ اشعار میں سے یہ تعداد ایک چوتھائی سے بھی کم ہے۔ پھر کل دیوان کے جواہر پاروں کا کیا ذکر۔ جو ایک سدا بہار گلزار ہے اور اس سے ہر شخص اپنی ہمت و حوصلہ کے موافق ہی استفادہ کرسکتا ہے۔ اور استفادہ کرنے والا دیکھے گا۔ کہ یہ "افکار غیب" ۱۳۱۴ھ (جو حضرت کے دیوان کا اسم بامسمیٰ تاریخی نام ہے) ایسا پر بہار گلزار ہے۔ جو وسعت میں حد نگاہ تک پھیلا ہوا ہے۔ یا ایک ایسا وسیع سمندر ہے۔ جس کی تہ میں بے شمار موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ مگر غواص وہیں تک پہنچ سکتا ہے۔ جہاں تک اس کا دم ہے۔

غرض۔ داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد عرفی

صنائع و بدائع

دنیائے شاعری میں اگر کسی کالبد شعری کو جسم انسانی سے تشبیہ دی جائے۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ پری رویان شعر میں معانی کو وہی درجہ حاصل ہے۔ جو جسم انسانی میں روح کو نصیب ہے۔ اور الفاظ و زبان کی حیثیت جسد ظاہری کی سی ہوگی۔ بیان کی خوبیاں (تشبیہ و استعارہ و کنایہ) بمنزلہ خط و خال و چشم و ابرو کہوں گے۔ اور اس میں صنائع و بدائع کی

حیثیت وہی ہوگی جو حسینان عالم کے لئے زیور کی ہوتی ہے۔ یہ بالکل مسلم ہے کہ بغیر معانی کے مجموعہ الفاظ جسد بے روح ہے۔ خواہ اس کے خط و خال کیسے ہی بہتر کیوں نہ ہوں، اور چشم و ابرو میں کتنی ہی خوبی کیوں نہ پائی جائے۔ وہ جسد بے روح بیسیوں زیور سے آراستہ بھی ہو۔ تو روح کے بغیر کسی طرح کی دلربائی اس میں نہیں پائی جا سکتی۔ مرمریں مجسمہ خط و خال سے درست بنا کر، زیور سے آراستہ کر کے، آرائش کے لئے تو رکھا جا سکتا ہے۔ مگر اس میں کسی قسم کی محبوبیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح شعر بھی بغیر معانی کے خواہ وہ کتنا ہی تشبیہات و استعارات کے خط و خال کی خوبیوں سے درست اور صنائع کے زیوروں سے آراستہ ہو، دل نشین نہ ہو سکے گا۔

شکر تبراز وئے وزارت بر کش — شو ہمرہ بلبل لب ہرمہ وش (الاحیا)

بالکل اسی طرح کی مثال ہے۔ شعر جسد لفظی رکھتا ہے تشبیہات و استعارات کے خوبصورت چشم و ابرو کے ساتھ، زیور صنعت قلب (ہر مصرع کو الٹ دیجئے پھر وہی مصرع ہو جائے گا) سے بھی آراستہ ہے۔ مگر بالکل بے روح ہے کہ شرمندۂ معنی نہیں۔ صنائع و بدائع پر لکھنؤ کے دور عروج میں بڑی توجہ صرف کی گئی ہے۔

اور ان کے اس صنعت میں سب سے ممتاز شاعر امانت نے تو اس کو اتنی ترقی دی کہ اشعار صنائع کا مجموعہ ہو کر رہ گئے۔ اور بلندی معانی میں اتنی کمی ہوئی کہ شعر بالکل مردہ نہیں تو نیم مردہ ضرور ہو گئے۔

حضرت تعلق کی شاعری کی ابتدائی دور میں بھی امانت (۱۲۳۱ تا ۱۲۷۵) کے رنگ کا طوطی بول رہا تھا۔ اس لئے یہ رنگ قدرۃً مرغوب اہل زمانہ ہونے کے اعتبار سے (کسی کو شکر میں لپٹنے کے لئے) حضرت کی شاعری میں بھی آنا ضروری تھا۔

اور آیا۔ مگر فقر و تصوف کی مسیحا نفسی نے اس مردہ میں بھی جان پھونکی۔ اور اشعار کو ضلع جگت کے گڑھے سے نکال کر معانی کی بلندی پر پہنچایا۔

ہم نے تمہید میں بہ تفصیل اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ انبیا کے معجزات اور اولیا کی کرامات، مطلوبات زمانہ کے ہم رنگ ہوتی ہیں۔ اس لئے یہاں بھی سنۃ اللہ کے مطابق صنائع و بدائع کا زور ہے۔ اور کیوں نہ ہوتا۔

بھرا الفت سے اس کے دل اگر خالی نظر آیا + کیا ور د کے خالی دل کبھی اپنا جو بھر آیا

۱ اس شعر کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے "خالی کو بھرنا۔ اور بھرے کو خالی کرنا" عکس و تبدیل کی صنعت کتنی پر لطف ہے۔ محاورات کے ساتھ مضمون کی بلندی شعر کو بے مثل بنا رہی ہے۔

خوش نگاہوں سے نہ رکھ چشم حصول مطلب ان کو آہو نہ سمجھنا کہیں، صیاد ہیں سب

خوش نگار چشم حصول، اور آہو کی مراعاۃ النظیر۔ آہو اور صیاد کا طباق، خوش نگاہ آہو کو صیاد کہنے کا لطف، اور ان تین تین صنعتوں کے ایک ساتھ آنے کی لذت، اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کیا چیز ہے۔ اور پھر سالک کے لئے ایسی ہدایت ہے۔ جو اس کے لئے سرمۂ چشم بصیرت ہے۔

باولی الفت میں تیری ایک خلقت ہو گئی گر گیا اندھے کنویں میں، جس کو چاہت ہو گئی

چاہت، باولی اندھا کنویں، میں ایہام کا لطف قابل لحاظ ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ مبتلائے الفت ہونے کو "اندھے کنویں میں گر جانے سے تعبیر کرنا کس قدر بلیغ ہے۔

سامان عیش قسمت ارباب غم نہیں معدوم اس غلام کی بازی میں جنگ ہے

متلازی گنجفہ کی بازیوں میں دو بازیاں "غلام اور چنگ" کی بھی ہوتی ہیں۔ لفظ "بازی" کے ساتھ "غلام و چنگ" کے ایہام کو چھوڑیئے۔ سامان عیش اور چنگ (بمعنی نے) رباب اور ارباب کی مشابہت سے قطع نظر، شیخ ابوالحسن نوری (۲۹۵ھ) کے قول "الصوفی الذی لا یملک ولا یملک" "صوفی نہ کسی کا مالک ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی مالک ہوتا ہے" کی اس سے بہتر شعری تفسیر کیا ہو سکتی ارباب غم محبت کو سامان عیش سے کیا واسطہ۔ غلام کی ساری ملکیت، مالک کی ہوتی ہے۔ عبد کو حصول و چنگ سے کیا تعلق، آقا جس حال میں رکھے وہی اس کے لئے بہترین ہے۔ بس یہی اصل عبودیت ہے۔

خانۂ چشم میں جز یار سمایا نہ کوئی — عین محفل میں ہے عالم مجھے تنہائی کا

"چشم" کے ساتھ لفظ "عین" کا ایہام "خانہ" اور "محفل" اور پھر "عین محفل" کو "عالم تنہائی" ثابت کر دینا۔ ایسی کیفیت ہے جس سے اہل ذوق ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ یہ شعر "خلوت در انجمن" کی کس قدر بلیغ تشریح ہے۔ اور حضرت ابوبکر شبلی (۳۳۴ھ) کے قول "التصوف ھو عصمۃ عن رویۃ الکون" "عالم کون کی دید سے بچنے کا نام تصوف ہے" کی کیسی اچھی تفسیر ہے۔ اور خیال میں کمال انہماک کی بہترین تصویر۔

گل کا ان جو رکھے تو ابھی کہہ کے سنا دے — بلبل کو گلہ خار کا سب نوک زباں ہے

گل کی کان سے تشبیہ تو عام چیز ہے۔ مگر اس کے ساتھ "بلبل کو خار کا گلہ نوک زبان ہونا" اور گل کے متوجہ ہوئے بغیر سنانے آمادہ نہ ہونا۔ شعر میں کیا کیفیت پیدا کر رہا ہے مذاق صحیح ہی جانتا ہے۔

"گل، بلبل، خار، نوک" کی صنعت مراعاۃ النظیر مزید براں ہے۔ پھر یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ عام اشعار کی طرح، یہاں بلبل گل کی شاکی نہیں۔ کیونکہ یہ آداب محبت کے

خلاف ہے۔ اور گل کی توجہ کے بغیر وہ بھی سننے آمادہ نہیں کہ عاشقانہ رضا و تسلیم کے منافی ہے ہاں شکایت ہے تو خار سے ہے۔ اور وہ گل ہی سے بیان کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ خود گل متوجہ ہو سے

دل ہے ہوائے زلف میں یوں خاکسار کا آندھی میں جس طرح سے ہو نقشہ غبار کا

آندھی، ہوا، غبار، خاکسار کی مراعاۃ النظیر اور ایہام سے شعر میں جو ندرت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے قطع نظر تشبیہ بھی کس قدر لطیف ہے۔ اور پھر محب کی بربادی کی کیسی موثر کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ کیا محبت دل عاشق کے ساتھ وہی سلوک نہیں کرتی جو آندھی غبار کے ساتھ کرتی ہے؟ اس غزل کا دوسرا مطلع اپنی سلاست اور اثر و بیان کے لحاظ سے اس شعر سے بھی بلند ہے۔

پوچھے جو مجھ سے وصف کوئی زلف یار کا دکھلا دوں حال پیرہن تار تار کا

عاشق کے پیرہن تار تار کو دیکھ کر زلف یار کا اندازہ نہ صرف ظاہری صورت کے لحاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ کس درجہ عاشق کی برباد کرنے والی ہے۔ اور اس کی محبت میں کس قدر جادو ہے۔ کیا جا سکتا ہے۔ عاشق کے تار تار لباس کو دیکھ کر زلف یار کے حسن و خوبی کا اندازہ کرو۔ کہ جن زلفوں کی محبت نے پیرہن کو اس قدر تار تار کر دیا ہے۔ کہ موئے زلف سے مشابہ ہو گئے ہیں۔ اس کی قوت و تاثیر لفظوں میں کیسے بیان ہو سکے۔ کچھ اندازہ عاشق کے لباس تار تار ہی کے دیکھنے سے کیا جا سکتا ہے۔ کتنا بلیغ انداز بیان ہے۔ زلفوں کو پیرہن تار تار سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یا پیرہن تار تار کو زلفوں سے مشابہ قرار دیا گیا۔ لفظاً دونوں نہیں اور معناً دونوں ہیں۔

آگہہ بتان ہند ہوں قبلے کی سمت سے جھکتا ہے سر کدھر کی طرف آفتاب کا

اس شعر میں صنعت حسن تعلیل کے ساتھ "دوستان ہند" کی طرف خطاب اور "سمت قبلہ" کے الفاظ نے طرز بیان کی وجہ سے شاعرانہ استدلال کو منطقی استدلال کی طرح مستحکم کر دیا ہے۔ اس مضمون کو بعض اور شعرا نے بھی باندھا ہے۔

دبیر کہتے ہیں:۔

خورشید سر شام کہاں جاتا ہے | روشن ہے دبیر پر جہاں جاتا ہے
مغرب ہی کی جانب ہے مزار حیدر | یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے

انیس کہتے ہیں۔

جو روضہ میں باریاب ہو جاتا ہے | وہ اوج میں لاجواب ہو جاتا ہے
جلتا ہے جو شب کو قبر حیدر پہ چراغ | وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے

جلیل کہتے ہیں۔

روضہ میں جو فیضیاب ہو جاتا ہے | قطرہ سے درخوش آب ہو جاتا ہے
راتوں کو چراغ لحد حیدر سے | گرتا ہے جو گل گلاب ہو جاتا ہے

انیس (۱۲۱۶ھ تا ۱۲۹۱ھ) و دبیر (۱۲۰۱ھ تا ۱۲۹۲ھ) کی سلاست زبان کے کیا کہنے مگر حسن تعلیل میں واقفیت کا رنگ نہ بھرا جا سکا۔ اور انداز بیان میں یہ امر بالکل نمایاں ہے کہ اس علت و سبب کے بیان اور توجیہ میں شاعری کر رہے ہیں۔

جلیل کی رنگینی کلام بے نیاز داد ہے۔ لیکن یہاں الفاظ پر زیادہ زور ہے اور قطرہ کو 'دُر'، اور گل کو 'گلاب' بنا دیا ہے۔

حضرت کے شعر میں انداز تخاطب کا یہ حال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تحدّی کر رہا ہے۔ کہ بجز اس کے کچھ) نہیں آنکھیں رکھنے اور دیکھنے کے بعد بھی اگر دوستان ہند

کو کچھ نہیں سوجھتا۔ تو یہ صرف "غشا قلبی" کا اثر ہے۔ ورنہ انھیں معلوم ہو جاتا کہ وہ جسے اپنا معبود سمجھتے اور پوجتے ہیں۔ وہ بھی بجانب قبلہ سربسجود ہوتا ہے صنعت مہملہ (غیرمنقوطہ) میں کتنے ہی شعر ہوں گے۔ جو مہمل ہو گئے ہوں گے۔ ذرا یہاں بھی صنعت مہملہ میں معنی آخیزی ملاحظہ فرمائیے۔ رباعی۔

آرام و سرور لاکھ گر حاصل ہو آلام ہموم کا اگر حاصل ہو
اللہ سوا مراد دل گر ہو اور کس طرح وہ اہل دل ہو اور کامل ہو

کسی درویش صفت شاعر کی زبان سے صنعت مہملہ میں بھی درویشانہ کلام ہی موزوں ہو سکتا ہے کہ دنیا کے لاکھوں عیش و آرام حاصل ہو گئے۔ تو بھی کوئی کمال نہیں۔ مصائب زمانہ شدید سے شدید برداشت کر لینے کی کتنی ہی قابلیت پیدا ہو گئی ہو تو بھی اس نے کوئی کارنمایاں نہیں کر لیا۔ ہاں درویش کے لئے کوئی سب سے بڑی صفت ہو سکتی ہے۔ تو وہ یہی ہے۔ کہ کسی حال میں مراد دل خدا کے سوا کچھ اور نہ ہونے پائے یہی وہ تصوف ہے جس کی تعلیم "اسوہ حسنہ رسالت" نے فرمائی ہے۔ اور یہی وہ درویشی ہے۔ جس کی تلقین حامل شریعت و طریقت عارفین نے کی ہے۔

بڑی سے بڑی ریاضتیں کیا ہندو جوگی اور سنیاسی نہیں کر لیتے؟ پھر اسلام کی یہ کوئی مابہ الامتیاز چیز نہ ہوئی۔ اسلام کو دوسرے سارے مذاہب سے ممتاز کرنے والی یہی صفت ہے۔ کہ حصول دنیا میں لگے ہیں تو اس لئے کہ اس سے تعمیل احکام الٰہی ہو۔ ریاضت و مجاہدہ کر رہے ہیں تو اس لئے کہ قرب الٰہی۔ موافق احکام الٰہی نصیب ہو۔

ایک دوسری اور رباعی اسی صنعت میں ہے ملاحظہ ہو۔ رباعی

مولیٰ کا ہو اسم ورد ہر دم دل کا ہو مالک دل ہمدم و محرم دل کا

سودا اگر اس کو ہر اسرار کا ہو   گاہک اس دم ہو سارا عالم دل کا

رباعی کے آخری شعر کے مفہوم کو حضرت نے ایک دوسرے شعر میں بھی بیان فرمایا ہے

اسی پر ٹوٹ پڑتی ہے خدائی   جو دل ثابت رہے صدمے اٹھا کر

بقول حضرت شبلی (۳۳۴ھ) "الصوفی منقطع عن الخلق متصل بالحق"

صوفی خلق سے علحدہ اور حق سے پیوستہ ہوتا ہے) انقطاع عن الخلق ہی کے صدمات دل میں وہ مضبوطی پیدا کرتے ہیں۔ جو اتصال بالحق کا سبب ہوتی ہے۔ اور اتصال بالحق کے بعد اب ساری خدائی اس کی محبوب نہیں۔ بلکہ یہ اس کا محبوب ہوتا ہے۔ اور ایک دنیا اس پر ٹوٹ پڑتی ہے۔

اہل اللہ کے پاس بحیں حیات اور بعد وفات یہی وجہ اجتماع مخلوق ہے۔

مرزا غالب نے اپنے عاشقانہ رنگ میں اسی کیفیت کو پیش کیا ہے (سنہ ۱۲۱۱ تا ۱۲۸۵ھ)

اک خوں چکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں   پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

اندازہ کیجئے کہ جب ایک "شہید مجاز" کے "خون چکاں کفن" میں ایسے کروڑوں بناؤ ہو سکتے ہیں۔ کہ "حسینان عالم" بھی اسے چاہنے لگیں۔ تو "شہید حق" کے کفن میں اربوں بلکہ سنکھوں سے زیادہ بناؤ کیوں نہ ہوں۔ اور صرف حسین ہی کیوں؟ بلکہ سارا عالم اسکا شیفتہ اور ایک زمانہ اس کا دیوانہ کیسے نہ ہو؟

حضرت کے کلام میں صنائع و بدائع کی اتنی کثرت ہے کہ اس کا احصا مشکل ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کچھ بیان کردئے گئے۔

صنائع کے منجملہ حساب جمل سے مصرعوں میں تاریخ نکالنا بھی ایک خاص ہنر ہے اور ایک علحدہ باب کا طالب ہے۔ حضرت کے دیوان میں بھی بکثرت تاریخیں (حساب جمل

موجود ہیں۔ ہم ان میں سے بھی چند پہ اکتفا کریں گے۔

یوں تو تاریخ بیسیوں طریقوں سے نکالی جاتی ہے۔ کبھی جمع سے کام لیا جاتا ہے۔ تو کبھی تفریق سے، کہیں ضرب کو کام میں لایا جاتا ہے۔ تو کہیں تقسیم کو۔ کہیں حروف مہملہ میں تاریخ کہی جاتی ہے تو کہیں معجمہ میں۔ کسی جگہ مدخلہ کام میں لایا جاتا ہے۔ تو کہیں تخرجہ، اور کہیں دونوں، تفصیل متعلقہ کتب میں ملے گی۔ عام طور پر تاریخ وہی اچھی سمجھی جاتی ہے جو پورے مصرع میں ہو۔ اور اس کے الفاظ واقعہ تاریخ کو بھی ظاہر کر رہے ہوں۔ مصرع میں لغو اور بھرتی کے الفاظ نہ ہوں۔ تدخلہ یا تخرجہ ہو تو ایسا، جو واقعہ سے کسی طرح کی مناسبت رکھتا ہو۔ امور مسرت میں تدخلہ، اور واقعات غم میں تخرجہ مناسب، ناموزوں نہیں سمجھا جاتا۔ اور سب سے اہم چیز مصرع کی بے ساختگی ہے کہ آورد و تکلف نہ ہو۔ اور واقعہ کے تذکرہ ہی کے مصرع سے اس کا سن نکلنا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت کے دیوان میں ایسی متعدد تاریخیں ہیں جن کے سنین والے مصرع تاریخ کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت مولانا شجاع الدین (رحمۃ اللہ علیہ) (جو حضرت کی والدہ کے نانا اور سلسلۂ بیعت مرشد کے مرشد تھے) کی وفات کی تاریخ کتنی بے ساختہ فرمائی ہے۔

ع ۔ از دکن وائے آفتاب برفت

پورے مصرع سے بلا کسی تدخلہ تخرجہ کے سن وفات ۱۲۶۵ھ نکلتا ہے۔ اور حضرت کا آفتاب دکن ہونا، کیا بلحاظ حقیقت، اور کیا بلحاظ عقیدت ہر طرح مسلم ہے۔

حضرت ممدوح کی تعمیر گنبد کے کچھ عرصہ بعد، جبکہ سائبان گنبد بنا۔ اس کی تاریخ فرمائی۔ مناسب تدخلہ کی وجہ سے وہ بھی بے نظیر ہے۔

بھر دیا نور سے حسد اُنے خلق — سائباں کیا ہے قصر جنت ہے
۲۵۶ — ۱۰۲۸ + ۲۵۶ = ۱۲۸۴ھ

خانقاہ حضرت شاہ خاموش کی تعمیر کی تاریخیں بھی کئی ہیں۔ یہ مصرع کس قدر بے ساختہ ہے۔ ع بنا میخانۂ عشق الہٰی ر ،

مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم (جو حضرت کے پھوپی زاد بھائی ہوتے تھے) نے جب اپنا دیوان خانہ کوٹھی کے نام سے موسوم تعمیر کروایا ۔تو حضرت نے تاریخ فرمائی۔

ع۔ آج آراستہ کوٹھی ہوئی جیسے دلہن

حضرت مولوی عبدالقادر صاحب صدیقی (جو حضرت کے بہنوئی ہوتے تھے) نے جب تذکرۂ قادریہ کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا تو اس کی تاریخ فرمائی۔

ع۔ شد مرتب زہے رسالہ پاک ۱۲۸۷ھ

اسی طرح عربی میں بھی بعض تاریخیں نکالی ہیں مفتی صاحب مذکور الصدر کی کوٹھی تعمیر ہونے پر فرمایا۔ ع فقد نودیت۔ ھذا قصر خیر ۱۳۰۵ھ

حضرت بہبود علی شاہ صاحب کی تاریخ وفات فرمائی ہے۔

ع۔ ختم اللہ بہ بالحسنیٰ ۱۳۰۱ھ

غرض کس کس چیز کی کوئی کہاں تک تشریح و تفصیل کرے۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

سنگلاخ زمیں

سنگلاخ زمینوں میں شعر کہنا شعر کی کوئی خوبی نہیں۔ مگر شاعر کی مہارت اور قدرت کلام کا آئینہ دار ضرور ہے۔ فصاحت و بلاغت کا رہوار سنگلاخ وادیوں میں

میں دوڑانا، اور پھر اسی طرح کا قابو اور وہی روانی باقی رکھنا۔ غیر معمولی قدرت کا نمونہ ہے۔ جو وقت پسند انسان کو مسحور کر لیتا۔ اور اس کے بس کی بات نہ ہونے کی وجہ سے اپنا کلمہ پڑھوا لیتا ہے۔

توڑے پتھر، چھوڑے پتھر، کی سی پتھریلی زمین میں غزل فرمائی ہے۔ جس کے تیس[۳۰] سے زیادہ اشعار ہیں۔ اور ایسی سنگلاخ زمین میں بھی سلاست و مضمون کے دریا بہائے ہیں۔ اور اپنی خصوصیات یہاں بھی برقرار رکھی ہیں۔

ان ہی باتوں نے تو دیوانہ بنا رکھا ہے
پھر کہے جاؤ پڑیں تجھ پہ نگوڑے پتھر

شعر مجاز کا سہی۔ مگر حقیقت سے بھی دور نہیں حضرت انسان نے "انہ کان ظلوماً جھولا۔ (بیشک وہ بڑا ہی ظالم و نادان ہے) سننے کے لئے ہی تو بارِ امانت اٹھا لیا تھا۔ جب محبت میں یہی چیزیں لذت فزا ہوں۔ تو پھر کیسے۔ انھیں باتوں سے جوشِ محبت، موج زن ہو کر دیوانہ نہ بنا دے۔

صاف دل بن کے محبت میں کیا رام اسے
شعبدہ دیکھئے آئینہ سے پھوڑے پتھر

ذوق (۱۲۰۴ھ تا ۱۲۷۱ھ) کہتے ہیں۔

نازک کلامیاں مری توڑیں عدو کا دل
میں وہ بلا ہوں شیشہ سے پتھر کو توڑ دوں

دونوں اشعار کا مضمون ایک سا ہے۔ مگر دونوں میں اپنے کہنے والے کی خصوصیات برابر جلوہ گر ہیں۔ یہاں عدو کا کیا ذکر۔ دوست کے تذکرہ سے فرصت ہی کسے جو دشمن کا

خیال آئے۔ اس لئے زمین کی سختی کے باوجود طبیعت کی نرمی ہویدا ہے۔ زمین کی سختی پر بھی دل کے نرم ہی کرنے کا کام ہو رہا ہے۔ اور ذوق (سنہ ۱۲۰۴ھ تا ۱۲۷۱ھ) نازک کلامیوں کے باوجود دل توڑنے ہی کا کام کئے جا رہے ہیں۔ اور ان کے دل میں الفت دوست سے زیادہ عداوت دشمن جاگزیں ہے۔ اور ہر امر میں امانیت کی وجہ سے وہی فخر و مباہات کا رنگ ہے جو تعمیر کے لئے آیا ہے۔ وہ تعمیر ہی کر رہا ہے۔ اور جس کے پیش نظر تخریب ہے۔ وہ وہی کئے جا رہا ہے۔

حضرت کے تمام دیوان میں۔ دشمن۔ عدو۔ غیر اور رقیب کا تذکرہ جس سے ہمارے شعراء کے دیوان بھرے پڑے ہیں۔ نہ ہونے کے برابر ہی ہے بعض مقام پر ذکر آیا بھی ہے۔ تو اس طرح گویا غیر، غیر نہیں اپنا ہی ہے۔

ایک دوسری غزل آنا سچ مچ! جانا سچ مچ، کی ردیف و قافیہ میں ہے اس کا ایک شعر اوپر کہیں مذکور ہو چکا ہے۔

کھیلو گر کھیلتے ہو آنکھ مچولا ہم سے
پر یہ ہے شرط کہ صورت نہ چھپانا سچ مچ

ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق اس شعر کی توجیہ بھی اوپر کر دی ہے اس غزل کے ایک شعر میں غیر کا تذکرہ آتا ہے۔ دیکھئے کس انداز سے آتا ہے۔

ہے جو منظور ہوا خواہی اغیار تمہیں
خاک آنکھوں میں نہ یوں ڈالکے جانا سچ مچ

ہوا اور خاک منظور اور آنکھوں کے ابہام سے قطع نظر مضمون کو دیکھئے۔ کیا غیر میں بھی کوئی بوئے غیریت ہے۔ میں دیوان میں غیر سے متعلق اشعار کی تلاش

کر رہا تھا کہ یہ شعر ملا۔ بس اسی پر اپنی تلاش ختم کر دی۔

خانۂ یار میں ہے غیر کہاں
ڈھونڈتا ہے تو جا بجا کس کو

یہ ہے وہ نمونہ جس میں تذکرۂ غیر آیا ہے اور اس طرح کے اشعار بھی، دیوان بھر میں تھوڑے ہی ہیں۔

ہوش میں لاتے ہیں بے ہوش کبھی کرتے ہیں
گر بنانا ہو تو دیوانہ بنانا سیکھ مجھ

عاشق جانباز کے لئے محبوب کی اداؤں کی رنگا رنگی جہاں جوش جنوں میں اضافہ کر سکتی ہے۔ وہیں کبھی سرد مہری کا شبہ پیدا کرنے کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ اور عاشق کی انتہا طلبی اگرچہ اس تنوع سے کبھی بظاہر شاکی نظر آئے مگر حقیقت میں وہ شکایت نہیں ہوتی۔ بلکہ جوشش محبت ہی کا ایک رنگ ہوتا ہے جس سے شکوے کی سی کیفیت جھلکتی ہے۔

ایک اور غزل "خاک پر سبزہ" اور "افلاک پر سبزہ" کی ردیف و قافیہ میں فرمائی گئی ہے۔ "اہل اللہ" سے یقیناً بعد رحلت بھی دریائے فیض جاری رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

بہا زیر زمیں بھی فیض جاری چشم گریاں کا
ہرا رہتا ہے ہر موسم میں اپنی خاک کا سبزہ

جس سرزمین سے ہر وقت چشمے ابلتے رہتے ہوں۔ وہاں ہمیشہ ہی بہار رہتی ہے۔ اور ہر وقت یکساں شادابی کی کیفیت نظر افروز ہوتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔

جب کہ ان چشموں کے سوتے سمندر سے ملحق ہوں۔ خود ہی فرماتے ہیں۔

یہ اس سلطان دیں کے گنبد اخضر کا سایہ ہے

مسلمانو! نہیں ہے یہ ہماری خاک پر سبزہ

رحمۃ للعٰلمین ہی کے گنبد اخضر کے سایہ سے سارے عالم میں سرسبزی ہویدا ہے۔ اور پھر جس کو اس سے جتنی نسبت زیادہ ہوگی۔ اتنی ہی اس کی سرسبزی دائمی اور زیادہ بصارت افروز ہوگی۔ حتیٰ کہ سبزۂ خاک فرش سندس بنکر اس عالم میں جنت کی فضا کر دے گا۔ اور ہر دیکھنے والے کی زبان سے بے اختیار نکل پڑے گا۔

عروسان چمن پر ہے گماں حوران جنت کا

بچھا ہے فرش سندس یا اگا ہے خاک پر سبزہ

غرض یہ کہ آخر میں یہی کہکر قلم روکنا پڑتا ہے کہ

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

بماند تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی (سعدی)

حصہ سوم

ضمیمۂ حیات

یعنی

مختصر حالات حضرت سیدی شاہ محمد عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ

از

سید محی الدین قادری

ضمیمۂ حیات

یعنی

مختصر حالات حضرت سیدی مولانا حافظ شاہ سید محمد عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز

آپ کی ولادت ماہ صفر ۱۲۹۰ھ میں ہوئی۔ آپ کا سن جب چوبیس سال کا ہوا تو ۱۳۱۴ھ میں آپ بعارضہ بخار سخت علیل ہوگئے۔ پستی اس قدر بڑھ گئی کہ خود سے حرکت نہ کرسکتے تھے۔ حالت ایسی بگڑی ہوئی تھی کہ زیست کی توقع کم دکھائی دیتی تھی، کوئی قرابتدار شاید ایسا نہ تھا جو نہ آیا ہو۔ مگر حضرت خواجہ محبوب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کبھی صاحبزادہ کو دیکھنے زنانی مکان میں تشریف نہیں لائے۔ باہر دیوان خانہ ہی میں تشریف فرما رہے (حالانکہ آپ صاحبزادے کو بہت چاہتے تھے) روزانہ پل پل کی کیفیت پہنچائی جارہی ہے، حکیم بلوائے جارہے ہیں۔ علاج ہو رہا ہے، گھر کا گھر پریشان ہے، اہل برادری اور ملاقاتیوں کا عیادت کے لئے تانتا بندھا ہوا ہے۔ ادھر صاحبزادہ صاحب کا یہ حال ہے کہ ہر ایک سے یہ کہتے کہ حضرت سے یہ عرض کرو کہ پانچ منٹ کے لئے رونق افروز ہوں تاکہ میں آخری دیدار دیکھ لوں اس لئے کہ بخار کا سلسلہ بہت طویل ہوگیا تھا۔ غالباً بارہ چودہ روز ہوئے تھے کہ بخار اترا نہ تھا۔ پستی بے حد ہوگئی تھی۔ صاحبزادہ صاحب کے اس معروضہ کو حضرت کے تمام بھائی صاحبان وخلفاء وغیرہ نے پہنچایا اور سفارش بھی کی لیکن آپ نے کچھ توجہ ہی نہ فرمائی۔

آخر ایک روز صاحب کا خیال آیا تو از خود تشریف فرما ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب نے (جو بستر پر پڑے شوق قدمبوسی میں چشم براہ تھے)۔ اسی طرح پڑے پڑے فرط مسرت سے

اپنا سر حضرت کے قدموں پر رکھ کر رونا شروع کیا تو آپ نے صاحبزادہ کو دلاسا دیا اور فرمایا کہ پریشان کیوں ہو۔ میں جس طرح کہوں کیا تعمیل کروگے؟ صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا۔ بسروچشم! ارشاد ہوا کہ اچھا آج سے دوا چھوڑ دو اور یہاں سے میرے ساتھ چلو۔ صاحبزادہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے ساتھ اس مکان سے (جہاں صاحبزادہ صاحب تھے۔ دوسرے بازو والے مکان میں (جس میں حضرت تشریف رکھا کرتے تھے) چلاتے ہوئے لے گئے، تھوڑی دور اس طرح نہ چلے تھے کہ حضرت کی میاں صاحب قبلہ قدس سرہٗ نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو بادشاہ (یعنی حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہؒ) کو میں گود میں اٹھا کر وہاں پہنچا دوں تو حضرت نے اسکی اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ حضرت ممدوح آپ کو گود میں اٹھا کر بازو والے مکان جس میں پہنچنے سے قبل جلد از جلد بستر بچھا دیا گیا تھا۔ لاکر بستر پر لٹا دیا۔ اس مکان میں منتقل کرنے کے بعد خدا جانے حضرت نے کیا دعا فرمائی؟ یا کس نظر فیض اثر سے کام لیا کہ روز بروز صحت ہوتی چلی یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں صاحبزادہ صاحب کا مزاج بالکل سنبھل گیا۔ علالت جاتی رہی صحتمند ہو گئے۔

اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی حضرت کا وصال ہو گیا۔ دارالشفاء والی بی صاحبہ کہتی تھیں کہ میں نے بعد وصال حضرت کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں میں ابھی اور زندہ رہتا تھا لیکن میں نے اپنی عمر "عثمان میاں" کو دیدی ہے۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہ صرف حضرت کا تصرف تھا اور اب حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کا جو کچھ بھی زمانہ گزرا وہ درحقیقت حضرت ہی کا زمانہ تھا۔ واقعات وحالات سے اس کی مزید توثیق ہوتی ہے۔ یوں تو جزویت ہی کیا کم تھی۔ پھر جانشینی اس پر عمر کے حصہ کا عطا فرمانا مزید ہو گیا۔ بہرحال آپ کے دورِ حیات میں بھی وہی کرشمے دکھائی دئے اور وہی رنگ تھا۔

یہی نقشہ ہے یہی رنگ ہے ساماں ہے یہی　　　یہ جو صورت ہے تری صورت جاناں ہے یہی

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ناشتہ کے بعد ارشاد ہوا کہ آج رات ایک خواب دیکھا جس سے مجھے اس قدر مسرت ہے کہ ایسی مسرت اب تک کبھی نہیں ہوئی۔ وہ خواب یہ تھا کہ حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ تشریف فرما ہیں۔ اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں چوڑی کا جوڑا ہے۔ حضرت نے مجھے نزدیک بلا کر اپنے دونوں ہاتھوں کی چوڑیاں میرے دونوں ہاتھوں میں پہنائیں۔ اور فرمایا کہ آج تک ہم سہاگن تھے آج سے تم سہاگن ہو۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اس خواب سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ اور آپ میں کوئی جدائی نہیں ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ رح کی علالت کا سلسلہ جب طول کھینچا اور جدہ شریف میں حالت دگرگوں ہوگئی تو آپ کا بایاں پیر بالکل خشک ہوگیا تھا۔ حرکت نہ کرسکتے تھے۔"

اسی زمانہ میں حضرت مولانا افضل مدظلہ نے خواب میں حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کو ملاحظہ فرمایا کہ حضرت کا بایاں پیر بالکل سوکھ گیا ہے جس کو آپ حرکت نہیں دے سکتے ہیں حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو پریشان تھا کہ یہ کیا خواب ہے اور اس کی تعبیر کیا؟ دو چار روز بعد ہی جب حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ کے انتقال کی اطلاع ملی تو سمجھا کہ غالباً اسی خبر کی جانب اشارہ تھا لیکن بعد میں جب تفصیلی علالت کا علم ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت کا اس جانب اشارہ تھا کہ حقیقتاً ان کا وجود میرا وجود ہے دوسرا ثبوت یہ ہے کہ حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں باقی رہی آپ کا مزار مبارک بھی یہاں نہیں جس کی وجہ سے عرس وغیرہ علیحدہ تواریخ

مقررہ پر تو ضرور ہوتا ہے لیکن تمام مراسم حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے مزار مبارک پر بھی انجام پاتے ہیں بہر حال ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کا پورا پورا ثبوت ہے تا کہ دیکھنے والی آنکھ دیکھے اور سمجھنے والے دماغ سمجھیں ع۔ "دیکھنے والوں کو ہے کافی سہولت دید میں"

ان ہی واقعات کی بنا پر ہمنے اس حصہ کا نام 'ضمیمہ حیات' رکھا ہے تفصیلی واقعات وکرامات وغیرہ کی تو اس میں گنجائش نہیں البتہ کچھ بالاختصار پیش کیے جائیں گے۔

تعلیم و تربیت آپ کی ابتدائی تعلیم حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے پاس ہوئی۔ حضرت مولانا فضل مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے سبق برابر یاد نہ کیا تھا جس کی وجہ سے خواجہ محبوب اللہ رحؒ آپ پر خفا ہوئے حضرت فرماتے تھے کہ جب میں خفا ہوا تو حضرت پیران پیر غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "کیوں برہم ہوتے ہو چھوڑ دو ہم پڑھا لیں گے"! اس کے بعد سے حضرت نے آپ کو پڑھانا چھوڑ دیا۔ پھر حضرت پیر رضؓ کے فیضان سے آپ کی وہ تعلیم ہوئی کہ تفسیر، حدیث فقہ وادب وغیرہ میں کافی مہارت حاصل کر لی۔ فارسی، عربی میں نہایت بے تکلف گفتگو فرماتے تھے۔ اس میں آپ نے نظمیں بھی کہی ہیں۔ آپ کے بعض عربی، فارسی تحریرات بھی موجود ہیں۔ جس سے آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔

آپ حافظ و قاری بھی تھے۔ حفظ کی تکمیل آخر زمانہ میں کی اور سب سے پہلے بعد ختم حفظ حرم نبوی صلعم میں آپ نے تراویح میں کلام مجید سنایا۔

فن خوشنویسی میں بھی کافی دخل رکھتے تھے۔ عربی و فارسی ہر دو قلم بہت اچھے تھے خط میں بانکپن، دوائر کی کشش، الفاظ کی نشست قابل دید ہے۔ آپ کے بعض قلمی قطعات اس وقت تک موجود ہیں جس سے اہل ذوق ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

فن شاعری سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ غزل، قصیدہ، مسدس، رباعی، نظم سب میں اور ہر زبان یعنے اردو، فارسی، عربی میں آپ کا کلام موجود ہے۔ مگر زیادہ اردو میں ہے اور کلام کا بیشتر حصہ نعتیہ ہے۔ فائق تخلص فرماتے تھے۔

ریاضت و اتباع سنت ۔آپ اتباع سنت نبوی صلعم کے نہ صرف خود شدت سے پابند تھے بلکہ اپنے مریدین و متوسلین کو بھی سختی سے پابندی کی تاکید فرمایا کرتے۔ تہجدّ کی نماز کی سب کو تاکید فرماتے رہے۔ اگر پیر بھائیوں یا پیر بہنوں میں کوئی نماز تہجد کا پابند نہ ہوتا تو آپ ان سے کوئی کام لینے یا بات کرنے سے احتراز فرماتے تاکہ آئندہ انکو احساس پیدا ہوا اور وہ اس کی پابندی کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ چنانچہ بعض دفعہ گھر میں آپ نے کسی سے پانی طلب کیا اور کوئی ایسی پیر بہن جو نماز تہجد کی پابند نہ تھیں۔ پانی لاتیں تو آپ اپنا منہ پھیر لیتے وہ پریشان ہو کر عرض کرتیں کہ حضرت مجھ سے کیا قصور ہوا؟ تو آپ فرماتے کہ تم تہجد کی پابند نہیں ہو۔ اس ارشاد و خفگی کا یہ اثر ہوتا کہ وہ بیحد متاثر ہوتیں اور آئندہ تہجد کی پابند ہو جاتیں۔

کبھی آپ کی تہجد کے وقت آنکھ نہ کھلتی تو آپ اپنے نفس پر سختی کرتے۔ یعنی صبح کا ناشتہ نہ فرماتے۔ بعض دفعہ اس سے زیادہ بھی اپنے نفس پر سختی فرمائی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک روز آپ نے کمرہ میں جا کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ جسم سے کپڑے اتارے اور لکڑیوں کے گٹھے سے اپنے آپ کو مارنا شروع کیا جب زور سے

مار کی آواز سنائی دی تو گھر کا گھر حیران تھا کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ آخر کمرہ کے قریب پہنچے تو کمرہ کے اندر سے آواز سنی گئی۔ آپ کی والدہ محترمہ نے پریشان ہو کر دروازہ کھٹ کھٹایا۔ اور آپ کو پکارنا شروع کیا۔ آپ نے دروازہ کھولا تو ماجرا دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ جی کچھ نہیں! میرا نفس بہت سرکش ہو گیا ہے۔ اس لئے میں آج اسکو سزا دینا چاہتا ہوں۔ والدہ صاحبہ نے آپ کے ہاتھ سے لکڑیوں کا گٹھا چھین کر اس کو ختم کر دیا۔

ایک دفعہ ماہ محرم الحرام میں آپ نے حاضر الوقت خادمیں سے فرمایا کہ ہر روز ایک ایک صاحب اپنے جسم کے کپڑے اتار کر صرف لنگ باندھے ہوئے قاضی پورہ سے نکل کر پنچ محلہ کے اطراف سے گھوم کر آئیں (مخفی مباد کہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ماہ محرم الحرام میں اطراف وجوانب کے لوگ بلدہ میں جمع ہوتے پنچ محلہ شاہی آباد رہتا تھا۔ ہر جا رنگ کھڑے رہتے کھیل تماشہ کا خاص اہتمام ہوتا ہر روز راستوں میلا سا لگا رہتا تھا) سب کو یہ ہدایت فرما کر سب سے پہلے آپ نے اپنے جسم کے کپڑے اتارے، اور اسی طرح پنچ محلہ، چارمینار، لاڑ بازار سے ہوتے ہوئے مکان واپس تشریف لائے۔ جس وقت آپ راستوں سے گزر رہے تھے ہر شخص استعجاب کی نظر سے آپ کو دیکھ رہا تھا بعض کم سمجھ نادانوں نے مضحکہ بھی اُڑایا بعضوں نے کہا کہ آج کچھ جذب کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ خود آپ فرماتے تھے کہ راستہ میں بعض ملاقاتی بھی ملے لیکن محض اس خیال کے تحت کہ شاید میرے دماغ پر کچھ اثر ہو گیا مجھ سے علیک سلیک تک نہ کی۔

عہ از مولانا شریف حسین صاحب صدیقی۔

پھر آپ نے اپنی واپسی کے بعد دوسرے خادمین کو یکے بعد دیگرے اسی طرح روانہ فرمایا حاجی یوسف علی صاحب جن کو آپ ہی سے بیعت حاصل ہے بیان کرتے ہیں کہ ان حاضرین میں میں بھی تھا۔ اور اپنی باری پر تعمیل حکم کی سعادت حاصل کی۔

ایک زمانہ ایسا بھی گذرا کہ ہر ماہ محرم الحرام کی پہلی تاریخ سے دسویں تاریخ تک آپ مکان کے ایک کمرہ میں معتکف رہتے اس طرح کہ کسی آدمی کی صورت تک نہیں دیکھتے تھے۔ ارشاد تھا کہ کھانے کے وقت دروازہ آہستہ کھول کر بازو کھانے کا خوان رکھدیا جائے کوئی کمرہ کے اندر داخل نہ ہو۔ دس دن روزہ رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ زمانہ شباب میں ہم نے ان متبرک ایام کو لغویات میں صرف کیا ہے اس لئے یہ اس کا کفارہ ہے،

اتباع سنت کا یہ عالم تھا کہ ہر فعل سنت نبوی صلعم سے خالی نہ ہوتا۔ روزانہ شب میں سوتے وقت آنکھوں میں سرمہ لگاتے آئینہ دیکھتے، مسواک کرتے، کمبل پر آرام فرماتے اور کمبل پر ہی اکثر تشریف رکھا کرتے۔

نعلین کا رواج بھی آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے کوئی نعلین پہنتا نہ تھا، آپ ہی نے سب سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کے نمونہ پر نعلین بنوائی۔ جس وقت آپ نے نعلین کی ابتدا کی تو بلدہ کے اکثر لوگ اس پر پھبتیاں کستے تھے۔ مگر اللہ والوں کا ہر فعل جو حب نبوی کے تحت ہو رنگ لاکر ہی رہتا ہے، آخر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اب ہر طرف نعلین کا رواج عام ہوگیا۔ ہر بڑا، چھوٹا، امیر، غریب اس کو شوق سے پہنتا دکھائی دیتا ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ چپل کے نام سے موسوم ہے اور نعلین نبوی صلعم کا پورا نمونہ بھی نہیں۔

۵۔ از حاجی یوسف علیصاحب۔

اس اتباع و تعلق کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نظر عنایت تھی۔ بہت کثرت سے سرکار دو جہاں کی رویت سے آپ مشرف ہوتے تھے چنانچہ خود فرماتے تھے کہ اگر چار روز اس طرح گذر جائیں کہ میں خواب میں سرکار کے جمال مبارک کو نہ دیکھوں تو میرا جی بے چین ہو جاتا ہے

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک عرصے سے میری ہر نماز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ادا ہو رہی ہے یعنی جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو آقائے نامدار (روحی فداہ) کو امام پاتا ہوں۔ سبحان اللہ۔ اگر کوئی عمر تمام میں ایک آدھ مرتبہ اس جمال مصطفوی صلعم سے عالم رویا میں مشرف ہو تو وہ اس سرفرازی پر نازاں ہوتا ہے۔ اور یہ ناز بجا بھی ہے کہ زندگی کا ماحصل اس نور مبارک کا دیدار ہے۔ مگر یہاں ہر چوتھے پانچویں بلکہ ہر نماز اس مظہر حسن لایزال کی اقتدا میں ادا ہو رہی ہے۔ ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اس اتباع و تعلق کا نتیجہ کہئے یا محبت کا اثر کہ فنائیت تامہ کا ثبوت ہر چشم بینا کو بدیہی طور پر دکھا دیا گیا۔ ے

آنکھ والا تری جوبن کا تماشا دیکھے ‏ ‏ ‏ دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اس فنائیت تامہ سے متعلق ایک واقعہ جو متعدد اصحاب سے مروی ہے پیش کیا جاتا ہے

حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے زمانہ میں ہر سال ماہ ربیع الآخر شریف میں ایک مجلس مشاعرہ منعقد ہوتی جس میں اکثر بلدہ کے شعرا شرکت فرماتے تھے۔ اس مشاعرہ کے جملہ انتظامات مولوی تراب علی صاحب تجمل سے متعلق رہا کرتے۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۱ھ میں جبکہ حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ رح مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے ربیع الآخر شریف کا مہینہ آیا اور اوائل ماہ سے ہی میں آشوب چشم سے علیل ہو گیا تکلیف زیادہ تھی اس لئے باہر نکل نہ سکتا تھا۔ اسی تکلیف میں شب یازدہم شریف کو حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ رح کو خواب میں دیکھا کہ مکان میں آپ تشریف فرما ہیں مغرب کا وقت ہے میں بھی سامنے حاضر ہوں آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ "آج مشاعرہ ہے تم نے بھی غزل کہی ہے یا نہیں"؟ میں نے عرض کی کہ مجھے اس مشاعرہ کا کوئی علم ہی نہیں کہ مشاعرہ کب سے ہے اور طرح کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ مشاعرہ آج رات کے دس بجے سے شروع ہوگا اور طرحی مصرع یہ ہے۔ ع کہ میں مدینہ میں کہ جدہ میں بنی ہیں

میں نے پھر عرض کی کہ وقت بالکل کم ہے اسقدر قلیل مدت میں میں کیا کہ سکوں گا؟ تو پھر ارشاد ہوا کہ "دو چار شعر جو بھی ہو جائیں کہہ لو" اس خواب سے بیدار ہونے کے بعد میں بہت دیر تک غور کرتا رہا کہ یہ کیا خواب ہے اور اس کی تعبیر کیا؟ بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس خواب سے اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ مشاعرہ میں یہی مصرع طرح رکھا جائے۔

۱۱ ربیع الآخر شریف کو چونکہ آثار مبارک کا برآمد کرنا ضروری تھا اس لئے حمام کیا، لباس بدلا، باہر نکلا، وعظ ہوا، آثار مبارک کی زیارت ہوئی، اس کے بعد تمام اہل محفل کھانے کے مقام پر پہنچے۔ ان حاضرین میں تراب علی صاحب جمیل بھی تھے میں نے ان سے رات کا خواب بیان کر کے کہا کہ مصرعہ طرح یہی دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اس پر جمیل صاحب نے اپنے جیب سے مطبوعہ اشتہارات نکال کر میرے سامنے رکھ دئیے اور کہنے لگے کہ میں

متعدد مرتبہ اس اشتہار کا مسودہ آپ کو دکھا کر طبع کرانے کے لئے لایا تھا لیکن آپ کی آنکھوں میں درد ہونے کی وجہ ملاقات نہ ہو سکی۔ آخر بایں خیال کہ دن تھوڑے رہ گئے ہیں اشتہار طبع کرائے اور اس دفعہ دو مصرع طرح کے رکھے گئے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ تیسرا مصرعہ اگر یہ بھی رکھدیا جائے تو کیا ہرج ہے؟ تراب علی صاحب نے اس مشورہ کو پسند کیا اور بجائے دو کے تین مصرعہ طرحی رکھ دیئے گئے۔ اکثر اصحاب معترض رہے کہ یہ تیسرا مصرع بے معنی ہے۔ مکہ میں سرکار دوجہاں صلعم کا تولد ہے تو مدینہ طیبہ میں روضہ اطہر، مگر جدہ میں کیا ہے؟ بہر حال مشاعرہ ہوا۔ اکثر اصحاب نے غزلیں کہیں اور سب اس مصرعہ پر حیران تھے۔

جب ماہ شوال ۱۳۳۱ھ میں حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہؒ کو چند ماہ کے لئے حیدر آباد لانے کے ارادہ سے میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور مجبور کر کے حضرت کو لے کر نکلا۔ جدہ شریف پہنچنے کے بعد حضرت کا وصال ہو گیا۔ اور میری جدہ سے واپسی ہوئی تو حضرت کی میاں صاحب قبلہ رح نے یہ ارشاد فرمایا کہ "مشاعرہ کے طرحی مصرعہ میں اسی کی جانب اشارہ تھا کہ " میں فنا فی الرسول ہوں" اس کے بعد فرمایا کہ "حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ (حضرت سید عثمان حسینی صاحبؒ) کو کسی نے پہچانا نہیں"۔

سبحان اللہ سرکار دوجہان صلعم کی ذات مبارک میں فنا ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ یوں تو فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کہہ لینا بہت آسان ہے مگر حقیقت حال اور چیز ہے سے۔

این سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دیگر بزرگان دین کے حالات سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بعض محبوبین

بارگاہ الٰہی ایسے بھی گذرے ہیں کہ ان کی شخصیت و رتبہ کا دنیا پر اظہار قدرت نے ضروری تصور کیا تو ایسے ہی واقعات پیش آئے جیسے بعض بزرگان دین کے انتقال پر ندائے غیبی ہوئی تو بعض کے وصال کے وقت غیب سے تحریر نمایاں ہوئی تاکہ دنیا ان کو اچھی طرح سمجھ سکے۔ اسی طرح حضرت کی عالی مقامی کا دنیا پر ظاہر کرنا غالباً قدرت کو منظور تھا اس لئے اس واقعہ کا ظہور عمل میں آیا۔ اس مشاعرہ میں بلدہ کے متعدد شعرا نے حصہ لیا اور سینکڑوں نے شرکت کی منجملہ ان کے حسب ذیل حضرات جو شریک مشاعرہ تھے موجود ہیں۔

(۱) حضرت مولانا مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی مدظلہٗ (۲) مولوی حاجی یوسف علی صاحب (۳) مولوی احمد عبدالعزیز صاحب سلمہ اور (۴) مولوی تراب علی صاحب جمیلؔ۔

اخلاق و عادات۔ آپ اپنے والد ماجد کی طرح خلق مجسم تھے طبیعت میں حلم و حیا بہت تھی نام کا اثر کہئے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حالات کا نقشہ کھنچ جاتا تھا۔ ہر بڑے سے بڑے قصور کو بھی آپ معاف فرما دیتے۔ ہمیشہ مسکراتے ہوئے گفتگو فرماتے بہت کم ایسا ہوا کہ آپ کو غصہ کی حالت میں کسی نے دیکھا ہو۔ جب کبھی کوئی بات آپ کے سامنے بیان کی جاتی تو آپ کی عادت شریف تھی کہ تین دفعہ "سچ؟ سچ؟" دریافت فرماتے اگر جواب ثبات میں ملتا تو آپ یقین کر لیتے۔ آپ اہل قرابت کا بہت خیال رکھتے انکے دکھ درد میں شریک ہوتے بزرگوں کا احترام فرماتے تھے۔ والدین کی بہ شدت اطاعت فرماتے والد ماجد کے وصال کے بعد والدہ ماجدہ کے محل کا کاروبار آپ ہی سے متعلق رہا ہمیشہ آپنے والدہ ماجدہ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھا اور کبھی کوئی بات انکے منشا کے خلاف نہونے دی۔ والدہ ماجدہ بھی آپ سے بیحد پیار و محبت فرماتی تھیں،

والد ماجد کے وصال کے بعد دونوں چھوٹے بھائی اور بہن بھی آپ ہی کے زیر نگرانی رہے۔ ان بھائیوں اور بہن کے ساتھ بھی آپ کا طرز ایسا رہا جیسا کہ ایک

شفیق باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ رہتا ہے۔ ہر دو بھائیوں کی تعلیم و تربیت اور شادی وغیرہ سب آپ ہی کے زیر نگرانی و اہتمام ہوئی۔ عام قرابت داروں کے ساتھ بھی اپنیا نگ تھا۔ ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک فرماتے۔ بزرگوں کی تعظیم و توقیر کا ہمیشہ خیال رہتا چھوٹوں سے محبت سے پیش آتے۔ بچوں سے بہت پیار اور محبت فرماتے تھے۔

اہل محلہ و مریدین کا بہت خیال رکھتے ان میں کوئی بیمار ہوجاتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ انتقال کی اطلاع پاتے تو میت میں شرکت فرماتے بعض ضعیف مرد اور عورتیں اپنے خانگی واقعات بیان کرتیں تو جب تک وہ بیان کرتی رہتیں آپ خاطر جمعی سے اس کو سماعت فرماتے۔ ہر ایک سے حسب عادت ہنس ہنس کر گفتگو فرماتے آپ کی نظر میں ایک خاص جادو کی سی کیفیت تھی جو ایک دفعہ آپ سے ملتا دوبارہ آپ سے شرف قدمبوسی کے لئے بیچین رہتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہوتا ہے سحر آنکھ میں لیکن نہ اسقدر ۔۔۔ جس پر نگاہ پڑ گئی دیوانہ کر دیا

مولوی تراب علی صاحب جمیل بیان کرتے ہیں کہ میرا شباب کا زمانہ اور شاعری کا ابتدائی شوق تھا۔ میرے والد بہت قدیم طرز کے حامل تھے۔ ایک زمانہ تک مجھ کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ جب شاعری کا شوق ہوا تو میں نے والد صاحب سے اجازت لیکر حضرت شائق علیہ الرحمہ کے پاس آنا جانا شروع کیا اکثر حضرت ممدوح کے پاس جاتا گفتگو وہیں رہتا۔ ایک دفعہ میں وہیں حاضر تھا۔ حضرت سیدی محمد عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ اپنے برادر حضرت شائقؒ صاحب کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ تھوڑی دیر دونوں حضرات کی گفتگو رہی جب میں نے بھی آپ سے قدمبوسی حاصل کی تو حضرت شائقؒ نے آپ سے میرا تعارف کرایا۔ آپ نے ایک دو مرتبہ مسکراتے ہوئے مجھے ملاحظہ فرمایا اور ایک دو باتیں

بھی کہیں اس کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے تھوڑی دیر ٹھیر کر میں بھی اپنے گھر چلا گیا لیکن کیا بتاؤں کہ اس گفتگو میں حضرت نے مجھ پر کیا جادو کیا؟ یا ان نگاہوں میں کیا اعجاز تھا کہ میرا دل کھچا جا رہا تھا۔ بار بار جی چاہتا تھا کہ آپ کے پاس حاضر ہو کر شرف قدمبوسی حاصل کروں۔ جب آنکھ بند کرتا حضرت کی تصویر سامنے دکھائی دیتی۔ خیر بڑی مشکل سے رات بسر کی صبح ہوتے ہی میں نے اپنے والد سے اجازت حاصل کر کے حضرت کی خدمت میں حاضری دی، اور شرف قدمبوسی حاصل کیا۔ تھوڑی دیر شرف تکلم بھی نصیب ہوا جس سے قدرے دل کو سکون ہوا اس کے بعد گھر واپس ہوا۔ گھر آنے کے بعد پھر وہی کیفیت شروع ہوئی کہ حضرت کا خیال ہٹتا نہ تھا۔ بار بار پھر جی چاہتا کہ حاضر ہو کر پھر ایک بار شرف قدمبوسی حاصل کروں۔ اس وقت یہ شعر میرے حسب حال تھا ؎

وہ کیا بری گھڑی تھی جب دم نظر لڑی تھی　　　لاچار ہو گیا ہوں آنکھوں کو چار کر کے

بہر حال کئی روز تک میرا یہی عالم رہا اس کے بعد آخر میں نے حضرت کی غلامی میں واخل ہونے کی عزت حاصل کر لی۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد اکثر حضرات نے سلسلہ میں داخل ہونے کی استدعا کی اور بیان کیا کہ ہم کو ایک مرتبہ حضرت عثمان میاں صاحب قبلہ رح سے قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا اور آپ نے تبسم ریز انداز میں ہم کو شرف تکلم بخشا تھا جس کے بعد سے ہمارا ارادہ آپ کی غلامی میں شریک ہونے کا ہو گیا تھا لیکن شومی قسمت سے آپ کی تشریف فرمائی تک ہم کو وہ موقع نہ مل سکا اس لئے اب ہم حضرت کے سلسلہ میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔

آپ کی طبیعت میں سادگی بہت تھی تکلفات کو بالکل ناپسند فرماتے تھے لباس بھی

سادہ سیدھا رہتا یعنے اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کی طرح جسم پر صرف چوبغلہ سر پر ٹوپی، دوہرا پاجامہ، کندھے پر رومال یا چادر، چادر یا ٹوپی ہمیشہ زرد رنگ کی ہوتی، پیر میں نعلین پہنتے تھے۔ لباس میں بھی فضول خرچ و اسراف سے بچانے کے لئے آپ نے اپنے مریدین کو کھادی کے استعمال کا پابند فرمایا۔ چونکہ اس زمانہ میں قیمتی خوش وضع پھولدار و جاذب نظر لباس کا عام رواج تھا۔ اس لئے کھادی کا استعمال اکثر حضرات کی طبیعت پر بارگزرتا رہا۔ لیکن حضرت کے وصال کے بعد ایک زمانہ وہ آیا کہ ہندوستانی دنیا میں انقلاب ہوا کھدر پوشی پر عام طور پر زور دیا جانے لگا۔ پھولدار و خوش وضع لباس تو فیشن سے خارج ہی ہوگیا۔

آپ کی طبیعت کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ اکثر مریدین کے ساتھ پیدل چلتے اور جب کبھی بیرون شہر کسی دور دراز مقام حضرت بابا شرف الدین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی پہاڑی شریف وغیرہ جاتے تو مریدین کے ہمراہ پیدل روانہ ہوتے عموماً جاتے وقت آبادی سے باہر جانے کے بعد ذکر جہری شروع فرماتے تاکہ ذکر کی گرمی میں راستہ بار نہ گذرے واپسی میں کبھی ہنسی مذاق کے طور پر دو دو آدمی کی جوڑ لگاتے اور دوڑتے خود بھی کسی کے ساتھ اپنی جوڑ لگالیتے اور سب کے برابر خود بھی دوڑتے تھے۔

کبھی تمام پیر بھائیوں کو ارشاد ہوتا کہ فلاں روز جنگل میں چلیں گے سب اپنا اپنا توشہ ساتھ رکھیں دوپہر کا کھانا وہیں ہوگا تعمیل حکم میں سب حاضر ہوتے آپ سب کو ساتھ لے کر تشریف لے جاتے۔ سارا دن جنگل میں گزارتے دوپہر کا کھانا وہیں ہوتا۔ جنگل میں سب ملکر بھاگتے، دوڑتے، بعض حضرات تلوار کے کرتب دکھاتے۔ بہرحال اس طرح ہنس بول کر سر مغرب واپسی ہوتی اکثر تالاب میر عالم پر تشریف لے جاتے۔

غالباً یہ عمل بھی اتباع سنت نبوی صلعم کے تحت تھا۔

آپ کی طبیعت میں استغنا بہت تھا امرا اور رؤسا سے زیادہ میل جول پسند نہ فرماتے تھے (اعلیحضرت مرحوم (نواب میر محبوب علی خاں بہادر آصف سادس) نے متعدد دفعہ آپ کے پاس معروضہ کرایا کہ اگر اجازت ہو تو میں قدمبوسی کے لئے حاضر ہوتا ہوں لیکن آپ نے اجازت نہیں دی۔ چنانچہ روشن علیصاحب نامی چتر بردار نے جن کو حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ متعدد دفعہ اعلیحضرت مرحوم کے اس معروضہ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا جب ہر دفعہ وہ ناکام رہے تو بالآخر اپنے داماد مولانا شرف الدین صاحب قادری (جن کو حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ سے خلافت حاصل ہے) کے ذریعہ سفارش کروائی لیکن اس کے بعد بھی اجازت نہ ملی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایکدفعہ حضرت بابا شرف الدین صاحب قبلہؒ کی پہاڑی شریف پر اعلیحضرت مرحوم نے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا یہ ملاقات بھی عجیب و غریب رہی کہا جاتا ہے کہ آپ کی عادت شریف تھی کہ حضرت بابا صاحب کے عرس شریف میں ختم کے روز یعنی ۱۲ر شعبان کو تمام مریدین کے ہمراہ پچھلی سے پیدل تشریف لیجاتے تھے پہاڑی شریف پہنچکر فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہونیکے بعد سید صاحب نامی (ایک صاحب جو خادمیں سے تھے وہیں رہتے تھے)، آپ ان کے پاس تھوڑی دیر تشریف رکھتے اور سماع ہوتا ختم مجلس کے بعد مراجعت عمل میں آتی۔

۱۲ر شعبان کو ۱۳۲۶ھ کو بھی حسب عادت قدیم تمام مریدین کے ساتھ آپ پہاڑی شریف پر پیادہ رونق افروز ہوئے فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد سید صاحب کے پاس تشریف لے گئے سماع ہوا۔ سماع کے بعد سید صاحب نے آپ سے اپنا ایک

خواب بیان کیا کہ میں نے رات ایک خواب دیکھا کہ بابا صاحب قبلہ رح کے مزار کے
پاس آپ تشریف فرما ہیں اور آپ کے بازو بابا صاحب قبلہ رح بھی رونق افروز
ہیں۔ اعلیحضرت نواب میر محبوب علی خاں بہادر نے حاضر ہوکر بابا صاحب قبلہ رح
سے قدمبوسی حاصل کی تو بابا صاحب رحمۃ اللہ نے ان کے دونوں بازو تھام کر
اعلیحضرت کو آپ کی طرف رجوع کر دیا۔ اس خواب کو سماعت فرما کر آپ خاموش
ہو گئے۔ ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔ اور وہاں سے برخواست فرمائی۔ واپسی میں
تمام مریدین سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ اندنوں اعلیحضرت یہیں ہیں (مخفی
مباد کہ اعلیحضرت غفران مکان کا ایک زمانہ ایسا گزرا کہ ہر سال حضرت بابا صاحب قبلہ رح
کے عرس شریف کے موقع پر مع محلات سرکاری باغ واقع پہاڑی شریف میں قیام
فرمارہتے تھے) اور اکثر سامنے ہی برامد ہتے ہیں۔ تمام لوگ اس طرح جم غفیر کی
طرح ساتھ رہو گے تو ممکن ہے کہ خواہ مخواہ ان کی نظر پڑے اور کون ہیں کیا ہیں؟ پوچھیں
اس لئے سب ایک کے پیچھے ایک ہوکر چلو تا کہ کسی کی نظر نہ پڑنے پائے تعمیل حکم میں سب
ہٹ کر ایک کے پیچھے ایک ہو گئے۔ اس کے بعد بھی جب بنگلہ شاہی کے سامنے پہنچے
تو اتفاق سے اعلیحضرت غفران مکان سامنے ہی برآمد تھے۔ جوں ہی حضرت پر نظر
پڑی مصاحبین سے دریافت کیا کہ کیا حضرت عثمان میاں صاحب قبلہ یہی ہیں ؟
عرض کیا گیا جی ہاں! یہی ہیں۔ فرمایا کہ حضرت سے عرض کرو کہ میں قدمبوسی کیلئے
حاضر ہو رہا ہوں۔ فوراً چوبدار دوڑے ایک چوبدار نے حاضر ہوکر عرض کی کہ
حضرت! سرکار تشریف لا رہے ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ جب چوبدار نے مجھ سے
کہا تو میں نے خیال کیا کہ غالباً سواری نکل رہی ہے اس لئے بازو ہٹ کر چلنے

کہا جا رہا ہے۔ آپ نے اس خیال سے اس چوبدار کی اطلاع پر اچھا فرمایا اور کنارے ہٹ کر چلنے لگے جب اعلیحضرت غفران مکان نے دیکھا کہ حضرت ٹھیرے نہیں تشریف ہی لے جا رہے ہیں تو پھر دوسرے اور تیسرے چوبدار کو دوڑایا کہ حضرت سے عرض کر کے روکیں کہ میں قدمبوسی حاصل کر سکوں۔ اعلیحضرت کے اس ارشاد پر چوبداروں کا تانتا بندھ گیا مگر آگے بڑھ کر روکنے کی کسی کو جرات نہ ہوتی تھی۔ بالآخر ایک چوبدار نے حضرت کے ایک خادم سے تمام واقعہ عرض کیا۔ انہوں نے آگے بڑھکر عرض کیا کہ پیرو مرشد اعلیحضرت آپ سے قدمبوسی حاصل کرنے حاضر ہو رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ وہیں راستہ پر ٹھیر گئے۔ چونکہ آپ تشریف لے جا رہے تھے اس لئے اعلیحضرت غفران مکان نے تیزی کے ساتھ آپ کو ملانے کا جو ارادہ کیا تو ایک پیر کا جوتا بھی پیر سے نکل گیا بہر حال اسی طرح حاضر ہوئے بڑھکر قدمبوسی کا شرف حاصل کیا اس وقت حضرت کے جسم مبارک پر کھادی کا چوبغلہ کاندھے پر لنگی اور بائیں ہاتھ میں لکڑی ہی اور تسبیح تھی جوں ہی اعلیحضرت غفران مکان حاضر ہوئے آداب بجا لا کر سر جھکا دیا اور حضرت کا دست مبارک لے کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس کے بعد اعلیحضرت غفران مکان مؤدب ہاتھ باندھے سامنے کھڑے ہو گئے تو آپ بھی خاموش ان کو دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر اسی طرح خاموشی میں گزری اس کے بعد حضرت نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا آپ کچھ فرمائیں گے؟ غفران مکان نے عرض کی کہ جی کچھ نہیں! زمانہ سے قدمبوسی کا اشتیاق تھا۔ آج خوش نصیبی سے یہ موقع ملا۔ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں۔ تو آپ نے ان کے اور ان کی سلطنت کے لئے دعا فرمائی اس کے بعد وہاں سے مراجعت ہوئی اس روز حضرت کے ساتھ جو حضرات تھے ان کے منجملہ حاجی یوسف علی صاحب مولوی علاء الدین صاحب تقی

و مولوی حبیب اللہ صاحب اس وقت تک موجود ہیں۔

اس ملاقات کے بعد ہی اعلیحضرت غفران مکان کو حضرت سے شرف قدمبوسی حاصل کرنے کا اشتیاق زیادہ ہوا اور متعدد دفعہ معروضہ کرایا گیا کہ حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے لیکن آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔

یہاں اس بات کا اظہار مناسب ہوگا کہ اعلیحضرت غفران مکان سے ملاقات ۱۹ر شعبان ۱۳۲۶ھ کو ہوئی اور یکم رمضان ۱۳۲۶ھ کو طغیانی رود موسیٰ کا واقعہ پیش آیا۔ گویا اس ملاقات اور واقعہ طغیانی میں دس روز کا فصل ہے۔

اس واقعہ طغیانی یعنے یکم رمضان ۱۳۲۶ھ کے روز حضرت بعد نماز تراویح درگاہ شریف کے چبوترے یعنے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے مزار مبارک کے پاس نہایت اضطراب کے عالم میں تمام رات ٹہلتے رہے بار بار آسمان کی جانب دیکھتے اور پھر خواجہ محبوب اللہ کے مزار مبارک کو ملاحظہ فرماتے جاتے تھے جب سحر کا وقت ہوا تو آپ نے محبوب خاں صاحب نامی کو (جو حضرت خواجہ محبوب اللہ رح کے خادمین سے تھے) آواز دی اور فرمایا کہ جاؤ دیکھو ندی کو اتار ہوا یا نہیں جب تک میں سحر کھا لیتا ہوں محبوب خاں صاحب نے واپس ہوکر اطلاع دی کہ ندی کا اتار شروع ہوگیا ہے۔ اس وقت آپ نے نماز صبح ادا فرماکر آرام فرمایا۔

اس واقعہ سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔ دوسری یہ کہ حیدرآباد پر اس سے بھی زیادہ عظیم آفت آنے والی تھی۔ جس کا غفران مکان کو بھی کسی ذریعہ علم ہوچکا تھا ۔ اسی لئے وہ حضرت سے بطور خاص طالب دعا ہوئے تھے۔ اور غالباً حضرت باباصاحب قبلہ رحمۃ اللہ کا

غفران مکان کو حضرت سے ملانے کا بھی اسی جانب اشارہ تھا۔

مہاراجہ سریمین السلطنت کشن پرشاد بھی ہمیشہ ملاقات کے متمنی رہے لیکن کبھی آپ نے ان کو اس کا شرف نہیں بخشا حتیٰ کہ راستہ میں بھی جب کبھی سامنا ہوجاتا تو اکثر آپ انجان ہوجایا کرتے۔ مجالس میں کہیں ایسا اتفاق ہوجاتا تو اکثر حتی الامکان احتراز فرماتے۔ چنانچہ ایک وقت کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت شاہ خاموش علیہ الرحمہ کے عرس شریف میں تشریف فرما ہوئے سماع ہورہا تھا مجلس میں آپ بھی تشریف رکھتے تھے سریمین السلطنت کی آمد پر تمام محفل کھڑی ہوگئی جب آپ نے یہ کر و فر دیکھی تو اپنی آنکھیں بند کرلیں اپنی جگہ اسی طرح تشریف فرما رہے اور اٹھے نہیں۔ جوں ہی مہاراجہ کی آپ پر نظر پڑی تو سب سے ملاقات کر کے سیدھے آپ کے سامنے حاضر ہوئے اور تقریباً دو چار منٹ آپ کے سامنے آداب بجالانے کھڑے رہے لیکن آپ اسی طرح آنکھ بند کئے تشریف فرما تھے ان کی جانب مخاطب ہی نہیں ہوئے۔ بالآخر مجبور ہوکر سریمین السلطنت اپنے مقام پر بیٹھ گئے جیسے ہی وہ اور سب محفل بیٹھی آپ فوراً اٹھے اور وہاں سے بر خاست فرمائی۔

سفر حج و زیارت آپ نے چار مرتبہ ارض مقدس حجاز کا سفر کیا پہلا سفر آپ کی صغر سنی میں والدین کے ساتھ ہوا جس وقت آپ کی عمر چار یا پانچ سال کی ہوگی۔ دوسرا سفر ۱۳۱۹ھ میں والد ماجد کے بعد والدہ ماجدہ کے ہمراہ آپ نے فرمایا اس سفر میں آپ کے دونوں بھائی اور بہن ساتھ تھے آپ کے بڑے ماموں حضرت سید شاہ غلام غوث صاحب شطاری قبلہ علیہ الرحمہ بھی آپ کے ہم سفر تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سفر بڑا پر لطف گزرا تمام راستہ میں عجیب کیفیت تھی۔ بری و بحری راستہ میں ہر منزل پر بردۂ شریف و وعظ و میلاد خوانی کے محافل منعقد ہوتے تمام سفر "دن عید

رات شب برات ،، کے مصداق گزرا۔

چونکہ آپ کی والدہ محترمہ نے بہ نیت ہجرت سفر فرمایا تھا۔ اس لئے آپ والدہ ماجدہ اور مع دو بھائی اور بہن کو مدینہ طیبہ میں چھوڑ کر واپس ہو گئے۔ پھر والدہ ماجدہ دوسرے سال بعض اہل برادری بالخصوص اپنے والد ماجد حضرت شیخ احمد صاحب قبلہ شطاری رحؒ کے اصرار پر اس نیت سے واپس ہوئیں کہ بچوں کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو کر پھر لوٹوں گی۔

تیسرا سفر ۱۳۲۰ھ میں والدہ ماجدہ کو لانے کے لئے آپ نے فرمایا تھا۔

چوتھا سفر ارض مقدس حجاز ۱۳۳۱ھ میں والدہ ماجدہ کے ہمراہ آپ نے بھی بہ نیت ہجرت فرمایا اور ایک سال مدینہ طیبہ ہی میں قیام فرما رہے ۱۳۳۲ ہجری میں حضرت قبلہ مدظلہٗ کے اصرار پر کہ مریدین و معتقدین کو ایک بار ملاقات کا شرف بھی میسر ہو جائے اور آپ اپنی صاحبزادی کے فرض سے سبکدوش ہو کر سال آئندہ پھر واپس ہو سکتے ہیں آپ نے والدہ ماجدہ کو مدینہ طیبہ ہی میں چھوڑ کر خود مع زنانہ واپسی کا قصد فرمایا اور اسی سفر میں اثنار راہ میں بمقام جدہ شریف واصل بحق ہوئے۔

۱۳۲۴ھ میں آپ نے عراق کا سفر فرمایا اس سفر میں بھی آپ کی والدہ محترمہ ساتھ تھیں بھائیوں میں صرف منجھلے بھائی یعنے حضرت قبلہ مدظلہٗ ساتھ تھے بعض مریدین بھی جن مولوی تراب علی صاحب جمیلؔ بھی شامل ہیں ہمراہ رکاب تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سفر بھی عجیب پر کیف تھا بالخصوص بغداد شریف کے حاضری بڑی خاص رہی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

ساغر الفت تھا میں تھا شربت دیدار تھا　　　خوب جی بھر کر پلایا اور پیا بغداد میں

اس زمانہ میں حضرت پیر عبد الرحمن صاحب قبلہ نقیب الاشراف حیات تھے حضرت ممدوح آپ کو بیحد چاہتے اور عزیز رکھتے تھے۔ آپ کی وجہ سے آپ کے ساتھ کے خادمین پر بھی بڑی شفقت فرماتے تھے۔ زمانۂ قیام میں کبھی ایک دو روز حاضری نہ ہوتی تو بیچین ہو کر یاد فرماتے۔ جس وقت آپ نے بغداد شریف سے واپسی کا قصد کیا تو حضرت نقیب الاشراف قبلہ کے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے محبت آمیز انداز میں فرمایا کہ "خدا تم سے پھر کب ملائیگا"؟

اسی طرح کربلائے معلی کی حاضری کا بھی عجیب خاص رنگ رہا جس وقت حاضر ہوئے تو روضۂ سید الشہداء علیہ السلام پر نظر پڑتے ہی سب پر ایک غیر معمولی رقت کی کیفیت طاری ہوگئی جالی مبارک سے لپٹ کر بے ساختہ آہ و بکا شروع کی روتے روتے آنکھیں متورم ہوگئیں حضرت سید الشہدا علیہ السلام کے دربار میں اکثر شیعی مجمع رہتا ہے۔ تمام شیعہ اصحاب نے جو خادمین سے ہیں۔ انتم شیعان اہل بیت کہکر خیر مقدم کیا جب ان کو سمجھایا گیا کہ ہم شیعی نہیں بلکہ اہل السنت والجماعت سے ہیں تو اولاً ان کو یقین نہ آیا من بعد بڑی حیرت سے کہ اہل سنین میں بھی اہل بیت اطہار سے ایسی محبت رکھنے والے موجود ہیں دیکھنا شروع کیا۔

کربلائے معلی کی حاضری کے بعد نجف اشرف و کاظمین شریفین کی حاضری دی گئی ہر مقام پر ایک خاص رنگ و کیفیت تھی ان تمام مقامات مقدسہ کی زیارت سے فارغ ہونے کے بعد واپسی ہوئی بوقت واپسی جہاز پر ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس کو جمیل صاحب نے نظم بھی کیا ہے۔ مولوی تراب علیصاحب جمیل بیان کرتے ہیں کہ میں ہمراہ رکاب ہی تھا۔ جب آپ نے واپسی کا قصد فرمایا تمام

تیاری ہوئی ٹکٹ خرید لئے گئے۔ سامان جہاز پر روانہ کیا جارہا تھا جہاز کو نکلنے ایک گھنٹہ باقی ہوگا ایسے تنگ وقت میں ایک ضعیفہ نے آپ سے معروضہ کیا کہ میرا ٹکٹ نہیں لیا گیا ہے منگوا دیجئے۔ آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ان کا ٹکٹ جلد لیلو جب تک ہم تمھارا سامان لے کر چلتے ہیں۔ میں بہت خوب کہکر تعمیل حکم میں چلا ادھر میرا سامان اور میرے متعلقین جو ہمراہ تھے حضرت کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ جب میں نے ٹکٹ گھر پہنچکر (جو کافی فاصلہ پر تھا) ٹکٹ خریدنا چاہا تو ٹکٹ ماسٹر نے مجھ سے کہا کہ اب آپ ٹکٹ خرید کر کیا کریں گے جہاز کو نکلنے صرف دس منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ آپ کے پہنچنے تک جہاز چھوٹ جائے گا۔ اس خبر کے سنتے ہی زمین میرے تلووں کے نیچے سے نکل گئی، بدحواسی طاری ہوگئی، کیونکہ عزیز و اقارب رقم لباس سب کچھ حضرت کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا۔ اور میں اس نئے مقام پر تنہا تھا میں نے گھبرا کر اس سے کہا کہ "اب میرے مقسوم میں جو ہونا ہے ہوگا تم ٹکٹ تو دیدو" ٹکٹ خریدا اور بدحواسی کے عالم میں جس قدر تیز چلسکتا تھا چلتا ہوا سمندر کے کنارے پہنچا، کشتی میں سوار ہوا تو دیکھا کہ جہاز تو موجود ہے لیکن جہاز کی سیڑھی کھینچنے کی تیاری ہورہی ہے میں نے کشتی ران سے کہا کہ جتنا جلد ہوسکے مجھے جہاز تک پہنچادے۔ خیر خدا خدا کرکے جہاز تک پہنچ گیا، جہاز پر تیزی کے ساتھ سوار ہونا چاہا تو کشتی ران نے میرا دامن تھام لیا کہ کرایہ ادا کرو۔ میں جیب میں دیکھتا ہوں تو ایک پیسہ نہیں میں نے فوراً اپنے جیب سے گھڑی نکالی اور کشتی ران کے حوالہ کی کہ سردست تو اس کو اپنے پاس محفوظ رکھ میں جہاز پر سے کرایہ لاکر دیتا ہوں، اس نے گھڑی رکھکر میرا دامن چھوڑ دیا، بعد میں کشتی ران کے پیسے ادا کرکے گھڑی واپس لے لی۔

اب یہاں کا واقعہ سنیئے کہ جب جہاز کے نکلنے کا وقت آیا تو جہاز کے کپتان نے لنگر اٹھانے کا حکم دیا۔ چونکہ اس وقت تک جمیل صاحب پہنچے نہ تھے اس لئے ان کے تمام متعلقین نے جو ہم سفر تھے رونا شروع کیا۔ جب حضرت کو اطلاع ملی تو آپ فوراً جہاز کی سیڑھی کے پاس آگئے اور اپنا ہاتھ ٹیک کر آنکھیں میچ لیں۔ خلاصیوں نے ہر چند سیڑھی کو اٹھانے کی کوشش کی مگر سیڑھی اٹھتی نہ تھی۔ کپتان کو اطلاع ملی وہ بھی آگیا۔ دوربین سے ادھر دیکھا ادھر دیکھا کہ سیڑھی کسی جا پھنس تو نہیں گئی مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا پھر سیڑھی اٹھانے کی کوشش کی گئی مگر ناکام رہے۔ اس کشمکش میں بیس منٹ سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ اس عرصہ میں دور سے جمیل صاحب آتے دکھائی دیے۔ تمام متعلقین کے قلوب میں ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ مگر حضرت آنکھیں بند کئے اس وقت تک اسی طرح کھڑے رہے جب تک کہ جمیل صاحب اوپر نہ آگئے اور سبھوں نے ملاقات کی تو اس گڑبڑ سے آپ نے آنکھیں کھولیں اور اس مقام سے ہٹے سیڑھی کھینچ گئی۔ پھر آپ نے جمیل صاحب سے دریافت فرمایا کہ تم آگئے۔ جمیل صاحب نے قدموں پر سر رکھ کر روتے ہوئے عرض کی کہ پیر و مرشد حاضر ہو گیا تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ جب سے تمہارے واسطے جہاز کی سیڑھی رکھی ہوئی تھی۔ سب کہتے ہیں اس وقت ہمکو معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت تصرف تھا کہ آپ ہی نے محض جمیل صاحب کی خاطر جہاز کی سیڑھی کو روک رکھا تھا۔

جن لوگوں نے جہاز کا سفر کیا ہے یا کم از کم جہاز کو دیکھا ہے۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ بغیر جہاز کی سیڑھی کھینچے جہاز روانہ نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح ریل کے اوقات مقرر ہیں اسی طرح جہاز کے بھی معین ہیں۔ اوقات مقررہ سے کسی کی خاطر پانچ منٹ کا تجاوز

بھی کمپنی کے حکم کے بغیر جائز نہیں سمجھا جاتا ہے۔

متفرقات آپ وعظ بھی فرماتے تھے محفل وعظ بھی بڑی خاص و پر اثر ہوتی اسی طرح مجالس سماع بھی آپ پاس کی بڑی خاص ہوتیں متعدد دفعہ ایسا ہوا کہ اہل محفل سے ایک بھی ہوش میں نہ رہا سب پر ایک رقت کی کیفیت طاری رہی حتیٰ کہ بچے بھی رو رہے تھے۔ محفل سماع میں بالعموم آپ نظر سے توجہ دیا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا کہ جس کسی کو آپ نے محفل سماع میں ایک دو مرتبہ ملاحظہ فرمایا اس پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ از خود رفتہ ہو گیا۔

مولوی تراب علی صاحب جمیلؔ بیان کرتے ہیں کہ محمد یوسف نامی میرے ایک دوست ہندوستان کے کسی ایک ضلع کے باشندے تھے۔ ہمیشہ مجھ سے کہا کرتے کہ سماع میں لوٹنا، کودنا ناچنا، یہ سب سوانگ ہے البتہ خدا کی محبت میں آنسو بہنا محبت کی دلیل ہے۔ ایک روز حضرت کے پاس سماع کی محفل تھی میں انھیں مجبور کر کے اپنے ساتھ لایا اور کہا کہ ہمارے حضرت کے پاس کی مجلس کو دیکھو۔ میں اور وہ ملکر حاضر ہوئے مجلس ہو رہی تھی، تمام محفل پر رقت طاری تھی۔ حضرت پر بھی کیف طاری تھا، ٹہلتے ٹہلتے حضرت ان کے پاس تشریف لائے، غور سے ان کو ملاحظہ فرمایا۔ جس کے ساتھ ہی ان پر بقدر شدت کا کیف طاری ہوا کہ بیخود ہو گئے ٹپکیاں کھانے لگے۔ بعد میں انہوں نے اپنے خیال سے توبہ کی اور ہمیشہ حضرت کے پاس کی ہر مجلس میں شرکت کی کوشش کرتے رہے۔ حالانکہ وہ حضرت کے سلسلہ سے کوئی تعلق بھی نہ رکھتے تھے۔

حضرت قبلہ مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ حضرت کے زمانہ میں عرس شریف کے

تمام کاروبار مجھ ہی سے متعلق رہتے تھے مجلس سماع میں اکثر میں حضرت ہی کے پیچھے بیٹھتا اثنا مجلس میں اگر کوئی برخاست کرنا چاہتا تو آپ میری جانب ملاحظہ فرما کر اشارہ سے ان کو کھانے کے لئے لے جانے فرماتے جس کی تعمیل میں میں اُن کو کھانے کے مقام پر لے کر چلا جاتا بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ آپ میری طرف دیکھتے اور کچھ نہ فرماتے، میں منتظر رہتا کہ شائد کسی کو لے جانے کے لئے ارشاد ہوگا لیکن ایک دو مرتبہ جب اس طرح آپ ملاحظہ فرماتے تو مجھ پر اس قدر شدت کا کیف طاری ہوتا کہ کسی کے سنبھالے سنبھل سکتا نہ تھا۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک عرس شریف میں چراغوں کا روز تھا مجلس ہو رہی تھی دو تین چوکیاں ختم ہو چکیں لیکن مجلس ٹس سے مس تک نہ ہوئی آخر ایک چوکی بیٹھی اور اس نے یہ شعر شروع کیا ؎

اک تیر پھینکتا جا بانکی کمان والے ‏ ‏ اک ہو نظر ادھر بھی او آن بان والے

اس پر آپ نے "اک تیر پھینکتا جا" فرماتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس ارشاد کے ساتھ ہی مجلس تمام لوٹ پوٹ گئی معلوم ہوتا تھا کہ تیر پر تیر برس رہے ہیں۔

آپ کے کشف و کرامات کے بہت سے واقعات مشہور ہیں اعراس وغیرہ کے مواقع پر کئی دفعہ ایسا ہوا کہ لوگ جب زیادہ آگئے اور کھانا کم پڑنے کا اندازہ ہوا تو آپنے اپنی چادر مبارک دیگ پر اُڑھا دی جس کے بعد تمام حاضرین بحمد اللہ تعالیٰ فارغ ہو چکے کوئی شخص ایسا نہ رہا جس کو کھانا میسر نہ آیا ہو۔

حکیم شیخ داؤد صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں سویرے حضرت کی

قدمبوسی کے لئے قاضی پورہ میں حضرت کے دولت سرا پر حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت نماز صبح کے ساتھ ہی تالاب میر عالم پر تشریف فرما ہوئے ہیں میں وہیں حاضر ہوا آپ پانچ چھ خادمین کے ہمراہ اپنی زمین موقوعہ تالاب میر عالم کی صفائی میں مصروف تھے تخمیناً ۸ بجے آپ کے لئے مکان سے ناشتہ آیا جس میں دو پراٹھے اور کچھ قیمہ تھا۔ آپ نے ان پراٹھوں کے ٹکڑے کئے اور سب کو پاؤ پاؤ روٹی تھوڑا تھوڑا قیمہ سرفراز فرمایا۔ میرے حصّہ میں بھی پاؤ روٹی اور قیمہ ملا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اس قدر تھوڑی سی روٹی سے کیا فائدہ؟ کسی کا بھی پیٹ بھر نہیں سکتا بہتر ہوتا کہ حضرت خود ہی تناول فرماتے۔ خیر تعمیل حکم میں روٹی لی اور کھائی۔ مگر کیا بتاؤں کہ اس ذرّہ سے ٹکڑے نے کیا اثر کیا کہ بارہ بجے دن تک مجھے بالکل اشتہا نہ تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ پیٹ بھر کھانا کھا لیا ہے۔

حکیم یاور محمد خاں صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر حضرت مکہ مسجد سے نکلے آپ کے ساتھ پندرہ بیس خادمین بھی تھے مسجد کے دروازہ پر آپ کے ایک خادم نے عرض کی کہ آج مالن بی صاحبہ (جو حضرت خواجہ محبوب اللہ رح کی خادمہ تھیں) کے پاس دعوت ہے تشریف لے چلنا۔ اس اطلاع کے ساتھ ہی آپ نے تمام مریدین ہمراہ سے مخاطب ہو کر دعوت میں ساتھ چلنے کا حکم دیا سب آپ کے ساتھ ہو گئے مکان دعوت پر پہنچے۔ داعیہ نے مختصر پیمانہ پر تیاری کی تھی۔ جو کچھ تیار تھا سامنے لا کر رکھ دیا۔ آپ دسترخوان پر تشریف رکھے۔ آپ کے ساتھ سب خادمین بھی بیٹھ گئے۔ مگر حیرت اس کی رہی کہ جتنے لوگ دسترخوان پر تھے سب اسی کھانے میں شکم سیر ہو گئے۔

آپ کی زبان مبارک میں یہ اثر تھا کہ جو زبان مبارک سے نکلتا پورا ہو کر رہتا چنانچہ مولوی تراب علیصاحب جمیل بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کے انتقال کے بعد علاتی والدہ صاحبہ نے مہر وغیرہ سے متعلق عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ ایک عرصہ تک مقدمہ چلا بالآخر چونکہ زر مہر زیادہ تھا اس لئے جائداد ہراج کرکے زر مہر دلانے کا عدالت نے تصفیہ کیا مکان کا ہراج شروع ہوا جب تیسری بولی ہونے لگی تو میں سیدھے حضرت کے پاس حاضر ہوا اور متاثر ہو کر عرض کیا کہ اب تو سر چھپانے جگہ بھی نہیں رہی۔ مکان ہراج ہو رہا ہے۔ یہ سن کر آپ نے بہت افسوس فرمایا اور تھوڑے سے سکوت کے بعد حضرت خواجہ محبوب اللہ رح کے مزار مبارک کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ اچھا جاؤ۔ ابھی ہراج نہ ہوگا جمیل صاحب کہتے ہیں جب میں گھر آیا تو دیکھا کہ عدالتی لوگ سب برخواست کر گئے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آج ہراج موقوف ہوگیا۔ وجہ دریافت کیا تو علم ہوا کہ بوقت ہراج کوتوال صاحب بلدہ اتفاق سے اسی طرف سے گذر رہے تھے جب مکان کے ہراج ہونے کا علم ہوا تو ٹھہر گئے اور کہا کہ یہ مکان حضرت خواجہ غریب نواز رح کے چلہ کے بالکل محاذی ہے چونکہ چلہ شریف کی عمارت سرکاری نگرانی میں ہے اس لئے اس مکان کا ہراج بدون منظوری سرکار درست نہیں میں سرکار سے عرض کروں گا۔ فی الحال ہراج ملتوی کیا جائے کہ از روئے قانون سرکار کو حق شفعہ بھی حاصل ہے۔

کوتوال صاحب کے اس بیان کو عدالت نے تسلیم کرلیا اور اس وقت ہراج ملتوی ہوگیا۔

سلیمہ خاتون صاحبہ محل نواب صاحب رنمت پورہ مرحوم بیان کرتی تھیں کہ

دوازدہم یا یازدہم شریف کا مہینہ تھا حضرت کے پاس مجالس وعظ ہو رہے تھے روزانہ وعظ سننے میں بھی حاضر ہوا کرتی تھی اسی زمانہ میں میری لڑکی کے لئے میرے دور کے فرزند مسمی مصطفیٰ اعلیٰ خان کا پیام آیا چونکہ لڑکا خاندان ہی کا تھا۔ اس لئے کچھ دریافت وغیرہ تو کرنا نہ تھا میں نے خیال کیا کہ حضرت سے معروضہ کریں اگر اجازت ملجائے تو نسبت کا قرارداد کیا جائے مگر عرض کرنے سے قبل اس لڑکے کو حضرت کو دکھادینا بھی مناسب ہوگا کہ اس لڑکے کو حضرت نے ابتک ملاحظہ نہیں فرمایا ہے بایں خیال میں نے اس لڑکے کو ایک روز مجلس وعظ میں بلالیا۔ اور حسب عادت میں بھی اپنی لڑکی کو ساتھ لئے حاضر ہوگئی اس وقت تک اس نسبت کا کچھ تذکرہ ہی نہیں ہوا تھا میں زنانہ میں اندر تھی۔ اور وہ لڑکا باہر سب کے ساتھ مجلس میں شریک تھا۔ وعظ ختم ہوا۔ تمام حاضرین جب حضرت سے قدمبوسی کرنے بڑھے یہ لڑکا بھی سب کے ساتھ بڑھ کر قدمبوس ہوا۔ کسی نے اس کا حضرت سے تعارف کرایا نہ کچھ عرض کیا گیا جوں ہی اس نے ملاقات کی آپ نے فوراً اپنے گلے سے پھولوں کا ایک ہار نکال کر اس لڑکے کے گلے میں ڈالدیا۔ وہ لڑکا حیران تھا کہ بلا کسی تعارف کے پہلی ملاقات میں آپ نے یہ پھول مجھے کیوں پہنائے؟

مردانہ سے فارغ ہو کر جب زنانہ میں تشریف لائے تو سلیمہ خاتون صاحب کہتی تھیں کہ میں اور میری لڑکی نے قدمبوسی کا شرف حاصل کیا جیسے ہی لڑکی ملی آپ نے بقیہ پھول کے ہار اس لڑکی کے گلے میں ڈالدے اس کے بعد تشریف رکھکر سب سے گفتگو فرمانے لگے تو میں نے اپنی لڑکی کی نسبت کا تذکرہ چھیڑا کہ لڑکے کو بھی آپ کے دکھانے کے لئے لے آئی ہوں آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ ہم نے تو اس سے پہلے ہی

دلہا ودلہن دونوں کو پھول پہنا دئیے یعنے آج ان دونوں کی منگنی ہوگئی اب مزید کیا پوچھتے ہو؟

راوی یہ کہتی ہیں کہ میں حیران تھی کہ حضرت کو اس کا کیونکر علم ہوا۔ بالآخر وہی نسبت قرار پائی۔ اور شادی ہوئی۔

آپ تعویذ بھی دیتے اور آپ کے معالجات بھی خاص ہوتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت مرید ہوئی جس پر شیاطینی اثرات تھے متعدد علاج معالجہ ہونے کے بعد بھی اسکو جب فائدہ نہ ہوا تو مجبوراً اس کو آپ کے سلسلہ میں اس لئے داخل کرا دیا گیا کہ شائد مریدی کی برکت سے خدا کا فضل ہو جائے۔ اس عورت کو آپ نے داخل سلسلہ فرمایا اس کے بعد اسکی تمام کیفیت آپ سے عرض کیگئی تو آپ نے دوات قلم طلب کرکے یہ شعر ایک کاغذ پر تحریر فرمایا ؎

میں تو پیران پیر ہی کی ہوگئی رے   میری میلی چندریا دھوگئی رے

اور اس کا تعویذ بنا کر یہ فرماتے ہوئے سرفراز فرمایا کہ "لو اور اس کو گلے میں ڈال دو" کہا جاتا ہے کہ اسی روز سے وہ عورت اچھی ہوگئی کوئی شکایت باقی نہ رہی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اور ایک عورت اسی طرح آسیبی اثرات سے پریشان تھی جب اس کو آپ پاس حاضر کیا گیا تو آپ نے اس عورت پر اپنی چادر مبارک اپنے کندھے سے نکال کر اڑھادی جس کے بعد سے وہ عورت بالکل اچھی ہوگئی۔

غلام دستگیر نامی حضرت کے ایک خادم بیان کرتے تھے کہ میرے پاس ایک پروردہ چھوکری تھی اس پر بھی کچھ آسیبی اثرات تھے۔ ایک روز اس نے ناچنا ہنسنا دیوانے حرکات کرنا شروع کی میں فوراً حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تمام کیفیت

عرض کی کہ آج میری چھوکری کا یہ حال یہ ہے۔ آپ اس کیفیت کو سماعت فرماتے ہی میرے ساتھ ہو گئے مکان میں رونق افروز ہوئے جیسے ہی حضرت تشریف فرما ہوئے وہ بالکل اچھی ہو گئی تھوڑی دیر تشریف رکھنے کے بعد آپ نے مراجعت فرمائی۔ تھوڑا سا راستہ بھی حضرت نے طے نہ فرمایا ہوگا کہ پھر وہ اسی طرح دیوانے حرکات کرنے لگی تو میں پھر دوڑتا ہوا پہنچا اور راستہ ہی میں حضرت سے ملکر واپس لایا۔ جیسے ہی حضرت پھر رونق افروز ہوئے وہ اچھی ہوئی اور صحت مند آدمی کی طرح آپ کے سامنے مودب دوزانو بیٹھ گئی۔ آپ نے مسکراتے ہوئے اپنی پیٹ پر اپنی انگلی سے ملنا شروع کیا تھوڑا سا میل نکال کر بتی بنائی اور اس سے اس چھوکری کو مارا جس کے ساتھ ہی وہ اچھل پڑی جیسے کوئی شخص نیند سے چونک کر بیدار ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ بالکل اچھی ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ بعد نماز جمعہ مکہ مسجد سے آپ واپس ہو رہے تھے۔ دروازہ کے پاس ایک شخص نے آپ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ میرے عزیزوں میں ایک شخص پر سخت آسیبی اثرات ہیں کیفیت یہ ہے کہ "مارا مارا" کہکر وہ چیختا ہے جب دیکھا جائے تو واقعی جسم کے متعدد مقامات پر زخم دکھائی دیتے ہیں جیسے کسی نے چھری سے کاٹ دیا ہے جہاں کسی کا علاج شروع کیا گیا کہ غیب سے ایک ڈوری اس کے گلے میں آ پڑتی ہے جسمیں چٹھی لکھی ہوئی آویزاں رہتی ہے اس چٹھی میں معالج کے نام کے ساتھ یہ لکھا رہتا ہے کہ اسکو معلوم ہو کہ اس کا علاج چھوڑ دے ورنہ میں اس کی بھی مٹی خراب کر دونگا" اس لئے اب حضرت ہی کی امداد کی ضرورت ہے یہ سنکر آپ نے تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اچھا جاؤ اس سے کہدو کہ "عثمان میاں نے تجھے جانے کے لئے کہا ہے"۔

وہ صاحب کہتے تھے کہ جیسے ہی میں نے وہاں کر تعمیل حکم میں یہ ارشاد سنایا اس کے

بعد سے وہ کیفیت بالکل جاتی رہی۔

علاوہ ازیں بہت سے آسیب زدہ فقط حضرت کے دست فیض اثر پر بیعت کرنے کے بعد بالکل صحت مند ہوگئے کوئی شکایت باقی نہیں رہی۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے اس وقت وہاں اہل مدینہ سے ایک صاحب بعارضہ خناق مبتلا ہوئے تکلیف اس قدر زیادہ تھی کہ حلق سے ایک چمچہ پانی بدقت تمام اترتا تھا اس تکلیف سے وہ اس قدر بیچین ہو جاتے کہ لوٹنا شروع کرتے اس بیچینی کی حالت میں اکثر وہ حضرت کو بلواتے حضرت تشریف لے جاتے اور ان پر دم کرتے جاتے جیسے ہی حضرت دم فرماتے وہ لوٹتے لوٹتے آپ کے زانو پر سر رکھ کر لیٹ جاتے جب تک آپ کے زانو پر ان کا سر رہتا سکون رہتا جہاں زانو سے سر ہٹا کہ پھر وہی تکلیف شروع ہو جاتی اس لئے وہ حضرت کو اپنے پاس سے ہٹنے نہ دیتے تھے نماز وغیرہ کے لئے بدقت تمام آپ وہاں سے نکلتے تو تھوڑی دیر نہ گزرتی کہ پھر آدمی آپ کو بلانے کیلئے آتا۔ بہرحال کئی روز تک یہی سلسلہ رہا اس کے بعد حضرت کی دعا کی برکت سے ان کو صحت ہوئی۔

روشن علی صاحب (جن سے حضرت خواجہ محبوب اللہ رح کی ایک پروردہ منسوب تھیں) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سخت علیل ہوگیا علالت ایسی بڑھ گئی کہ بستر سے اٹھنا بار تھا۔ میری اس حالت کو دیکھ کر حضرت نے مجھے اپنے پاس بلالیا اور اپنے دولت سرا کے ایک کمرہ ہی میں مجھے رکھا تھوڑے روز کے بعد میری طبیعت سنبھلی قدرے آرام ملا ایک روز میں اپنے کمرہ سے بدقت تمام نکل کر حضرت خواجہ محبوب اللہ کے چبوترۂ درگاہ شریف پر نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت کسی کے پاس دعوت میں جانے نکلے

اور مجھے دیکھ کر ساتھ چلنے کا حکم دیا میں نے عرض کی کہ مجھ میں ابھی اتنی طاقت نہیں کہ ساتھ چل سکوں تو ارشاد ہوا کہ لکڑی ٹیکتے ہوئے چلو تعمیل حکم میں مجبوراً ساتھ ہو گیا قاضی پورہ سے شاہ علی بنڈہ تک آپ مجھے ساتھ لے گئے وہاں جانے کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اب تم گھر واپس جاؤ ہم جاتے ہیں"۔ شاہ علی بنڈہ سے بدقت تمام قاضی پورہ لوٹا مگر کیا بتاؤں کہ اس کے بعد سے ایسی قوت پیدا ہو گئی کہ اچھی طرح چلنے پھرنے لگا۔

حکیم شیخ داؤد صاحب ساکن تکیہ مغل فقیر (جو حکیم امانت علی صاحب مرحوم کے دوا خانہ میں کام کرتے تھے) بیان کرتے تھے کہ حضرت کی مجھ پر خاص نظر عنایت تھی جو نسخہ میں کسی بیمار کے لئے تجویز کرتا حکیم امانت علی صاحب بہت پسند کرتے بعض دفعہ متحیر ہو کر کہتے کہ یہ ادویات اگرچہ ہمارے دوا خانہ ہی کی ہیں لیکن میرے ذہن سے خود نکل گئی تھیں ۔ بہرحال حضرت کی تشریف فرمائی تک میرے معالجات کا عجیب و غریب حال رہا کہ میں خود حیران رہتا تھا حضرت کے وصال کے بعد سے وہ تمام جودت اور ذہن کی رسائی مجھ میں نہ رہی ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مسمی غوث خاں صاحب معتمد اسٹیٹ نواب صاحب ساکن ٹپّی لوکہ کی اہلیہ آسیبی اثرات میں مبتلا تھیں ایک عرصہ تک حضرت کے زیر علاج رہیں اکثر وہ آتے کیفیت عرض کرتے آپ نقوش میں رد و بدل فرماتے مگر صحت نہ ہوتی ایک عرصہ تک یہی سلسلہ جاری رہا آخر ایک روز غوث خاں صاحب نے بگڑ کر عرض کیا کہ حضرت اب میں تنگ آگیا ہوں آج سے علاج موقوف کر دینا چاہتا ہوں تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ہم تو ابھی بیزار نہیں ہوئے مگر تم بیزار ہو گئے!! انہوں نے عرض کیا کہ حضرت آخر کب تک میں آپ کو تکلیف دیتا رہوں اس پر آپ نے قلم اٹھایا اور ایک تعویذ لکھکر

سرفراز فرمایا جس کے باندھتے ہی تمام شکایت جاتی رہی بالکل صحت ہوگئی۔

وہ کہتے تھے کہ میں بیحد حیران ہوا کہ اس سے پہلے متعدد نقوش حضرت نے دئے مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا اس نقش میں ایسا کیا اثر ہے؟ اس کو کھول کر دیکھنا چاہئے۔ میں اس تعویذ کو کھولکر دیکھا تو یہ کوئی نقش تھا نہ اسم ملکہ صرف یہ عبارت تحریر تھی۔

"تو جاتا یا میں آؤں"

بہرحال ہر ادا خاص، ہر بات نرالی کہ دیکھنے والا بے ساختہ چیخ اٹھتا تھا۔

ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگرے

روشن علی صاحب مولود خان مرحوم بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے ہاتھ میں ایک پیسہ نہ تھا عید آگئی تھی میں اس خیال سے کہ حضرت سے ایک دو روپیہ مانگ لونگا گھر سے نکلا جب حضرت کے دولت سرا پر پہنچا تو آپ باہر سے برخواست فرما کر مکان میں تشریف لے جارہے تھے میں سلام عرض کر کے قدمبوس ہوا آپ مجھ سے ملاقات فرما کر بغیر کچھ استفسار فرمائے اندر تشریف لے گئے میں حضرت کے انتظار میں باہر ہی ٹھیرا رہا تھوڑی دیر کے بعد اندر سے دو روپیہ لاکر مجھے سرفراز فرمائے میں نے اس خیال سے کہ شائد کچھ حکم ہوگا عرض کی کہ کیا کروں" تو فرمائے لیجاؤ۔ عید آگئی ہے کام میں لالو۔

یوسف علی صاحب مولود خوان بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک دوست نجف علی صاحب نامی نے مجھ سے کہا کہ مرشد ایسا ہو کہ ایک ہی نظر میں خدا تک پہنچا دے میں نے ان سے کہا کہ میرے پیر و مرشد قبلہ کے پاس چلو انشاء اللہ تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا میں اور وہ ملکر جس وقت حاضر ہوئے حضرت خود منبر پر تشریف فرما تھے سلام علیک کے بعد بغیر کسی گفتگو کے آپ نے مجھ سے فرمایا کہ یوسف علی صاحب تم نے سنا کہ ایک شخص پیالہ خریدتا ہے اسمیں تیل ڈالتا ہے بتی بنا کر اسمیں

دکھتا ہے اس کے بعد آکر کہتا ہے اس کو روشن کردو تو روشن کرنے والا اُس کو روشن کردیتا ہے مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ہم ہی کو پیالہ خرید کر لاؤ تیل بھی ڈالو بتی بھی بانٹ کر رکھو پھر روشن بھی کردو کہتے ہیں"۔ یہ خیال کس حد تک صحیح اور ان کا یہ کہنا کس حد تک درست ہے۔؟ غور طلب ہے"!

حضرت کے اس ارشاد پر نجف علی صاحب اور میں دونو متحیر ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے کہ بلا کچھ عرض کئے جواب ادا ہورہا ہے۔ اور ہماری گفتگو کا آپ کو کیونکر علم ہوگیا؟ آخر نجف علیصاحب نے واپس ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہم دونوں واپس ہوگئے۔

دار الشفا والی بی بی بیان کرتی تہیں کہ ایک دفعہ حضرت مکان میں مطالعۂ کتب میں مشغول تھے ایک چڑیا اندر دالان میں آکر قطعہ کے (جو دالان میں آویزاں تھا) آئینہ پر چونچ مارتے ہوئے پکارنا شروع کیا تو آپ نے اس کو چادر سے اڑایا۔ اس کے بعد دوبارہ پھر وہ آکر چیخنے لگی تو آپ نے غصّہ سے "مرکمبخت" فرما کر اس کو اڑایا کیونکہ اس کے بار بار چیخنے سے آپ کے مطالعہ میں خلل ہورہا تھا۔

راویہ کہتی تھیں کہ چڑیا اس وقت تو اڑ گئی وہاں سے پھر اڑ کر ایک سوراخ میں داخل ہوئی اور چیخنا شروع کیا تو میں نے عرض کی کہ کیا صاحب! چڑیا کو مارڈالے؟ اس پر آپ "ہاں" فرما کر اٹھے اور اس سوراخ پر لکڑی سے آواز کی تو چڑیا اندر سے نہ نکلی آخر اس سوراخ کے اندر لکڑی ڈالکر ہلایا تو اندر سے مردہ چڑیا کے پر جھڑے۔ نہیں معلوم کہ اندر کون جانور تھا کہ چڑیا کے داخل ہوتے ہی اس کو شکار بنا لیا یا کیا گزری؟

بیان کیا جاتا ہے کہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کسی سے ملاقات کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ "یہ تو ہمارے آدمی ہیں" چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ وہ کچھ دن کے بعد داخل سلسلہ ہوئے

حاجی یوسف علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے برادر زادہ بھی امیر علیشاہ صاحب حضرت کے خاص خادمین سے تھے میں اس وقت داخل سلسلہ نہ ہوا تھا ایک دفعہ امیر علیشاہ صاحب کے ساتھ حاضر ہوا امیر علی صاحب نے حضرت سے میرا تعارف کرایا تو آپ نے مجھے ملاحظہ فرماتے ہی فرمایا کہ "یہ تو ہمارے آدمی ہیں" اس ارشاد کے عرصہ بعد میں نے غلامی میں داخل ہونے کی عزت حاصل کی اور خلافت سے بھی سرفراز ہوا۔

اس طرح کے اور بہت سے واقعات مشہور ہیں جن کو جمع کیا جائے تو ایک بسیط کتاب ہوگی اس لئے ہم صرف ان چند واقعات پر اکتفا کرتے ہیں۔

آپ کے ہم عصر شیوخ سب آپ کا احترام کرتے اور آپ کی تعریف فرماتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ خاں صاحب حمکلی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سردر میاں صاحب بیابانی علیہ الرحمہ کی حضرت سید عمر صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس دعوت کی حضرت ممدوح تشریف لائے تو پہلے حضرت خواجہ محبوب اللہ رحمہ کے مزار مبارک پر فاتحہ کے لئے حاضر ہوئے فاتحہ کے بعد بہت دیر تک مزار شریف کے پاس مراقب رہے اس کے بعد لوٹتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ "یہاں کے سجادہ نشین صاحب کہاں رہتے ہیں" میں نے جواب دیا کہ یہی سامنے والے مکان میں۔ کیا میں حضرت کو اطلاع کروں؟ فرمائے ہاں! اگر حضرت کچھ مصروف نہ ہوں تو ملاقات کرلیں گے۔" میں نے فوراً بڑھکر دروازہ پر دستک دی اور عرض کیا تو حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ باہر رونق افروز ہوئے۔ دونوں حضرات سے بہت گرم جوشانہ ملاقات رہی۔ اس کے بعد حضرت

سرور میاں صاحب قبلہ رح آپ سے بہت دیر تک مسجد میں مصروف گفتگو رہے واپسی کے وقت مجھ سے یہ فرماتے ہوئے کہ ع۔

"باپ کی بو باس اسی گل میں ہے"

فرمایا کہ "ماشاء اللہ عثمان میاں صاحب کی بڑی ممتاز کیفیت ہے"

ہجرت کا قصد ۱۳۲۹ھ کو بلدہ حیدرآباد میں طاعون کا جس شدت سے حملہ ہوا اس سے ساکنین بلدہ بخوبی واقف ہیں۔ اس طاعون میں حضرت کے محل محترم اور ایک صاحبزادی جو بارہ یا تیرہ سال کی ہونگی انتقال کرگئیں ہمشیرہ کا بھی اسی مرحلہ میں انتقال ہوا آپ کے عم محترم حضرت سید عمر صاحب قبلہ نے بھی اسی میں رحلت فرمائی جس کا آپ کے قلب پر بہت صدمہ تھا۔

۲۵ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ کو آپ نے اپنے پھوپی زاد بھائی حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی کی صاحبزادی سے عقد فرمایا شوال ۱۳۳۰ھ کو والدہ محترمہ کے ساتھ جنہوں نے پہلے ہی سے ہجرت کا ارادہ فرما لیا تھا مع محل محترم و صاحبزادہ و صاحبزادی کے عازم حرمین شریفین ہوئے۔

اس سفر کی روانگی کا منظر بھی عجیب درد انگیز تھا۔ مریدین و معتقدین و قرابت دار احباب سب حضرت کو گھیرے ہوئے رو رہے تھے۔ سب کو آپ کی جدائی بے حد گراں تھی بالخصوص وہ منظر عجیب تھا جب کہ پیر بہنوں سے ملاقات کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "اچھی طرح مجھے دیکھ لو ممکن ہے کہ پھر تم نہ دیکھ سکو" اس ارشاد پر تمام گھر میں کہرام مچ گیا۔ تمام چیخیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ یہ گویا آپنے اپنے وصال کی پیش گوئی فرمادی تھی۔

مدینہ طیبہ سے واپسی حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۱ھ میں حضرت سے ملنے

ارادے سے میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور وہاں پہنچکر آپ کو اس بات پر مجبور کیا کہ چند ماہ کے لئے کم ازکم آپ پھر حیدرآباد تشریف لے چلیں کہ آپ کی جدائی سے تمام پیر بھائی بےچین ہیں دوسرے آپ اپنی صاحبزادی کا بھی وہاں کچھ انتظام فرماکر پھر واپس تشریف لالیں تو مناسب ہوگا۔ اس پر آپ نے پہلے تو سخت ناراضی ظاہر کی اور فرمایا کہ بچی کو تم اپنے ساتھ لے جاکر ان کی نانی کے حوالہ کردو۔ میں اب واپس ہونا نہیں چاہتا۔ من بعد جب میرا اصرار حد سے تجاوز کرگیا تو فرمایا کہ اچھا آج بارگاہ رسالت پناہی میں معروضہ کروں گا اگر اجازت ملجائے تو چلونگا ورنہ نہیں چنانچہ دو روز مغرب سے عشا تک آپ حرم نبوی صلعم میں مراقب رہے دوسرے روز بعد عشا میں نے دریافت کی تو فرمایا کہ اجازت تو مل گئی ہے لیکن میں پھر غور کرلینا چاہتا ہوں۔ تیسرے روز پھر آپ اسی طرح مغرب سے عشا تک مراقب رہے اور عشا کے بعد مسرت سے فرمایا کہ تمہاری خواہش پوری ہوئی اجازت مل گئی ہے ہم چلیں گے اس کے بعد فرمایا کہ اجازت تو پہلے ہی مل چکی تھی لیکن مجھے سرکار دو جہاں صلعم کی جدائی بارگزر رہی تھی اس لئے میں نے مکرر معروضہ کیا کہ سرکار کو چھوڑ کر جانے دل نہیں چاہتا ہے۔ اس پر آج آقائے نامدار (روحی فداہ) کا کرم آمیز حکم ہوا کہ۔

"اگر تم کو ہماری جدائی بارگزر رہی ہے تو چلو ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں"

اس عنایت آمیز حکم سے اب میرا قلب مطمئن ہوا اور اب میں تمہارے ساتھ چلنے آمادہ ہوں۔ آپ کی اس رضامندی و آمادگی پر میں مسرت سے باغ باغ ہوگیا فوراً سفر کی تیاری شروع کی۔ آپ بھی والدہ ماجدہ سے اجازت حاصل کرکے ہمارے ساتھ ہوگئے مدینہ طیبہ سے نکلنے تک آپ کی طبیعت بالکل اچھی تھی البتہ آپ کے محل میں دینے صاحبزادی حضرت مولانا محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی علیل تھیں۔

علالت کا سلسلہ تیسری منزل پر آپ کو بخار آیا تو میں نے مولوی حکیم محمود صمدانی صاحب طبیب قافلہ سے آپ کو رجوع کرکے دوا شروع کی جب رابغ پہنچے تو آپ کچھ متفکر نظر آتے تھے منزل رابغ پر میں نے آپ کے لئے دوا لانے حکیم محمود صمدانی صاحب کے پاس جانے نکلا تو اتفاق سے حکیم صاحب حضرت کو دیکھنے ہی آرہے تھے حکیم صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ جاکر دوا لے لیجئے اس وقت تک میں حضرت ہی کے پاس ٹھیرتا ہوں میں بہت اچھا کہکر دوا لانے گیا۔ اور حکیم صاحب آپ کے پاس حاضر ہوئے میں دوا لایا تو حکیم صاحب نے مجھ سے کہا کہ حضرت کو بخار بالکل معمولی ہے مگر حضرت بالکل متاثر معلوم ہورہے ہیں چنانچہ ابھی ابھی ایک عجیب واقعہ ہوا۔ وہ یہ کہ میں حضرت کے سامنے ہی بیٹھا ہوا تھا آپ نے مجھ سے باتیں کرتے کرتے آسمان کی جانب دیکھکر فرمایا کہ "خیر۔ مدینہ کا نہیں تو نہیں جدہ ہی کا کردو" حضرت کے اس مایوسانہ ارشاد پر میں نے کہا کہ آپ کیوں ایسا فرماتے ہیں آپ کا مزاج اچھا ہے۔ بخار معمولی ہے انشاء اللہ تعالیٰ چلا جائے گا۔ آپنے چونک کر جیسے کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے دریافت فرمائی کہ میں نے کیا کہا۔ میں نے آپ کے الفاظ جب دہرائے تو اس بات کو اڑاتے ہوئے فرمایا کہ نہیں معلوم اسوقت کس دھن میں کیا کہدیا حقیقت یہ ہے کہ اس وقت میرا دماغ صحیح نہیں ہے۔" بہرحال حضرت بہت متاثر اور زندگی سے مایوس نظر آتے ہیں۔ اس لئے آپ حضرت کو سمجھائے کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں آپ کی طبیعت بحمدہ تعالیٰ بہت اچھی ہے۔

حکیم صاحب کے رخصت ہونے کے بعد اس تذکرہ کو میں نے حضرت سے دہرایا اور عرض کی آپ کی طبیعت بالکل اچھی ہے بلا وجہ آپ کو اس قدر متاثر نہ ہونا چاہیے

آپ نے فرمایا کہ میں بخار کی وجہ متاثر نہیں ہوں بلکہ ایک واقعہ کی وجہ میرا دل بہت پریشان ہے وہ یہ کہ:۔

میں جس وقت مدینہ طیبہ سے نکلا اور مناخہ میں منزل کی (مخفی مباد کہ مدینہ طیبہ کے باہر مناخہ ایک مقام ہے جہاں قافلہ ایک رات قیام کرتا ہے تاکہ مسافرین اگر کچھ مال واسباب وغیرہ بھول جائیں تو جاکر لے سکیں) اس منزل میں رات کو ایک خواب دیکھا کہ ہمارے ساتھ بی بی خاتون جنت اور بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی چل رہی ہیں۔ اور دونوں سردارنیوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ جدہ تک چلنا چاہتے ہیں ہم کو بھی ایک شغدف دلادو تو خواب ہی میں میں نے ان دونوں بزرگواروں کے لئے ایک شغدف کا انتظام کردیا۔ جب خواب سے بیدار ہوا اور قافلہ نکلا تو میں نے ایک خاص کیفیت دیکھی کہ میرے شغدف کے اندر ایک شغدف ہے جس میں ہر دو بزرگوار تشریف فرما ہیں یہ کیفیت منزل رابغ تک دیکھتا رہا اب رابغ سے ان دونوں بزرگواروں نے مجھ سے یہ فرماتے ہوئے کہ تمہارا خدا حافظ ہے اب ہم جاتے ہیں واپس تشریف فرما ہوئے۔

اس واقعہ کی بنا پر میں سخت پریشان ہوں کہ جدہ تک ساتھ چلنے کا ارشاد فرما کر ان بزرگواروں نے مجھے رابغ ہی سے کیوں چھوڑ دیا؟

جدہ شریف میں قیام | ۲۰ محرم کو جدہ شریف پہنچے دن بدن سلسلۂ علالت بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ اسہال کبدی شروع ہوگئے حکیم محمود صمدانی صاحب نے ہر چند کوشش کی مگر بقول شخصے ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

طبیعت سنبھلتی نظر نہ آئی۔ آخر سلسلۂ علالت نے اتنا طول کھینچا کہ بایاں پیر بالکل سوکھ گیا تھا۔ اپنے سے حرکت نہ کرسکتے تھے۔ حوائج ضروری کے لئے بھی دو آدمی اٹھاتے بٹھلاتے تھے۔

ادھر آپ کے محل محترم کی حالت روز بروز بگڑتی جارہی تھی ان کا سلسلۂ علالت بھی نازک صورت اختیار کر لیا۔ جدۂ شریف میں جس مکان میں قیام تھا اس مکان میں آپ کے بالکل قریب ہی آپ کے محل کا بستر بھی تھا جس کی وجہ راتوں میں تکلیف سے بیچین ہو کر وہ اٹھتیں تو آپ بھی فوراً بیدار ہو جاتے جب دیکھا گیا کہ ان کی وجہ آپ کی صحت پر اثر پڑ رہا ہے تو حضرت کو سمجھا منا کر ان کو علٰحدہ مقام پر منتقل کیا گیا۔

محل محترم کا انتقال | ۹، صفر ۱۳۳۲ھ کو آپ کے محل محترم نے گیارہ بجے شب میں انتقال فرمایا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون چونکہ اس وقت آپ کی طبیعت خود ٹھیک نہ تھی اس لئے صبح ناشتہ کے بعد اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی گئی۔ تو آپ نے تفصیل سے واقعات پوچھے اس کے بعد دفن کی اجازت دی اور فرمایا کہ "چونکہ اب مجھ سے تو اٹھا نہیں جاتا۔ اس لئے تجہیز و تکفین کر کے دفن کر دو مگر مقام اچھا تجویز کیا جائے۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آخر زمانہ میں آپ کی استغراقی کیفیت اس قدر زیادہ ہوگئی تھی کہ عالم مثال و عالم شہادت میں امتیاز باقی نہ تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جدۂ شریف کے مکان کے برآمدہ میں آپ تشریف فرما تھے برآمدہ کی کھڑکیاں کھلی تھیں میں سامنے حاضر تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو اس کھڑکی کے پاس کون ہے؟ میں حیران ہو گیا کہ برآمدہ کی کھڑکی کے پاس کون آئے گا اس لئے جی کہکر خاموش ہو گیا پھر دوبارہ آپ نے تاکید سے فرمایا کہ دیکھو کون ہے؟ تب تو میں تعمیل حکم میں اٹھا اور عرض کیا کہ جی کوئی نہیں ہے تو آپ نے تعجبانہ انداز میں ہاں! کوئی نہیں ہے کہکر خاموش ہو گئے۔ اس وقت میں سمجھا کہ آپ اپنے خیال میں اس وقت مستغرق ہیں۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ناشتہ کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو تین مقام پہلا صبر کہ اس مقام میں انسان ہر تکلیف کو کڑوی دوا کے گھونٹ کی طرح برداشت کرتا ہے دوسرا مقام رضا ہے کہ اس مقام میں تکلیف و راحت یکساں ہو جاتے ہیں یعنی تکلیف تکلیف محسوس ہوتی ہے نہ راحت راحت ؎

نہ فراق اچھا ہے اے دل نہ وصال اچھا ہے، یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے۔

تیسرا مقام تسلیم ہے۔ اس مقام میں محبوب کی جانب سے اگر تکلیف بھی پہنچے تو عاشق کو اس میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ اس ارشاد کے بعد آپ نے ایک آہ سرد کھینچی اور آپ کی آنکھ سے آنسو رواں ہو گئے۔ اس پر میں نے خیال کیا کہ غالباً اب حضرت کا یہی مقام ہے۔

۹ رصفر کے بعد آپ کی صحت اور متاثر ہوتی چلی حکیم صاحب ہر طرح کوشش کرتے رہے نسخے بدلے آخر مجبوری کا اظہار کر دیا کہ یہاں حسب منشا دوا ملتی نہیں جس کی وجہ سے مجبوری ہے جب دیکھا گیا کہ پستی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے حتیٰ کہ بات کرنا بھی بار ہو گیا ہے تو آخر ۱۲ رصفر کو وہاں کے ایک مشہور ترکی ڈاکٹر سے آپ کو رجوع کیا گیا۔ ایک روز ڈاکٹری علاج بھی رہا مگر افاقہ کی صورت نظر نہ آئی۔

حضرت کا وصال | حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب ڈاکٹری دوا سے بھی کوئی فائدہ کی صورت نظر نہ آئی تو میں نے خیال کیا کہ حضرت کو ہمیشہ ڈاکٹری دوا سے تنفر رہا کبھی آپ نے انگریزی ادویہ استعمال نہیں فرمائیں۔ اب جبکہ مزاج کی ایسی نازک حالت ہو گئی ہے ان دواؤں کا استعمال قطعاً مناسب نہیں ہے۔

۱۲ رصفر کو اسی پریشانی میں کہ آخر کیا کیا جائے سوچتا ہوا حضرت کے پائین لیٹا تھوڑی دیر آنکھ لگی اس کے بعد جب بیدار ہوا تو ایک غیر معمولی قوت اپنے میں محسوس کی

اور خیال ہوا کہ اب تمام دوائیں موقوف کرکے آپ ہی کے بتائے ہوئے اوراد پڑھ کر آپ پر دم کرنا چاہئے چنانچہ میں اٹھا اور وضو کرکے آپ پاس بیٹھکر بالجہر اسمار حسنیٰ شروع کیا جس کو آپ خاموش سماعت فرماتے رہے اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمار مبارک شروع کیا تو ہر اسم مبارک پر جیسے شدت کیف میں کوئی وہ ہوں" کہتا ہے آپ "ہوں ہوں" فرماتے رہے۔ جب ان اسمار مبارک کو ختم کرکے دوسرے اوراد شروع کیا پھر آپ خاموش ہوگئے۔

۹ یا ۱۰ صفر کو جہاز کے آنے کی خبر تھی میں سخت حیران تھا کہ اگر جہاز آجائے تو میں حضرت کو کس طرح لے جاسکوں گا۔ اور کیونکر سوار کراؤں گا۔ مگر ۱۲ صفر بھی گذر گئی۔ جہاز آیا نہیں جدہ سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بمبئی سے جہاز نکلکر عرصہ گذرا نہ جانے کے نہ آنے پر مختلف خیال آرائیاں تھیں کوئی کہتا کہ ممکن ہے غرق ہوگیا ہو، کوئی کہتا کہ راستہ میں کچھ خرابی ہوگیا ہو، مگر صحیح پتہ نہ چلا آخر ۱۳ صفر کی صبح میں جہاز جدہ کی گودی پر پہونچا۔ دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ جہاز ایک ریت کے ٹیلے پر چڑھ گیا تھا۔ جس کی وجہ چار روز کی آنے میں تاخیر ہوئی۔ جس روز جہاز آیا اسی روز صبح کے سات بجے یعنی ۱۳ صفر ۱۳۳۱ھ روز یکشنبہ حضرت نے اس عالم فانی سے رحلت فرمائی۔ اور دس بجے دن کو جہاز آیا انا للہ وانا الیہ راجعون اس وقت تمام قافلہ نے کہا کہ یہ سب حضرت کا تصرف تھا کہ جہاز کو روکدیا گیا تھا۔

نماز و دفن | نماز ظہر کے بعد جدہ شریف کی مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی گئی اور حضرت حوا علیہا السلام کے مزار شریف کے قریب آپ کو دفن کیا گیا۔

جنازہ کے ہمراہ قافلہ کے تمام لوگوں کے علاوہ جدہ شریف کے رہنے والے

بھی تھے منجملہ ان کے دو نورانی صورت اصحاب جن میں ایک نوعمر اور دوسرے سن معلوم ہوتے تھے عربی وضع کا لباس یعنے لانبا کرتا، لنگ، اور سر پر ٹوپی پہنے ہوئے مکان سے مقام دفن تک برابر جنازہ کو کندھا دیتے ساتھ رہے ان دونوں بزرگوں نے سب کو حیران کر دیا۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو اس سے قبل میں نے حضرت کے پاس آتے جاتے کبھی نہیں دیکھا۔ نہ وہ جدہ شریف میں اس کے بعد پھر کبھی نظر آئے ان کے مخلصانہ طرز کا یہ عالم تھا کہ ادھر سے کوئی ہٹایا تو ادھر جاتے اور ادھر سے ہٹایا جائے تو ادہر آتے بہرحال میت کے ڈولے کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ اسی طرح مقام دفن تک پہنچے۔ جب میت کو قبر میں اتارنے کا ارادہ کیا گیا۔ تو سب سے پہلے معمر صاحب کمر باندھ کر قبر میں اتر پڑے اور میت کو قبر میں لٹایا۔ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد سبھوں نے مجھ سے ملاقات کی لیکن وہ دونوں حضرات نظر نہ آئے میں نے دریافت کی کہ وہ دونوں حضرات کون تھے؟ کہاں ہیں؟ تاکہ ان کی اس ہمدردی کا شکریہ ادا کر دوں تو اہل جدہ نے لاعلمی ظاہر کی تلاش کی گئی مگر پتہ نہ چلا۔ بالآخر میں نے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر حضرت حوا علیہا السلام کے چبوترہ پر کھڑے ہو کر ان کو دیکھا جہاں سے تخمیناً ایک فرلانگ تک صاف میدان ہے۔ درمیاں میں کوئی چیز حائل بھی نہیں۔ مگر ان دونوں بزرگوں کا کہیں پتہ نہ چلا۔ نہ ان کو جاتے ہوئے کسی نے دیکھا۔ سب کے سب حیران تھے کہ یہ کون تھے؟ کہاں سے آئے؟ کدھر گئے۔

حضرت کے وصال کے دوسرے ہی روز چونکہ جہاز نکلنے والا تھا۔ اس لئے مجبوراً اسی روز نکلنے کی تیاری کی گئی اور دوسرے روز جدہ سے قافلہ روانہ ہوا

فاتحہ سوم جہاز ہی میں ہوئی۔

تاریخ میں اختلاف حضرت کی وصال کی تاریخ میں اختلاف ہے ۱۳ر صفر ۱۳۳۲ھ کو جدۂ شریف میں یکشنبہ کا دن تھا لیکن حیدرآباد میں بلحاظ اختلاف مطالع بروز یکشنبہ ۱۴ر تاریخ تھی۔ اس لئے عرس شریف ۱۳ر ۱۴ر ۱۵ر کو اور ماہانہ فاتحہ ہر ماہ کی ۱۴ر تاریخ ہوتی ہے۔

جانشینی جدہ شریف سے واپسی کے بعد ۱۴ر ربیع الاول شریف کو مسجد النور قاضی پورہ حیدرآباد میں حضرت کی ماہانہ فاتحہ کی تقریب ہوئی اس تقریب میں تمام اہل خاندان کے بشورہ سے باتفاق جمیع حضرت قبلہ سیدی ومرشدی ومولائی سید شاہ **محمد یحیٰی حسینی** صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی آپ کے جانشین مقرر ہوئے تمام اہل خاندان نے (جو حضرت خواجہ محبوب اللہ رحمہ کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے) نذریں دیں اس طرح جانشینی کا اعلان ہوا۔

اولاد حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی اولاد میں اب صرف ایک صاحبزادی حضرت امۃ المحبوب محل حضرت سید شاہ عبدالوہاب صاحب شطاری موجود ہیں۔ صاحبزادی صاحبہ کو اس وقت چار صاحبزادیاں جنکے منجملہ تین قابل شادی ایک کمسن اور ایک صاحبزادہ عمر بارہ سالہ ہیں۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کی صاحبزادی صاحبہ نے شادی کے چھ ماہ بعد (جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا) ابا رضی اللہ عنہا لاولد انتقال فرمایا صاحبزادی صاحبہ سے کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی یعنے حضرت خواجہ محبوب اللہ رحمہ کی تمام اولاد صاحبزادگان ہی سے ہے۔ صاحبزادی سے نہیں۔ اور

حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی تمام نرینہ اولاد کمسنی ہی میں انتقال کر گئی۔ اب صاحبزادی صاحبہ ہی سے آپ کی آل کا سلسلہ جاری ہے اس سے فنائیت تامہ کا مزید ثبوت ملتا ہے۔

قطعات تاریخ طبع گلدستہ تجلیات

از حضرت قبلہ سیدی و مرشدی سید شاہ محمد یحییٰ حسینی صاحب حاذق قبلہ مدظلہ العالی

حاذق اس خواجہ کا ہے یہ تذکرہ ۔۔۔ ہے جو محبوب خدا قطب زمن
عرض کر دے مصرعۂ تاریخ یوں ۔۔۔ مقتدائے دین شہنشاہ دکن
۱۳۵۴ ف

از برادرم مولوی فاضل سید شاہ محمد ابراہیم صاحب قادری واثق

لطف خلاق سے حالات حیات خواجہ رضہ ۔۔۔ ہو گئے طبع تو سب حلقہ گوشوں میں ہے عید
سال ہجری کی ہوئی فکر جو واثق مجھکو ۔۔۔ مجھ سے ہاتف نے کہا۔ ذکر حیات جاوید
۱۳۶۲ ھ

از برادرم مولوی فاضل حکیم سید عثمان حسینی صاحب قادری ذکی

ایسی تالیف کو سمجھتے ہیں ۔۔۔ اہل عرفان۔ خزینہ معشوق
مصرعۂ سال ہے ذکی کیا خوب ۔۔۔ گنج ایماں خزینہ معشوق
۱۳-۶۳ ھ

از برادرم مولوی سید محمد الحسینی صاحب قادری برق

مرے جد امجد کے حالات سے ۔۔۔ بہت لوگ اے برق تھے بیخبر
بڑے بھائی صاحب نے چھپوائے ہیں ۔۔۔ کہا سال میں نے۔ کرامات اثر
۱۳۶۳ ھ

از میاں سید محمد صدیق حسینی عارف سلمہ

احوال کو پڑھ کر خواجہ کے — اک کیف ہے اہل ایمان میں ۔
سال ہجری ہے عارف — میخانہ نور عرفان ۔ میں
۱۳۶۳ھ

از مولوی میر یاور علی صاحب خنجر (خلقی) مہتمم صدر خزانہ بلدہ پائیگاہ آسمان جاہی

حالات مرے خواجہ کے طبع ہوئے ہیں اب — اور اک سے بھی جن کا رتبہ ہے بہت بالا
ہاتف نے کہا مجھ سے ارشاد یہ اے خلقی — سال ایسی طاعت کا ہے یہ تذکرہ والا
۱۳۶۳ھ

از جناب پرورش علی صاحب قادری سلمہ

چھپ گیا ذکر خواجہ جو — سرتا پا ہے فیض اتم
سال ہجری اس کا ہے — ذکر معدن جود و کرم
۱۳۶۳ھ

از میاں سید ابو عبد اللہ الحسین شہنشاہ سلمہ

چھپ گئے واقعات خواجہ کے — زہے لطف و عنایت اخلاق
اے شہنشاہ عرض کر تاریخ — بارک اللہ جیب معدن اخلاق
۱۳۶۳ھ

از جناب نواب میر اکرام الدین علی خاں صاحب قادری حامد بی ۔ اے (علیگ)

چھپے ہیں واقعات قطب الاقطاب — جو اس میں درج ہے بہتر ہے تاریخ
کہا حامد نے یوں پوچھا جو میں نے — سرور ساقی کوثر ہے تاریخ
۱۳۶۳ھ

از جناب نواب فرید الدین خاں صاحب قادری بی ۔ اے ۔ (عثمانیہ)

خواجہ کے مرے چھپے ہیں احوال — ہے پرتو نیر رسالت
ہجری میں فرید سال تالیف — لکھ دے یہ خزینۂ کرامت
۱۳۶۳ھ

از جناب میر محمد علیصاحب فاؔتح فرزند جناب میر یادر علی صاحب خنجرؔ

چھپ گئے قطب زماں کے واقعات زندگی
ہے بجا اس کو کہیں اساس معرفت

فاتحؔ خوش بخت سے پوچھا تو یوں کہنے لگا
سال فصلی طبع کا ہے ۔ اقتباس معرفت
۱۳۵۴ف

از جناب میر حافظ علی صاحب شمشیر فرزند جناب مولوی میر یادر علی صاحب خنجر

خواجہ کا ہے ذکر اس میں شمشیر
در جن کا ہے منزل طریقت

فصلی میں سن طباعت اس کا
ہے ۔ مرشد کامل طریقت
۱۳۵۴ف

از جناب مولوی حاجی یوسف علی صاحب قادری

تعریف ہو بیان خواجہ کا کیا کیا
کہیں پایا نہ ہم نے مثل اُن کا

مکمل جب ہوئے حالات چھپ کے
کہا میں نے کتاب ذکر زیبا
۱۳۶۳ھ

از حضرت مولنا شاہ عبدالوہاب صاحب شطاری

چہ آخر در رہ الفت چہ اوّل
کہ نزدِ عاشقاں قند است حنظل

بزرگاں را نہ اسے سنجہ باشند
چہ فاضل در رہ وسیرت چہ افضل

مکن فرقے میانِ "خلق و فالق"
کہ ہرگز یک نہ بیند چشم احول

پے تاریخ طبع سیرتِ پاک
"حیات فخر دیں" گفتیم اکمل
۱۳۶۳ھ

از جناب سید محمد علی صاحب شطاری عرف خواجہ بادشاہ سلمہٗ

مدت کے بعد حضرتِ عاشق کے دور میں
ہوتا ہے طبع تذکرہ اب نانا جان کا

خواجہ کو فکر سال طباعت کے ساتھ ہی
آئی ندا کہ کہدے تو "ہے پاک تذکرہ"
۱۳۶۳ھ

قطعۂ تاریخ اشاعت

از حضرت سیدی و مرشدی حاذق مدظلہ العالی

ذکر جس کا ہر انجمن میں ہے — ہے یہ گلدستۂ تجلیات
سالِ ہجری سنو اشاعت کا — "سیرت خواجہ دکھن" میں ہے

۱۳۶۴ھ



ملنے کا پتہ

مکتبۂ علمیہ — پتھر گٹی حیدرآباد دکن — ہدیہ چار روپیہ (للعہ)

علاوہ محصول ڈاک

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز
(حیدرآباد دکن)